تذکرہ

حضرت جی مولانا محمد یوسف رح

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی و مولانا عتیق الرحمن سنبھلی

مکتبہ خلیل
یوسف مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار
لاہور فون: 7321118

تزکرہ حضرت جی

مولانا محمد یوسف رح

تبلیغی جماعت کی دینی دعوت اس کے اصول وطریقہ کار اور حضرت مولانا محمد یوسف رح کی سبق آموز اور قابل تقلید داعیانہ اور مجاہدانہ زندگی سے واقفیت حاصل کرنے کے لئے اس کتاب کا مطالعہ انشاء اللہ کافی ہے

مرتبہ

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رح

و

مولانا عتیق الرحمن سنبھلی

مکتبہ خلیل

یوسف مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار

لاہور فون : 7321118

نام کتاب ________ تذکرہ حضرت جی

مرتبین ________ حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ
و
مولانا عتیق الرحمن سنبھلی

پرنٹرز ________ گنج شکر پرنٹرز

ٹائٹل ڈیزائن ________ دار النشر یوسف مارکیٹ اُردو بازار لاہور

قیمت ________ ۷۲ روپے صرف

اشاعت پاکستان ________ اکتوبر ۱۹۹۸ء

تعداد ________ چھ سو

اہتمام اشاعت ________ وکیل احمد

فہرست

پیش لفظ

از ـــــ مولانا محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

باسمہٖ سبحانہٗ تعالیٰ حمداً وسلاماً

داعی الی اللہ حضرت مولانا محمد یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ذیقعدہ ۱۳۸۴ھ اپریل ۱۹۶۵ء میں دینی جدوجہد کے میدان ہی میں اچانک لاہور میں ہوا تھا (جس کی کچھ تفصیل اس مجموعے کے بعض مضامین سے معلوم ہو سکے گی) اس وقت مولانا مرحوم کو خراج تحسین و عقیدت پیش کرنے کے لیے نہیں بلکہ اس دینی دعوت ہی کی خدمت کی نیت سے جس کی راہ میں انہوں نے جان دی تھی "الفرقان" کا ایک خاص نمبر "حضرت مولانا محمد یوسف نمبر" کے عنوان سے شائع کیا گیا تھا۔

یہ نمبر تبلیغی جماعت کی دینی دعوت کی خدمت کے جس مقصد سے مرتب اور شائع کیا گیا تھا، اللہ تعالیٰ کی مدد و توفیق سے اس کے لیے عام طور سے بہت مفید سمجھا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو توقع سے بہت زیادہ قبولیت بھی عطا فرمائی ـــــ اہل طلب حضرات کے اصرار پر اس کا کتابی ایڈیشن شائع کیا جا رہا ہے۔

بعض اہم مضامین کا اضافہ: ۱۳۸۴ھ ۱۹۶۵ء میں جب "حضرت مولانا یوسف نمبر" شائع ہوا تھا تو صفحات میں گنجائش نہ رہنے کی وجہ سے بعض نہایت اہم مضامین اس میں شامل ہونے سے رہ گئے تھے جو اس کے بعد والے شمارہ میں شامل کئے گئے تھے۔ اس لحاظ سے وہ شمارہ گویا "حضرت جی نمبر" کا ضمیمہ تھا۔ اب اس جدید ایڈیشن میں وہ سب مضامین بھی شامل کر دیئے گئے ہیں۔

تبلیغی جماعت کی دینی دعوت و اس کے اصول اور طریق کار اور حضرت مولانا محمد یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی سبق آموز اور قابل تقلید داعیانہ اور مجاہدانہ زندگی سے واقفیت حاصل کرنے کے لیے اس نمبر کا مطالعہ انشاء اللہ کافی و وافی ہے، اللہ تعالیٰ اس کو ناظرین کے دلوں میں یقین کا نور، ایمان کی حرارت اور دین کی راہ میں جانبازی کا شوق و ولولہ پیدا ہونے کا وسیلہ بنائے اور اس کی اس جدید اشاعت کو دینی دعوت ہی کے سلسلہ کی ایک کڑی کی حیثیت سے قبول فرمائے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ

محمد منظور نعمانی عفاہ اللہ عنہ

افتتاحیہ

عتیق الرحمٰن سنبھلی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"حضرت مولانا محمد یوسف نمبر" آپ کے ہاتھ میں ہے۔ مولانا کی شخصیت اُن کے مجاہدات و کمالات، علوم و معارف اور بیس سالہ دعوتی زندگی پر نظر کی جائے تو یہ مجموعہ کچھ بھی نہیں لیکن جن حالات میں اور جس انداز سے اس شکل تک پہونچا ہے اس سب کو دیکھتے ہوئے اسے مولانا کی کرامت یا مرضی الٰہی کا ظہور کہنا بھی شاید بجا ہو۔

حضرت مولانا کا وصال ہوا تو اس خاص تعلق کی بنا پر جو الفرقان کو اس سلسلۂ دعوت سے رہا ہے راقم سطور کے دل میں تقاضا ہوا کہ اس موقع پر ایک خصوصی اشاعت کا اہتمام کیا جائے جیسا کہ حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کے وصال پر ایک خاص اشاعت الفرقان نے پیش کی تھی[1] اور وہ آج تک بھی اس تحریک سے الفرقان کے تعلق کی ایک زندہ علامت ہے۔ لیکن یہ فیصلہ میرے کرنے کا نہیں تھا ان دو بزرگوں کے کرنے کا تھا جن کے اس تحریک کے ساتھ تعلق پر الفرقان کے اس خاص تعلق کا انحصار رہا ہے یعنی والد ماجد اور مخدومنا مولانا علی میاں مدظلہم، اور یہ دونوں بزرگ اس وقت حجاز مقدس میں تھے۔ چنانچہ اپنا یہ خیال وہاں کو اس طرح لکھ بھیجا کہ وہیں سے کچھ لکھ کر بھیجدیجئے اسلئے کہ واپسی میں تو ابھی بہت دیر ہے اور امید تھی کہ جواب تحسین و تائید ہی میں ہوگا اس بنا پر ناظرین الفرقان کو بھی ہلکی سی امید دلائی گئی۔

مگر وہاں مولانا کے سانحۂ ارتحال کی اچانک خبر نے کچھ اس طرح کا اثر کیا تھا کہ جیسے دلوں پر اوس پڑ گئی ہو اور طبیعتیں لکھنے لکھانے پر اٹھائے نہ اٹھتی ہوں، چنانچہ جو جواب آیا اس کے بعد یہ خیال

---

[1] الفرقان کی وہی خاص اشاعت "حضرت مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت" کے نام سے ۳۲ سال سے کتابی شکل میں شائع ہو رہی ہے وہی حضرت مولانا اور ان کی دینی دعوت کی مستند تاریخ ہے۔

ذہن سے نکال دینا پڑا۔ حتیٰ کہ ہر دو بزرگوں کی واپسی ہوگئی۔ اور وہاں سے موتمر اسلامی نمبر" کا خیال ساتھ آیا جس کی بنیاد وہ اہم مقالات تھے جو اس مؤتمر میں عالم اسلام کے منتخب فضلاء نے پیش کئے تھے اور اس نمبر کا اعلان بھی کر دیا گیا۔ مگر اس سے پہلے ربیع الاوّل (مطابق جون ۱۹۶۵ء) کا جو شمارہ نکلنا تھا اس کے لیے والد ماجد نے ایک مضمون مولانا مرحوم پر قلمبند فرمایا اور قریب تھا کہ یہ شمارہ اس مضمون کے ساتھ نکل جائے کہ بعض معاصر ماہناموں میں مولانا کی شخصیت اور ان کی دعوت سے متعلق ایسے مضامین سامنے آئے جنھوں نے ایک بار پھر تقاضا پیدا کیا کہ مولانا کی دعوت اور ان کی شخصیت کو اس کی صحیح صورت میں اُجاگر کرنے کی کوشش کی جائے تاکہ پوری طرح واقفیت کا موقع نہ پانے والے نہ تو خود اپنی ناواقفی یا غلط فہمی سے مولانا اور ان کی دعوت کی غلط اور ناقص صورتیں سامنے رکھ کر گفتگوئیں کریں اور نہ ان کی غلط فہمیاں دوسروں کو اس دعوت کے بارے میں غلط تصوّرات دیں۔ کیونکہ معاملہ صرف مولانا کی ذات کا نہیں ایک عالمگیر دعوت اور دینی جد و جہد کا ہے جس کے بارے میں لوگوں کا صحیح یا غلط فیصلہ بظاہر اسلام اور مسلمانوں کے مستقبل پر اثر انداز ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

مگر اب ایک طرف تو مسئلہ یہ تھا کہ "موتمر اسلامی نمبر" کا اعلان کیا جاچکا تھا اور دوسری طرف جن حضرات کا تعاون اس کوشش کی تکمیل کے سلسلے میں ناگزیر محسوس ہوتا تھا ان سے تعاون ملنے کے آثار نہیں تھے چنانچہ ایک درمیانی راستے کے طور پر صرف ایک ماہ کی اشاعت کو حضرت مولانا مرحوم کے لیے خاص کر دینے کا فیصلہ کیا گیا، اور جو ایک مضمون اس سلسلے میں تیار ہوا تھا وہ اسی اشاعت کے لیے روک لیا گیا۔

یہ اشاعت جولائی میں نکلنا تھی اور کتابت مکمل ہو کر طباعت کا مرحلہ بھی شروع ہونے لگا کہ دل نے کہا کہ یہ تو دریا کو کوزے میں بند کرنے کی کوشش ہوگئی۔ مگر کامیاب نہیں۔ یہ چند قطرے تو اہل طلب کی پیاس بھڑکائیں گے اور پھر تشنہ لبی کا شکوہ بجا ہوگا۔ دیر بھلے ہی ہو جائے مگر اس ظرف کی وسعت میں اضافہ چاہیئے چنانچہ اب جو جو کمی محسوس کی گئی اس کی تکمیل کے لیے پھر سے جد و جہد شروع ہوئی۔ اور بالکل تائید غیبی کا سا سماں ہوا۔ مولانا کے مکاتیب کے لیے خصوصی جد و جہد تھی اور کسی طرح کامیابی نہیں ہو رہی تھی

سه اس سے مراد وہ عظیم "موتمر اسلامی" ہے جو رابطہ عالم اسلامی (مکہ معظمہ) کی طرف سے ۱۹۶۵ء کے موسم حج میں منعقد ہوئی تھی۔

کہ بالکل مایوسی کے مرحلے پر جناب افتخار فریدی صاحب نے یکایک نشاندہی کی کہ مکاتیب کا بڑا وسیع ذخیرہ ان کا جمع کیا ہوا ندوۃ العلماء کے کتب خانے میں موجود ہے اسے جا کے دیکھا تو بس ساری پریشانی دور ہوگئی بہت سے خط ملے اور ان میں سے کئی ایک دیئے جا رہے ہیں مگر سب سے نادر چیز مولانا کا وہ خط ملا جس کا حوالہ مرکز نظام الدین سے ملا تھا کہ مولانا نے ایک دفعہ ایک بہت ہی مبسوط خط اس تبلیغی کام کی ماہیت اور اس کے اصول وضوابط پر بعض رفقاء کو لکھا تھا جو اس سلسلے میں تفصیل وجامعیت کے لحاظ سے مولانا کی واحد تحریر ہے۔ اس خط کو پا کر ایسا محسوس ہوا کہ جیسے سب کچھ مل گیا اور اس نمبر میں اور کچھ بھی نہ ہوتا تو مقصد کے لحاظ سے یہ تنہا کافی تھا۔

خطوط کے علاوہ ایک خاص ضرورت کسی ایسے مضمون کی تھی جو اس کام سے گہرا عملی تعلق رکھنے والے کسی صاحب علم کے قلم سے ہو اور وہ مضمون بیسر حاصل بھی ہو۔ جاننے والے جانتے ہیں کہ جو لوگ فکری اور عملی اعتبار سے اس تبلیغی کام میں ڈوبے ہوئے ہیں ان کے یہاں مضمون نگاری کا کوئی خانہ نہیں، کیونکہ اس کام ہی میں اس کا کوئی خانہ نہیں ہے۔ ہمارے علم میں صرف ایک صاحب ہیں جو اس عموم سے مستثنیٰ ہیں (یعنی محترم مولانا محمد اشرف صاحب۔ ایم۔ اے صدر شعبۂ عربی اسلامیہ کالج پشاور) ہماری خواہش تھی کہ ان کا مضمون ضرور اس نمبر کے لیے مل جاتا اور یہ کوئی مشکل بات نہ تھی چنانچہ ان سے درخواست کی گئی۔ مگر کوئی جواب نہ آیا پھر لکھا گیا، پھر جواب ندارد۔ حتیٰ کہ تار دیا گیا اور پھر مایوسی ہوگئی کہ یکایک ایک دوسرے مقام سے ان کا تار ملا اور پھر خط آیا کہ وہ ایک ماہ سے تبلیغی دورے پر تھے۔ رائے ونڈ (لاہور) کے تبلیغی مرکز میں ان کو ہمارا تار پشاور سے اہل خانہ نے بھیجا ہے اور اب ہمارا دیا ہوا وقت ختم ہوگیا ہے ورنہ وہ ضرور لکھتے بلکہ انکو افسوس رہیگا کہ وہ اس بزم یوسفی میں شریک نہ ہوسکے، چنانچہ انکو وقت بڑھانے کا تار دیا گیا اور اس طرح ان کا مضمون بھی آگیا جو بلاشبہ قلم برداشتہ ہے مگر ہماری توقع کے مطابق۔

بہرحال جن جن مراحل سے یہ نمبر گذر کر اپنی موجودہ شکل میں آیا ہے اسے دیکھتے ہوئے ایسا ہی محسوس ہوتا ہے کہ یہ کام اللہ ہی کو کرانا منظور تھا ورنہ اس کی بات تو شروع ہی میں ختم ہوگئی تھی اور اس احساس کے ماتحت امید ہے کہ خدا نے چاہا تو اس سے مرتب کرنے والوں اور پڑھنے والوں دونوں ہی کو فائدہ پہونچے گا۔

اوپر جو کہانی اس نمبر کی بیان کی گئی اس کے بعد اس کے مقصد و مدعا کے بارے میں کسی غلط فہمی کی گنجائش تو نہیں رہتی، پھر بھی اچھا ہے کہ صراحت کے ساتھ یہ بات کہہ دی جائے کہ اس نمبر کا مقصد خراج عقیدت پیش کرنا یا مولانا کی شخصیت کو منوانا نہیں، کہ یہ کام اگر کسی کے کرنے کا تھا تو اس کے حق دار مولانا کے وہ رفقاء کار ہو سکتے ہیں جنھوں نے اپنا دامن مولانا کے دامن سے اس طرح باندھ دیا تھا کہ صرف موت ہی انھیں جدا کر سکی۔ لیکن یہ مولانا سے جتنے زیادہ قریب تھے اتنے ہی دنیا کی اس عام ریت سے دور ثابت ہوئے کہ اپنے محبوب مقتدا کی وفات کے بعد کچھ وقت اس کی مدح و ثنا اور اس کے تذکرہ و توصیف کی نذر کریں اور حق یہ ہے کہ یہ ان کے ایک نادرہ روزگار امتیاز کا سخت ترین امتحان تھا جس میں وہ کامیاب ثابت ہوئے۔ تبلیغی تحریک جہاں اور بہت سی باتوں میں زمانے سے جدا انداز رکھتی ہے وہاں اس کا ایک اہم امتیاز یہ بھی ہے کہ رہنما شخصیتوں کی اہمیت اگرچہ عملاً سب جگہ سے زیادہ، مگر اندرونی وابستگی تمام تر دعوت کے ساتھ، اور اس کا اندازہ صرف اس چھوٹی سی بات سے کیا جا سکتا ہے کہ کسی تبلیغی اجتماع میں کوئی بڑی سے بڑی شخصیت بھی آ رہی ہو تو نہ اس کے نام سے لوگوں کو بلایا جاتا ہے اور نہ اس کی ضرورت سمجھی جاتی ہے کہ خطاب سے پہلے اسے مجمع سے متعارف کرا دیا جائے بس دعوت ہی سے اجتماع کا آغاز اور دعوت ہی پر ختم۔ کس نے دعوت دی اور کس نے تقریر کی، اس کو اگر کوئی جاننا چاہے تو اپنے آپ جانے۔ اس تحریک کا یہی وہ خالص دینی مقصدی مزاج ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ مولانا کی شخصیت گذر گئی اور اپنی عملی اہمیت کے لحاظ سے دلوں میں زخم چھوڑ گئی۔ مگر عین اس وقت بھی جبکہ ان کا جنازہ لاہور سے آیا ہوا ان رفقاء کے بیچ میں رکھا ہوا تھا ذکر و فکر صرف اس دعوت کا تھا جس پر مولانا نے اپنی زندگی نثار کی، نہ کہ مولانا کے کمالات و مجاہدات کا۔

رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَنْ

قَضٰى نَحْبَهُ وَمِنْهُمْ مَنْ يَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِيلًا

خوش درخشید ولے دولتِ مستعجل بود

(از مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی)

آنچہ قدر ایشاں ما مردم می دانیم
شما چہ دانید، احوال مردم ہند
بر ما مخفی نیست کہ خود مولد و منشا فقیر
است و بلادِ عرب را نیز دیدہ ایم،
و سیر نمودہ، احوالِ مردم ولایت
از ثقات آنجا شنیدہ ایم، و تحقیق کردہ کہ
عزیزی کہ بر جادۂ شریعت و طریقت و
اتباع کتاب و سنت ہمچنیں استوار و مستقیم
باشد، و در ارشاد طالبان شانی
عظیم و نفس قوی دارد، در ایں جزو
زماں مثل ایشاں در بلاد مذکورہ
یافتہ نمی شود مگر در گذشتگاں،
بلکہ در ہر جزو زماں وجود
ایں چنیں عزیزاں کمتر بودہ
است، چہ جائے ایں زماں

ہم لوگوں کی نگاہ میں جو ان کی قدر و
منزلت ہے اسکو تم کیا جانو؟ ہندوستان
کے لوگوں کے حالات ہم سے پوشیدہ نہیں،
کہ یہیں کی پیدائش ہے، اور یہیں عمر بسر ہوئی،
ملک عرب کو خود دیکھا ہے اور اس کی سیاحت کی
ہے، افغانستان اور ایران کے لوگوں کے حالات وہاں کے
معتبر لوگوں کی زبانی سنے، اس سب کے بعد اس نتیجہ
پر پہنچا ہوا کہ کوئی ایسا بزرگ جو جادۂ طریقت و شریعت
پر اور کتاب و سنت کی پیروی میں انکی طرح استوار و مستقیم
ہو، اور طالبین کی رہنمائی میں اسکا پایہ اتنا بلند، اور
اسکی توجہ اتنی قوی ہو، ہمارے اس دور میں ان
ملکوں میں سے کسی ملک میں جن کا اوپر ہم نے تذکرہ کیا، پایا نہیں
جاتا، وہ ماضی اور بزرگان سلف میں بیشک ہو سکتا ہے
بلکہ سچ پوچھیے تو ہر زمانہ میں ایسے باکمال بزرگ
زیادہ تعداد میں پائے نہیں جاتے، چہ جائے کہ ایسے

کہ پُرفتنہ و فساد است[۵]۔ — زمانہ میں جو فتنوں اور فساد سے پُر ہے۔

ان الفاظ میں حکیم الامت، امام وقت حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے نامور معاصر حضرت مرزا مظہر جان جاناں کے متعلق شہادت دی ہے، جس وقت یہ الفاظ کہے گئے ہونگے، کتنے اہل علم اور واقفین حال کو استعجاب ہوا ہوگا، اور کتنے ابنائے زمانہ نے اسکو مبالغہ اور غلو پر محمول کیا گیا ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ معاصرت بہت بڑا استعجاب ہے اور جب ذوق اور طریق کار کا اختلاف بھی شامل ہو جائے اور وضعی و رواجی طریقوں کے حجابات بھی درمیان میں حائل ہوں تو پھر حجاب نہیں بلکہ ایک سنگین دیوار بیچ میں آکر کھڑی ہو جاتی ہے اور اس شخصیت کے متعلق کتنے ہی خلوص و صداقت اور کتنے ہی احتیاط اور احساس ذمہ داری سے کہا جائے اس کو مبالغہ اور خوش عقیدگی پر محمول کیا جاتا ہے۔

راقم سطور کو اپنی بے بضاعتی اور تہی دامنی کا پورا احساس ہے، لیکن یہ ایک تقدیری بات ہے کہ اس کو ممالک اسلامیہ کی سیاحت اور عالم اسلامی سے واقفیت کے ایسے ذرائع اور مواقع میسر آئے جو (بلا کسی تنقیص و تحقیر کے) اس کے ہم وطنوں اور ہم عمروں میں سے بہت کم اشخاص کو میسر آئے ہوں گے، دنیائے اسلام اور بالخصوص ممالک عربیہ کے دینی، علمی اور روحانی حلقوں کو بہت قریب سے دیکھنے اور برتنے کا اتفاق ہوا۔ دورِ حاضر کی مشکل سے کوئی تحریک اور کوئی عظیم شخصیت ہو گی جس سے ملنے اور تعارف حاصل کرنے کی سعادت نہ حاصل ہوئی ہو۔ اس وسیع واقفیت کی بنا پر (جو کسی کا ذاتی کمال اور سرمایۂ فخر نہیں) یہ کہنے کی جرأت کی جاتی ہے کہ ایمان بالغیب کی دعوت، دعوت کے شغف اور انہماک اور تاثیر کی وسعت و قوت میں اس ناکارہ نے اس دور میں مولانا محمد یوسف رح صاحب کا کوئی اور مقابل نہیں دیکھا؛ یوں انکی نادرۂ روزگار شخصیت میں بہت سے ایسے کمالات پائے جاتے تھے جن میں ان کا پایہ بہت بلند تھا: ان کی ایمانی قوت، ان کا اعتماد و توکل، ان کی ہمت و جرأت، ان کی نماز اور دعا، صحابۂ کرام رضی کی زندگی سے ان کی گہری واقفیت اور ان کے حالات کا استحضار، اتباع

---

۵ کلمات طیبات ۱۶۴-۱۶۵

سنت کا اہتمام، فہم قرآن اور واقعات انبیاء سے عظیم نتائج کا استخراج، دعوت و تصنیف کے متضاد مشاغل کو جمع کرنے کی قوت اور آخر میں ان کی غیر معمولی محبوبیت اور مقبولیت، یہ سب ان کی زندگی کے وہ پہلو اور نمایاں صفات ہیں جن کے متعلق بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے، اور جس کے لفظ لفظ کی تصدیق وہ سب لوگ کریں گے جن کو ان کی خدمت میں کچھ دن رہنے کی سعادت، یا کسی سفر میں رفاقت کا شرف حاصل ہوا ہے اور ان کی تعداد ہزاروں کی ہے۔ لیکن درحقیقت یہ سب اور ان کے ماسوا اور بہت سے پہلو ان کی سوانح اور سیرت کا موضوع ہیں۔ اور ان میں سے بعض کمالات و امتیازات وہ ہیں جن میں ان کے شریک و سہیم مل سکتے ہیں، اور بعض شخصیتیں ان میں ان سے فائق بھی ہو سکتی ہیں۔ لیکن راقم نے ان کے جن امتیازات کا یہاں انتخاب کیا ہے ان میں (اپنے محدود واقفیت و علم میں) ان کا کوئی شریک و سہیم اور ان کا کوئی مدمقابل نظر نہیں آتا۔ والغیب عند اللہ۔

جہاں تک پہلے عنوان کا تعلق ہے، ہم نے غیبی حقائق، اللہ کے وعدوں اور انبیاء علیہم السلام کی دی ہوئی اطلاعات پر ایمان لانے اور ان کے اعتماد و یقین پر اپنی زندگی کی کشتی کو چھوڑ دینے کی ایسی واشگاف طاقتور اور بے لاگ دعوت کسی دوسری جگہ نہیں دیکھی۔ جس وقت وہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات، اس کی قدرت کن فیکون اس کے بلا شرکت غیرے پورے نظام عالم کو چلانے، اسباب کی بے حقیقتی، خواص اشیاء اور انسانی تجربات کی بے اعتباری، محسوسات و مشاہدات کی تحقیر و نفی، احکام الٰہی اور نظام تشریعی کے سامنے نظام تکوینی کی سپر اندازی و مغلوبیت، ایمانی صفات و اخلاق اور اطاعت و عبودیت کے سامنے وسائل و ذخائر کی بے حقیقتی، حاملین نبوت اور اہل ایمان و دعوت کا ارباب اقتدار اہل حکومت اور سرمایہ داروں کے مقابلہ میں فتح و غلبہ، خدا کے وعدوں کی ابدی صداقت اور سنّۃ اللہ کی ہمہ گیری کا مضمون اپنی پوری ایمانی قوت اور اپنے والہانہ انداز بیان میں بیان فرماتے تو سننے والے اتنی دیر کے لیے اس حواس و مادہ پرستی کی دنیا سے منتقل ہو کر ایمان بالغیب کی دنیا میں پہونچ جاتے اور اسباب و مسببات کا سلسلہ اور مقدمات و نتائج کا ربط و تعلق اتنا بیکار

ویسے حقیقت نظر آنے لگتا تھا کہ ہم جیسے مدرسی لوگوں کو بعض اوقات اس کی فکر پیدا ہو جاتی تھی کہ کہیں یہ دعوت سننے والوں میں ترک اسباب اور تجرد و رہبانیت کا رجحان نہ پیدا کر دے لیکن اس دور مادیت میں جہاں "اسباب" نے "ارباب" کی شکل اختیار کر لی ہے اور ایک عالم کا عالم اپنی قسمت کو مادّی اسباب اور اپنی ذاتی کوشش و قابلیت کے ساتھ وابستہ کر چکا ہے اور کسی دینی دعوت و تحریک کو وہ قلندر صفت افراد نہیں مل رہے ہیں جن کا عشق "آتش نمرود" میں بے خطر کود کر عقل کو "محو تماشائے لب بام" کر دے۔ بلکہ اس تھوڑے سے ایثار و قربانی کی جنس بھی نایاب ہو گئی ہے، جس کے ایندھن کے بغیر کسی تحریک کی گاڑی دو قدم بھی نہیں چل سکتی، مادی ترقی اور مادی اقدار کی اہمیت و تقدیس کی مسلسل اور پر جوش تبلیغ و تلقین نے خود اس امت کو متاثر کر لیا ہے جس کی ساری طاقت اور جس کی فتح کا راز ایمان بالغیب کی قوت رضائے الٰہی کی طلب اور جنت کے شوق میں مضمر تھا، مسلمان نے ذرائع معاش کو اپنا رزّاق سمجھ لیا ہے، مادیت کی اس وبائے عام کے دور میں مولانا محمد یوسف صاحبؒ کی ایمان بالغیب کی اس دعوت سے بعض اوقات سینکڑوں سامعین کے دل ایمان کے جذبے سے معمور اور قربانی کی لذت سے مخمور ہو جاتے تھے اور وہ اس کے اثر سے ایثار و قربانی کے ایسے نمونے پیش کرنے لگے تھے جن کو عقل و دلائل، حکمت و مصلحت، اور علم و خطابت کی کسی بڑی سے بڑی طاقت سے حاصل نہیں کیا جا سکتا تھا، اور جن کی بنیاد پر یہ تحریک دنیا کے دور دراز گوشوں میں پہونچ گئی، ہزاروں آدمیوں نے جن میں ہر طبقہ کے لوگ تھے مہینوں کے لیے گھر بار چھوڑ کر دوسرے برّاعظموں کا سفر کیا، اور دعوت و تبلیغ کے راستہ میں بڑی بڑی مشقتیں برداشت کیں، انھوں نے بڑی دریا دلی اور عالی ہمتی کے ساتھ اپنا وقت اور اپنا مال راہ خدا میں خرچ کیا، اگر خدا کو منظور ہوتا اور مولانا کی زندگی وفا کرتی، تو وہ ایمان بالغیب کی اس طاقت سے (جو اس دور میں مشکل سے کسی اور جماعت کو میسر آئی ہوگی) معاشرہ کی اصلاح و انقلاب اور دنیا کے حالات میں تبدیلی کا اور زیادہ وسیع و عمیق کام لیتے۔ اور افراد کی یہ قوت ایمانی اجتماعی زندگی پر

بھی اثر انداز ہوتی۔ اُن کی اِن مجالس میں کبھی کبھی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے مجالس وعظ کی جھلک نظر آنے لگتی تھی جن کی (غیر اللہ کی نفی سے لبریز) تقریر دں نے ہزار دں دلوں اور دماغوں پر گہری چوٹ لگائی۔ جس وقت آدمی اُن کے ان مواعظ کو جو فتوح الغیب اور دوسرے مجموعوں میں محفوظ ہیں پڑھتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ ایک شخص پوری بیباکی اور قوت کے ساتھ گرز چلا رہا ہے اور اس کی ضرب سے مادیت کے ہزاروں بت پاش پاش ہو رہے ہیں۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہم جیسے لوگ جن کا دماغ اسباب و مسببات کے باہمی تعلق سے کبھی آزاد نہیں ہونے پاتا اور جو مادی سعی و جہد کو بھی دین و شریعت میں ایک مقام دیتے ہیں اور انسان کو اپنی سعی کا مکلف و مامور سمجھتے ہیں، اور جو اس عالم اسباب میں مسلمانوں کی پست ہمتی اور بے عملی کو ان کے زوال کا ایک سبب قرار دیتے ہیں، وہ کبھی مولانا کے اس طرز کی کامیابی کے ساتھ نقل نہیں اتار سکے اور ان کے ذہن نے عین ان مجالس وعظ میں بھی اپنا کام کرنا نہیں چھوڑا لیکن ہم کو اس کا صاف اعتراف ہے کہ ان کی اس دعوتِ ایمانی نے وہ نتائج پیدا کئے جن سے ہماری متوازن اور معتدل دعوتیں (جن کی عصرِ حاضر کے حقائق پر نظر ہے) قاصر رہیں اور صاف اندازہ ہوا کہ

لاکھ حکیم سر بجیب ایک کلیم سر بکف

ان کا دوسرا امتیاز اپنی دعوت کے ساتھ ان کا ایسا شغف اور انہماک تھا جس کی مثال نہ صرف یہ کہ دینی دعوتوں اور تحریکوں کے میدان میں نظر نہیں آتی بلکہ جہاں تک اس کوتاہ نظر کی نظر و واقفیت کا تعلق ہے کسی مادی و سیاسی تحریک کے داعیوں میں بھی وہ استغراق، خود فراموشی والہیت اور جذب کی کیفیت نظر نہیں آئی۔ ان کا یہ پہلو اتنا نمایاں اور اتنا حیرت انگیز تھا کہ جب تک کسی شخص کو کچھ عرصہ ان کی خدمت میں رہنے اور کسی سفر میں انکی معیت کا موقع نہ ملا ہو، وہ بہتر سے بہتر تصویر کشی اور واقعہ نگاری کے بعد بھی اس کا صحیح اندازہ نہیں کر سکتا۔ چند دن رہ کر آدمی ان کی مشغولیت وانہماک اور ان کے جذب و استغراق کو دیکھ کر مبہوت ہو رہ جاتا تھا، اور اس کی یہ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اتنی قوت و تازگی کہاں سے آتی ہے، اور اس کا سرچشمہ کیا ہے؟ عام حالات میں "عشق" اور خاص حالات

میں تائیدِ الٰہی اور نصرتِ غیبی کے سوا اس کی توجیہ نہیں ہو سکتی، معمولی بات یہ ہے کہ وہ فجر کی نماز کے بعد سال کے بارہ مہینے اور مہینہ کے تیس دن تقریر فرماتے، یہ تقریر ڈھائی تین گھنٹے سے کم نہ ہوتی، اس میں موسم کی سختی، دھوپ کی گرمی، صحت کی خرابی، مجمع کی کمی و زیادتی قطعاً اثر انداز نہ ہوتی، یہ مجاہدہ رمضان المبارک میں بہت بڑھ جاتا، جبکہ فجر کے بعد لوگوں کے سونے کا عام معمول ہے، رمضان میں ان کی رات کا بڑا حصہ[1] شب بیداری اور دعوت کے کام میں صرف ہوتا، اس کے باوجود وہ فجر کی نماز کے بعد پوری قوت، نشاط اور تازگی کے ساتھ تقریر فرماتے اور اسی قوت کے ساتھ آخر میں دعوت دیتے، عام دنوں میں چائے کے دوران اور چائے کے بعد پھر گفتگو اور تقریر کا سلسلہ شروع ہوجاتا، عام طور پر وہ جماعتوں کو رخصت کرنے کا وقت ہوتا، وہاں تشریف لے جاکر پھر اسی طرح تقریر فرماتے اور ہدایات دیتے کہ معلوم ہوتا کہ ابھی تک خاموشی کی مہر لگی ہوئی تھی اور وہ اب ٹوٹی ہے، پھر اسی جذبہ اور طاقت کے ساتھ دعا کرتے کہ معلوم ہوتا کہ نہ اس سے پہلے دعا کی ہے نہ اس کے بعد کریں گے، سب کچھ اسی دعا میں مانگ لینا ہے اور سب کچھ اسی دعا میں کہہ دینا ہے، اس کے بعد بھی مختلف تقریبوں سے گفتگو اور خطاب کرنے کا سلسلہ جاری رہتا۔ پھر کچھ دیر تصنیف و تالیف کا کام کرتے، پھر کھانے کا وقت ہو جاتا، ظہر کے بعد پھر کوئی سبق پڑھاتے یا تصنیف و تالیف کا کام کرتے، ملنے جلنے اور ڈاک دیکھنے کا بھی سلسلہ جاری رہتا، کبھی بعد عصر اور بعد مغرب بھی کوئی تقریر ہو جاتی اور اس میں بھی تازگی اور جوش کا وہی عالم ہوتا، عشا کے بعد (جو اکثر بڑی تاخیر سے ہوتی) سیرت کی کوئی کتاب یا صحابہ کرامؓ کے حالات کا کوئی مجموعہ سنانے کا معمول تھا۔ کتنا ہی تھکے اور جگے ہوئے ہوں اور کیسی خستہ اور شکستہ حالت ہو، اس معمول میں حتی الامکان فرق نہ ہوتا۔ دیر رات تک یہ سلسلہ جاری رہتا، سننے والے کو محسوس ہوتا کہ اس شخص نے دن بھر آرام کیا ہے، ہم جیسے پست ہمتوں کیلئے نظام الدین کا دو روز کا قیام بھی سخت آزمائش اور مجاہدہ تھا، میرا خود حال یہ تھا کہ اکثر اپنے دل سے خطاب کر کے کہتا کہ بے ہمت! مولانا کے لیے ساری زندگی کا معاملہ ہے، تیرے لیے صرف دو دن کا معاملہ ہے، لیکن بہانہ جو اور سہولت پسند طبیعت اپنی صحت کی کمزوری اور مولانا کی

---

[1] جہاں تک اس عاجز کو معلوم ہے رمضان مبارک کی راتوں میں بالکل نہیں سوتے تھے۔ ۱۲ نعمانی

عالی ظرفی کا سہارا لے کر کوئی گوشۂ عافیت تلاش کرلیتی، اس وقت اگر کوئی تلاش کرنے والا تلاش کرتا تو خود زبان حال سے اس کو اپنا پتہ نشان اس طرح دیتا کہ

ہوگا کسی دیوار کے سایہ کے تلے میرؔ
کیا کام محبت سے اس آرام طلب کو

سفر میں تو یہ انہماک اور استغراق بہت بڑھ جاتا، پھر تقریروں کی تعداد، ان کی مقدار اور ان کے اوقات کی کوئی تحدید نہیں تھی، بعض دوستوں نے اندازہ لگایا ہے کہ آخر میں مجموعی طور پر آٹھ آٹھ گھنٹے[1] بولنے کی نوبت آتی اس میں بھی حیرت انگیز بات یہ ہے کہ ہر بعد کی تقریر میں نئے سننے والوں کو یہ اندازہ ہوتا کہ بولنے والا اسی وقت بولنے کھڑا ہوا ہے اور اس سے پہلے اسکو اپنے خیالات وجذبات کے اظہار کا موقع نہیں ملا تھا اب اسی موقع پر اپنا دل کھول کر رکھ دینا چاہتا ہے، یہی ہر وقت کی دعا کی کیفیت ہوتی، مجھے حجاز کے آخری سفر میں حاضری کا موقع نہیں ملا لیکن میں نے بالتواتر سنا ہے کہ وہاں یہ جوش وخروش اور یہ جذبہ وانہماک اپنے نقطۂ عروج کو پہونچ چکا تھا، مسجد نبوی میں صحن مسجد میں فجر کی نماز کے بعد تقریر شروع ہوجاتی اور دن چڑھ آتا، اور جن خوش قسمت آنکھوں نے تقریر کے آغاز میں گنبدِ خضرا پر چاندنی دیکھی ہوتی وہ دھوپ چڑھی ہوئی دیکھتے، مجھے یاد ہے کہ بھوپال کے ایک اجتماع میں مولانا نے مغرب کے بعد پوری قوت اور اپنی تقریر کے عام پیمانہ کے مطابق بسیط تقریر کی، تقریر کے بعد تشکیل ہوئی پھر دعا ہوئی، مجھے اطمینان تھا کہ اب اس تقریر کے بعد آرام فرمائیں گے، کہ خدا جانے نکاح کی تقریب سے یا کسی اور تقریب سے پھر کچھ بولنا شروع کیا، طبیعت مطمئن تھی کہ چند منٹ میں اس کا سلسلہ ختم ہوجائیگا، لیکن تھوڑی دیر کے بعد محسوس ہوا کہ مولانا میں نئی تازگی اور جوش آگیا پھر اسی طرح تقریر فرمائی کہ معلوم ہوتا تھا کہ دن بھر خاموش رہے ہیں اور طبیعت جوش پر ہے۔

یہی حال دعا کا تھا، مولانا کی دعا کی کیفیت، اس کے مضامین، اس کی آمد اور جوش وخروش اس کی رقت انگیزی اور اس کی تاثیر، مولانا کے ان خصائص میں سے تھی جن کی مثال دور دور دیکھنے میں آئی، جب دعا کرتے حاضرین کا عجب حال ہوتا، خاص طور پر جب اردو میں دعا کے الفاظ ادا فرماتے تو آنسوؤں کا سیلاب امنڈ آتا، دور دور سے رونے

---

[1] یہ اندازہ صرف تقریروں کا ہے مجلسی گفتگوؤں کے اوقات اس کے علاوہ ہیں۔ ۱۲ نعمانی

والوں کی ہچکیاں سننے میں آتیں، اسکی مثال ماضی قریب میں حضرت سید احمد شہیدؒ اور انکے ایک جانشین مولانا سید نصیر الدینؒ کے حالات میں نظر آئی، کہ بیان کرنے والوں نے بیان کیا کہ دعا کے وقت رحمت الٰہی جوش میں آتی نظر آتی، لوگوں پر ایک وارفتگی اور بیخودی کی کیفیت ہوتی، اور بعض لوگ دیوانہ وار جنگل کو نکل جاتے واقعہ یہ ہے کہ دعا کے وقت جو کیفیت لوگوں پر طاری ہوتی اور جو اثرات انکے دلوں پر ہوتے اگر وہ کچھ دیر بھی باقی رہ جاتے تو لوگ دنیا کے کام کے نہ رہتے، اور معلوم نہیں حالات میں کیا تبدیلی ہوتی، لیکن نظام عالم اسی طرح سے چل رہا ہے اور ہم ضعیف البنیان ہر چیز کا اثر وقتی طور پر لیتے ہیں۔

انکی تیسری امتیازی خصوصیت جس میں انکی نظیر ملنی مشکل ہے، ان کی تقریروں اور صحبت کا وہ اثر ہے جو سامعین و حاضرین پر پڑتا، خاص طور پر ان سلیم طبیعتوں پر جن کا دل و دماغ دوسرے اثرات سے آزاد اور انکی طبیعتوں میں تسلیم و انقیاد کا مادہ غالب ہوتا، انکی کیمیا اثر صحبت اور ان کی انقلاب انگیز تقریروں نے اتنی زندگیوں میں تبدیلیاں پیدا کیں اور اتنے دلوں اور دماغوں کو متاثر کیا، جن کا شمار کرنا ممکن نہیں، ان صحبتوں اور تقریروں کے اثرات اتنے گہرے ہوتے کہ صورت، سیرت، زندگی، معاشرت اور یہانتک کہ سوچنے اور بولنے کا طریقہ بھی بدل جاتا، سینکڑوں آدمی ہیں جو ان کی زبان بولنے لگے اور ان کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ اور جملے انکو حفظ ہو گئے، کتنے اشخاص ہیں کہ جنکی دعاؤں میں ان کی دعا کا رنگ آگیا، کتنے اعلیٰ تعلیمیافتہ اور امیرانہ زندگی رکھنے والے لوگ ہیں جن کی زندگی اور معاشرت سراپا مغربی اور رئیسانہ تھی، اور وہ اب ایک درویش صفت مبلغ اور ایک فقیر منش اور جفاکش مجاہد نظر آتے ہیں، اور جن کی گراں قدر تنخواہوں اور آمدنیوں کا بڑا حصّہ تبلیغ و دعوت، رفقاء کی امداد و اعانت اور جماعت کی نصرت پر خرچ ہوتا ہے۔ اور ان میں ان کے گھر والوں کا اور ان کا اپنا دہی حصّہ ہے جو ایک متوسط ملازم یا ایک اوسط درجے کے تاجر کا ہے۔ کتنی بڑی تعداد ان رفقاء اور نیاز مندوں کی ہے جن کی زندگی، جن کا ذوق عبادت، جن کا جذبہ خدمت اور جن کی خشیت و انابت، اور جن کی بے نفسی اور تواضع دیکھکر اپنے وجود سے شرم آنے لگتی ہے۔ حقیقی علم تو علاّم الغیوب کو ہے، لیکن ان کے اخلاص و اخلاق کو دیکھکر ان کی دینی ترقی اور بلندی کا اندازہ ہوتا ہے، جو زندہ ہیں خدا ان کی زندگی میں برکت دے) ان کے متعلق کچھ کہنا خلاف احتیاط ہے فان الحی لا یومن علیہ

الفتنۃ[1] لیکن جانے والوں میں سے متعدد اصحاب کے نام لیے جا سکتے ہیں، جو ہمارے دیکھتے دیکھتے کہیں سے کہیں پہونچ گئے اور ان کے حالات اتنے رفیع ہو گئے، جن کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔ ان میں سے میں یہاں صرف اپنے محبوب و عزیز دوست حاجی ارشد صاحب مرحوم کا ذکر کروں گا جن کا اپنے اعلیٰ عہدہ اور ذمّہ داریوں کے ساتھ، اخلاص وللٰہیت، تعلق مع اللہ، دعوت کے کاموں میں انہماک و استغراق، ایثار و قربانی کی کیفیت، تواضع وانکسار، خدمت کا جذبہ، اور پھر اسی راہ کی قابلِ رشک موت اور شہادت، برسوں دل کو تڑپاتی اور ان کی یاد تازہ کرتی رہے گی، جاپان میں اشاعت اسلام کے کام کا افتتاح اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مقدر فرمایا تھا اور اہل حجاز ان کو عرصہ تک یاد رکھیں گے، دنیا کے دور دراز ملکوں میں ایسے لوگ مل جائیں گے جو مولانا کی چند روزہ صحبت اور دو ایک تقریروں کے سننے سے اتنے متاثر ہوئے کہ ان کی زندگی بدل گئی اور ان کے اندر ایک خاص طرح کے ایمان ویقین کی کیفیت، دعوت کی سرگرمی، دعا کا سلیقہ، نمازوں میں کیفیت، اور ایثار کی عادت پیدا ہو گئی۔ ایسے لوگ ہندوستان اور پاکستان کے باہر امریکہ، یورپ اور افریقہ کے برّاعظموں میں بھی ملیں گے ؎

جہانے را دگرگوں کرد یک مردِ خود آگاہے

مولانا کی دعوت اور شخصیت اپنے پورے شباب اور عروج پر تھی، ان کی ہمت کا طائر بلند پرواز کسی بلند سے بلند شاخ پر بھی آشیانہ بنانے کے لیے تیار نہ تھا، کوئی دور سے دور جگہ ان کو دور اور مشکل سے مشکل کام ان کو مشکل نہیں معلوم ہوتا تھا، انہوں نے اپنی تیز رفتاری بلکہ برق رفتاری اور اپنی طبیعت کی بیچینی اور بیتابی سے برسوں کا کام مہینوں میں اور مہینوں کا کام ہفتوں میں اور دنوں میں کر لیا، اپنے والد نامدار کے بعد نئے ملکوں میں جماعتوں کے جانے کا افتتاح کیا اور ساری دنیا کو گھر کا آنگن بنا لیا۔ حج کا مسئلہ اٹھایا[2] اور اس میں ایک نئی روح پھونک دی اور دیکھتے دیکھتے حجاج کی تعداد اور ان کی کیفیات میں

---

[1] یہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے الفاظ ہیں۔ فرمایا کہ دنیا سے چلے جانے والوں کی اقتدا کرو اس لیے کہ جو زندہ ہے اس کے بارے میں فتنہ سے اطمینان نہیں۔

[2] فریضۂ حج میں روح پیدا کرنے اور اس کو تبلیغ و دعوت کا ذریعہ بنانے کا مسئلہ۔

عظیم فرق پیدا ہوگیا، اجتماعات، میوات کے محدود پیمانہ سے نکل کر اتنے عظیم و وسیع بن گئے کہ بڑی بڑی سیاسی کانفرنسیں اور بڑے بڑے پبلک جلسے (مجمع کی کثرت میں بھی) ان کے سامنے ماند پڑ گئے اور ان کی وہ کثرت ہوئی کہ مولانا کے لیے نظام الدین کا قیام مشکل ہوگیا، تبلیغی تقریروں میں غیر مسلموں سے خطاب، حالات حاضرہ پر تبصرہ، موجودہ مادی زندگی پر تنقید، اور فساد کے سرچشمے کی نشاندہی کے باب کا افتتاح کیا اور ان میں ایسی کشش پیدا کر دی کہ سینکڑوں کی تعداد میں غیر مسلم شریک ہونے لگے اور متاثر ہوئے، یہ سب کام بڑی طویل عمر چاہتے تھے، لیکن مولانا نے پچاس برس سے کم عمر اور اپنی ذمہ داری اور دعوت کے صرف بیس ۲۰ سال کے اندر انجام دیئے اور یہ سب منزلیں طے کر کے اپنے خالق سے جا ملے۔

کام تھے عشق میں بہت پر میرؔ
ہم ہی فارغ ہوئے شتابی سے

امت پر قحط الرجال کا دور طاری ہے، اس میں اس کی کیا امید ہے کہ جلد ان کی سی شخصیت اور تاثیر کا کوئی داعی الی اللہ پیدا ہوگا۔

سرودِ رفتہ باز آید کہ ناید
نسیمے از حجاز آید کہ ناید

غفر اللہ لہ، ورافع درجاتہ۔

حضرت مولانا محمدؐ یوسف رحمۃ اللہ علیہ

چند تجربے اور مشاہدے

از ——— مولانا محمد منظور نعمانی

(۱)

حضرت مولانا محمد الیاسؒ کی حیات میں

طلب و استفادہ کی نیت سے اور عقیدت مندی کے ساتھ حضرت مولانا محمد الیاسؒ کی خدمت میں اس عاجز کی پہلی حاضری ان کے وصال سے قریباً ۱۴-۱۵ مہینے پہلے ہوئی تھی اس کے بعد بعض تبلیغی سفروں میں حضرت کی رفاقت بھی نصیب ہوئی تھی، اور نظام الدین آمد و رفت کی توفیق بھی ملتی رہی، جس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت کی شخصیت کی عظمت اور محبت بھی نصیب فرمائی اور اُن کی دینی دعوت کے ساتھ دل کو کچھ تعلق بھی نصیب ہوا۔

چند ہی مہینے کے بعد آپ کی آخری علالت کا سلسلہ شروع ہو گیا، اس علالت کے آخری چار مہینوں میں یہ عاجز زیادہ تر حضرت کی خدمت میں نظام الدین ہی مقیم رہا ——— حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات کے دیباچہ میں میں اس کا ذکر کر چکا ہوں کہ حضرت کی خدمت میں میں نے یہ قیام مخدومی و مرشدی حضرت شاہ عبد القادر رائے پوری قدس سرہٗ کے ایماء بلکہ ارشاد سے کیا تھا۔

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب سے ابتدائی واقفیت اسی قیام کے زمانہ میں ہوئی اس وقت مولانا موصوف کی زیادہ توجہ کتابی مطالعہ اور تصنیف و تالیف کی طرف تھی، فن حدیث کی معرکۃ الآرا کتاب امام طحاوی کی شرح معانی الآثار کی شرح لکھنے کا کام وہ شروع کر چکے تھے[۱]۔ ان کے اوقات

---

[۱] اس کی دو جلدیں چھپ بھی چکی ہیں اور اہلِ علم ان کے مطالعہ سے مولانا کے علمی مقام کا اندازہ بھی کر سکتے ہیں۔

کا بڑا حصّہ اسی میں صرف ہوتا تھا۔ اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کی سراسر عملی اُس دینی دعوت سے جس میں مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی روح کو تحلیل کر دیا تھا اس زمانہ میں زیادہ دلچسپی ان کو نہیں تھی، گویا ان دنوں ان کا ذوق وہ تھا جو ان کے دوسرے مربّی اور استاد شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مدظلہٗ کا تھا اور ہے ـــــ دعوت و تبلیغ کے کام میں بھی وہ کچھ حصّہ تو لیتے تھے لیکن یہ ان کے لئے دوسرے درجہ کا کام تھا۔ اصل شغف اور انہماک حدیث نبوی کی علمی اور تصنیفی خدمت سے تھا ـــــ بعد میں خود حضرت مولانا محمد یوسف صاحب نے اس عاجز سے بارہا اس واقعہ کا ذکر کیا کہ اُس زمانہ میں تبلیغی کام اور اس سلسلہ کی بے پناہ نقل و حرکت کے بارہ میں ان کو ذہنی طور پر بھی پورا شرح صدر نہیں تھا، وہ جتنا کچھ ان دنوں اس سلسلہ میں کرتے اور حصّہ لیتے تھے وہ اپنے والد ماجد اور شیخ و استاذ حضرت مولانا محمد الیاسؒ کے حکم کی تعمیل میں اور ان کی خوشنودی کے لئے کرتے تھے ـــــ تقویٰ اور تعلق باللہ تو ان کو باپ دادا سے میراث میں ملا تھا اور کہا جا سکتا ہے کہ ان کی فطرت میں تھا۔ اس ناچیز کو ذاتی طور پر معلوم ہے کہ تبلیغی کام کے سلسلہ میں حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ جو ہر طرح کے آدمیوں سے اکرام کے ساتھ ملتے تھے، جن میں بہت سے غیر متشرع بھی ہوتے تھے اور اسی طرح کے بعض معتقدین و محبین کی کار وغیرہ بھی استعمال فرما لیتے تھے، مولانا محمد یوسف صاحب کو اس سے انقباض ہوتا تھا۔ اس زمانہ میں کبھی کبھی انھوں نے ادب کے ساتھ تنہائی میں حضرت سے عرض بھی کیا کہ آپ اس پر غور فرمائیں کہ یہ رویّہ کہاں تک صحیح اور اکابر کے طریقہ کے مطابق ہے ـــــ بہرحال اس زمانہ میں مولانا موصوف کا طرز عمل اور طرز فکر یہ تھا، لیکن حضرت والد ماجد کی علالت کے بالکل آخری ایام میں ان کے حال میں کچھ تبدیلی پیدا ہونی شروع ہوئی اور پھر تو اس ابتدا کی وہ انتہا ہوئی جس کو ایک دنیا نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

(۲)

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد

حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کی علالت وصال سے دو تین مہینے پہلے سے اگرچہ بہت

نازک شکل اختیار کر چکی تھی لیکن حضرت کے بعض خاص حالات کی وجہ سے خدام کو ان کی زندگی اور صحت کے بارے میں اچھی امیدیں تھیں، مگر دو ہفتہ پہلے سے حالت اتنی نازک اور سقیم ہو گئی کہ بظاہر اسباب صحت کی امید کے لئے گنجائش نہیں رہی۔ یہ عاجز اور رفیق محترم مولانا علی میاں بھی حضرت کے دوسرے بیسیوں خدام اور محبین کی طرح وہیں مقیم تھے۔ ہم لوگوں کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت کے ساتھ ساتھ حضرت کی دینی دعوت سے بھی اچھا خاصا تعلق ہو گیا تھا، اس لئے قدرتی طور پر حضرت کی زندگی کے مسئلہ کے ساتھ ہم ان کے بعد ان کی دعوت کے انجام کے بارے میں بھی فکرمند تھے، ہمارا احساس یہ تھا کہ جتنے لوگ اس وقت اس دعوت کے کام سے جڑے ہوئے ہیں ان کا تعلق اور ان کی محبت دراصل حضرت کی شخصیت سے ہے۔ دعوت سے ان کا تعلق آپ کی اسی ذاتی محبت کی وجہ سے ہے۔ اس لئے یہ امید نہیں ہے کہ حضرت کے بعد بھی یہ کام اسی طرح چلتا رہے اور جس طرح لوگ حضرت کے سامنے اس کام کے لئے قربانیاں دے رہے ہیں وہ آپ کے بعد بھی اسی طرح دیتے رہیں گے۔

ایک رات کو اس ناچیز اور رفیق محترم مولانا علی میاں نے اس بارے میں دیر تک غور و فکر اور باہم مشورہ کیا اور ہم اس نتیجہ پر پہنچے کہ اگر حضرت کے بعد یہاں اس دعوتی کام کے مرکز نظام الدین میں کسی ایسی شخصیت کا قیام رہے جس کے ساتھ حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ اور ان کی دعوت سے تعلق و محبت رکھنے والے پورے حلقہ کو عقیدت و محبت ہو تو پھر انشاء اللہ یہ کام اسی طرح چلتا رہے گا، اور ایسی شخصیت اس وقت ہماری نظر میں صرف شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مدظلہ کی تھی۔ اور ممدوح کی بے انتہا عنایت و شفقت نے ہم لوگوں کو انتہائی محبت و عقیدت کے باوجود کسی قدر بے تکلف بھی کر دیا تھا، اس لئے ہم نے یہ طے کیا کہ ہم اس بارے میں حضرت موصوف سے صاف صاف بات کریں اور اصرار کریں کہ وہ ابھی یہ فیصلہ فرمالیں اور ہمیں اس بارے میں مطمئن کر دیں کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد ان کے جانشین کی حیثیت سے وہ نظام الدین میں مستقل قیام فرمائیں گے۔ ہم نے طے کیا کہ آج صبح ہی حضرت ممدوح سے وقت لے کر ہم تنہائی میں اس مسئلہ پر گفتگو کریں گے۔

صبح صادق ہوئی، فجر کی اذان ہوتے ہی میں حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور عرض کیا کہ نماز کے بعد آپ سے ایک خاص معاملہ میں کچھ عرض کرنا ہے، اس کے لئے وقت مقرر فرما دیجئے، فرمایا کہ نماز کے بعد متصلاً قاری سید رضا حسن (مرحوم) کی درسگاہ میں بیٹھ جائیں گے، چنانچہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد حضرت شیخ وہاں تشریف لے آئے اور یہ عاجز بھی حاضر ہو گیا، اور اس ناچیز نے مختصر تمہید کے بعد اپنی اور مولانا علی میاں کی طرف سے وہ بات عرض کی جو رات کے مشورہ میں ہم دونوں نے طے کی تھی، میں نے عرض کیا کہ حضرت مولانا کے مرض اور ضعف کی رفتار دیکھتے ہوئے اب امید ٹوٹتی جاتی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ دل میں یہ فکر ابھر رہی ہے کہ حضرت کے بعد اس دینی کام کا کیا ہوگا۔ ہم لوگوں کا اندازہ ہے اور غالباً جناب والا کو بھی اس سے اتفاق ہوگا کہ اس وقت جتنے عناصر کام میں لگے ہوئے ہیں ان سب کا اصل تعلق حضرت کی ذات سے ہے، اور اس ذاتی تعلق کی وجہ سے وہ اس کام میں جڑے ہوئے ہیں، اس کا کافی اندیشہ ہے کہ حضرت کے بعد آہستہ آہستہ یہ شیرازہ منتشر ہو جائے گا، اور یہ امت کا بہت بڑا خسارہ ہوگا، ہمارے نزدیک اس کا صرف ایک حل ہے اور وہ یہ کہ حضرت کے بعد جناب یہاں قیام کا فیصلہ فرمالیں، اور یہ کام جناب کی رہنمائی اور سرپرستی میں ہو، ہمارا اندازہ ہے اور اپنے اس اندازہ پر ہمیں پورا اعتماد ہے کہ اگر ایسا ہوا تو یہ سب عناصر اسی طرح جڑے رہیں گے، کیونکہ ان سب کو جناب کے ساتھ بھی الحمدللہ عقیدت و محبت کا خاص تعلق ہے ___ اسی کے ساتھ ہم نے یہ بھی عرض کیا کہ اور اگر ایسا نہ ہوا تو تھوڑے دنوں کے بعد یہ سارا مجمع منتشر ہو جائے گا اور ہم خود اپنے بارے میں بھی صفائی سے عرض کرتے ہیں کہ ہم بڑے سخت "وہابی" ہیں ہمارے لئے اس بات میں کوئی خاص کشش نہیں ہوگی کہ یہاں حضرت کی قبر مبارک ہے، یہ مسجد ہے جس میں حضرت نماز پڑھا کرتے تھے اور یہ حجرہ ہے جس میں حضرت رہا کرتے تھے ___ اور اگر جناب نے یہاں قیام فرمایا تو ان شاء اللہ ہم سب کا تعلق اس کام سے اور اس جگہ سے ایسا ہی رہے گا جیسا آج ہے۔

حضرت شیخ الحدیث نے میری یہ بات پوری خاموشی سے سنی، اور جب میں اپنی بات

عرض کر چکا تو فرمایا۔

مولوی صاحب! حضرت چچا جان کی حالت دیکھ کر جو فکر آپ کو ہو رہی ہے، میرا خیال یہ ہے کہ وہ یہاں سب کو ہو رہی ہے، اور سب اس سوچ میں ہیں، لیکن یہ بات ایسی نہیں ہے کہ ہم اور آپ اس کا کوئی انتظام کر لیں اور وہ ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کا معاملہ اپنے ان خاص بندوں کے ساتھ جو اس کے لئے مرتے مٹتے ہیں یہ ہے کہ وہ ان کی چیز کو ضائع نہیں فرماتا ان کے بعد بھی ان کے کام اور ان کے فیض کا سلسلہ جاری رہتا ہے اکثر و بیشتر تو ایسا ہوتا ہے کہ ان کی زندگی میں کچھ لوگ ان کی محنت اور تربیت سے تیار ہو جاتے ہیں اور وہ لوگوں کی آنکھوں کے سامنے ہوتے ہیں اور ان سے امید ہوتی ہے کہ اس بندہ کے بعد انشاء اللہ اس کا سلسلہ اور فیض ان کے ذریعہ جاری رہے گا ـــــ مشائخ کے ہاں خلافت واجازت کا سلسلہ دراصل اسی کی ایک عملی اور انتظامی شکل ہے، خلافت اور اجازت کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ ان کو شیخ کی نسبت کچھ حاصل ہو گئی ہے اور اللہ کے بندوں کو اللہ سے ملانے کا جو کام شیخ سے لیا جا رہا ہے وہ انشاء اللہ ان سے بھی لیا جائے گا۔

اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک بندہ کی عمر بھر کی محنت اور تربیت سے ایک آدمی بھی ایسا بنتا ہوا نظر نہیں آتا جس سے توقع کی جا سکے کہ اس کے ذریعہ اس بندے کا جلایا ہوا چراغ روشن رہے گا، لیکن اس بندہ کا وصال ہوتے ہی اچانک اس کے لوگوں میں سے کسی ایک میں غیر معمولی تبدیلی ہوتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ جانے والی کی نسبت دفعتًہ اس کی طرف منتقل ہو گئی ـــــ ایسا بہت کم اور شاذ و نادر ہی ہوتا ہے لیکن جب ہوتا ہے تو نسبت کا یہ انتقال بہت غیر معمولی خارقِ عادت قسم کا ہوتا ہے۔ حضرت چچا جان کے لوگوں میں میں کسی کے متعلق نہیں سمجھتا کہ وہ تیار ہو چکا ہے اور ان کے اس کام کو وہ جاری رکھ سکے گا، اور مجھے اللہ تعالیٰ سے اس کی

پوری امید ہے کہ وہ ان کے کام کو ضائع نہیں فرمائے گا، اس لئے مجھے توقع ہے کہ غالباً یہاں دوسری شکل واقع ہونے والی ہے، اللہ تعالیٰ چاہے گا تو کسی کو یہ دولت مل جائے گی، پھر اس کو تم بھی دیکھ لوگے اور میں بھی دیکھ لوں گا، اور پھر انشاء اللہ یہ کام اسی سے لیا جائے گا۔ اگر اللہ تعالیٰ کا فیصلہ میرے بارے میں ہوا تو مجھ سے کسی کے کہنے کی ضرورت نہیں، پھر میں خود یہاں رہوں گا بلکہ اگر تم سب مل کر مجھے نکالنا چاہو گے جب بھی یہیں رہوں گا، اور اگر کسی اور کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہوا تو تم بھی اس کو دیکھ لوگے اور میں بھی دیکھ لوں گا، پھر اللہ تعالیٰ اسی سے یہ کام لے گا، بس انتظار کرو اور اللہ سے دعا کرو ــــ اور اگر دیکھو کہ ان میں سے کوئی بات بھی نہیں ہوئی تو مولوی صاحب! میں خود تم سے بڑا "وہابی" ہوں، میں تمھیں مشورہ دوں گا کہ حضرت چچا جان کی قبر اور حضرت کے حجرہ کے درو دیوار کی وجہ سے یہاں آنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

اس عاجز کو اب دن تاریخ تو یاد نہیں لیکن اتنی بات یقین کے ساتھ یاد ہے کہ حضرت شیخ الحدیث سے یہ گفتگو حضرت کے وصال سے ٹھیک بارہ دن پہلے ہوئی تھی اور یہ بھی یاد ہے کہ حضرت شیخ کا جواب سننے کے بعد اللہ تعالےٰ نے ایک اطمینان نصیب فرما دیا تھا اور فکر کا سارا بوجھ دل ودماغ سے اتر گیا تھا۔

بارہ دن بعد حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہو گیا۔ وصال سے چند گھنٹے پہلے مخدومنا حضرت شاہ عبد القادر رائے پوری قدس سرہٗ کے ایما اور توجہ دلانے پر حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے چھ[۶] خاص متوسلین پر اپنے اعتماد کا اظہار فرمایا اور ان کو اجازت دی اور حضرت رائے پوریؒ نیز حضرت شیخ الحدیث کے مشورہ ہی پر حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کے لئے خلافت کا فیصلہ فرمایا جیسا کہ حضرت کی سوانح میں تفصیل سے اس کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔

حضرت کا وصال صبح صادق کے وقت ہوا اور فجر کی نماز کے بعد حضرت مولانا محمد یوسف صاحب

کی خلافت اور جانشینی کا باقاعدہ اعلان ہوا۔

میں بدقسمتی سے دو دن پہلے ایک خاص ضرورت سے اس وقت کے اپنے مستقر بریلی آگیا تھا اور دہلی اس وقت واپس پہنچا جب لوگ حضرت کے دفن سے فارغ ہو کر واپس ہو رہے تھے، خلافت وجانشینی کا واقعہ میں نے وہاں پہنچ کر سنا، چونکہ اس وقت اپنی ناقص نگاہ میں مولانا محمد یوسف صاحب میں کوئی خاص امتیاز سوائے صاحبزادگی کے نہیں تھا، اور اپنے علم و اندازہ کے مطابق تبلیغی کام سے تو ان کو گہری دلچسپی بھی نہیں تھی، بلکہ اس لحاظ سے قاری داؤد صاحب وغیرہ حضرت کے بعض پرانے خادم اور رفیق ان سے بہت آگے تھے، اس لئے مجھے اس واقعہ کو سن کر کوئی خوشی نہیں ہوئی، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ اپنے بزرگوں کے بارے میں بھی دل میں طرح طرح کے وسوسے آئے، اور میں ان وساوس سے اتنا مغلوب ہوا کہ ان کی تاریکی میں بارہ دن پہلے کی حضرت شیخ الحدیث والی عارفانہ بات بھی بالکل یاد نہیں آئی، دن کا باقی حصہ اور پوری رات اسی حالت میں گزری، اگلے دن صبح کو جب حضرت مولانا محمد یوسف صاحب نے فجر کی نماز پڑھائی اور نماز کے بعد حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے معمول کے مطابق تقریر شروع فرمائی تو تھوڑی دیر کے بعد میں نے محسوس کیا کہ یہ تو مولانا محمد یوسف صاحب کی زبان سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ بول رہے ہیں۔ اُس وقت حضرت شیخ الحدیث مدظلہٗ کی وہ بات یاد آئی، اور اس تقریر کے ختم ہونے سے پہلے یہ یقین ہو گیا کہ حضرت شیخ نے جو کچھ فرمایا تھا یہ اس کا ظہور ہے اور اللہ تعالیٰ نے وہ دولت مولانا محمد یوسف صاحب کی طرف منتقل فرما دی ہے ــــ وَاللّٰہُ یَخْتَصُّ بِرَحْمَتِہٖ مَنْ یَّشَاءُ

"انتقال نسبت" کا لفظ سنا بھی تھا اور کتابوں میں بھی پڑھا تھا لیکن اس کا مشاہدہ اس دن پہلی دفعہ ہوا۔

(۳)

اس عاجز نے اور غالباً ہر دیکھنے والے نے حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں تین باتیں بہت غیر معمولی درجہ میں دیکھیں ــــ ایک[۱] دین کا درد و فکر ــــ دوسرے[۲] اللہ تعالیٰ پر اعتماد و یقین ــــ تیسرے[۳] معارف و حقائق کا فیضان۔

دین کے درد و فکر کے لحاظ سے ان کا حال بلا مبالغہ اس باپ کا سا تھا جس کا اکلوتا باکمال بیٹا جس سے اس کی بڑی امیدیں اور آرزوئیں وابستہ ہوں سخت بیمار اور موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا ہو، اور اس کی زندگی اور صحت کی فکر نے تمام دوسری فکروں اور ذاتی مسئلوں کو بالکل دبا دیا ہو۔

اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر اور اس کی مدد پر ان کو ایسا اعتماد و یقین تھا گویا قضا و قدر کے فیصلوں کو انھوں نے آنکھوں سے دیکھ لیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے بارے میں آخرت کے بارے میں، دین کے بارے میں جب باتیں فرماتے تو اہل علم اور اصحابِ درس بھی محسوس کرتے تھے کہ ان کے قلب پر حکمت کا فیضان ہوتا ہے۔ اور "وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا" کی تفسیر سامنے آجاتی۔

پھر حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے وصال سے ... ہر دیکھنے والے نے کھلی آنکھوں دیکھا کہ یہ تینوں باتیں دفعۃً حضرت مولانا محمد یوسف صاحب میں آگئیں، اور ان تینوں میدانوں میں وہ بہت تیز رفتاری بلکہ برق رفتاری سے بڑھتے رہے ــــ آگے درج ہونے والے بعض واقعات سے کچھ اندازہ ہو سکے گا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو کہاں تک پہنچایا۔

(۴)

آخر ۴۶ء یا شروع ۴۷ء کا واقعہ ہے، یہ عاجز ہفتہ عشرہ کے قیام کی نیت سے نظام الدین حاضر ہوا۔ اہلیہ بھی اس سفر میں میرے ساتھ تھیں۔ ان دنوں حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کی پہلی اہلیہ محترمہ حضرت شیخ الحدیث کی بڑی صاحبزادی اور مولوی محمد ہارون کی والدہ مرحومہ مرضِ دق میں مبتلا تھیں۔ اُن کے علاج، دوا کے اہتمام کی ذمہ داری حضرت حافظ فخر الدین صاحب[1] نے لے رکھی تھی

---

[1] حضرت حافظ فخر الدین صاحبؒ اس عہد کے ہمارے اکابر و مشائخ میں سے تھے، حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ کے خلیفہ مجاز یعنی حضرت مولانا محمد الیاسؒ اور حضرت شیخ الحدیث مدظلہٗ کے پیر بھائی تھے اور ان حضرات سے بڑا گہرا تعلق رکھتے تھے۔ علاوہ دوسرے معمولات کے روزانہ ایک قرآن مجید ختم کرنا ان کا مستقل معمول تھا۔ ۱۲

وہ روزانہ شہر دہلی سے اسی ضرورت سے تشریف لاتے ــــــ میں نے ایک دن حضرت مولانا محمد یوسف صاحب سے ان کا حال پوچھا اور مرض کی نوعیت کی تفصیل معلوم کرنی چاہی، ان کے جواب سے مجھے اندازہ ہوا کہ وہ کچھ زیادہ باخبر نہیں ہیں۔ مجھے تعجب سا ہوا لیکن میں نے کچھ کہا نہیں ــــــ چار پانچ دن کے قیام کے بعد میری اہلیہ نے مجھ سے کہا کہ مولانا کی بیوی اس درجہ کی مریض ہیں کہ مجھے ان کے بچنے کی بھی امید نہیں ہے اور میں چار پانچ دن سے دیکھ رہی ہوں کہ حضرت مولانا ان کا حال پوچھنے کے لئے بھی کسی وقت اُن کے پاس نہیں آتے، وہ عورت ذات ہیں ان کے دل پر کیا گزرتی ہوگی ان کا بھی تو کچھ حق ہے۔ میں نے پوچھا کیا انھوں نے تم سے خود بھی اس کی شکایت کی ہے؟ انھوں نے کہا نہیں، انھوں نے تو کبھی اس کا ذکر نہیں کیا لیکن ان کے دل پر اس کا اثر ضرور ہوگا، آپ اس کے لئے مولانا سے ضرور کہیں۔ میں نے اگلے دن مولانا سے تنہائی میں گفتگو کی اور عرض کیا کہ مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ آپ کی اہلیہ ایسی مریض ہیں اور آپ کئی کئی دن مزاج پرسی کے لئے بھی ان کے پاس نہیں جاتے۔ رشتۂ زوجیت کے علاوہ وہ حضرت شیخ کی صاحبزادی بھی ہیں، ہماری سمجھ میں آپ کی یہ بات بالکل نہیں آئی، آپ کو روزانہ کچھ وقت اُن کے پاس ضرور صرف کرنا چاہئے۔

مولانا نے بڑی معصومیت سے فرمایا کہ "ہاں یہ بات تو بالکل صحیح ہے اور میں نے خود ان سے اس بارے میں بات کی تھی مگر انھوں نے میرے حال اور میری مصروفیت کو دیکھ کر خود ہی مجھ سے یہ کہہ دیا ہے کہ آپ اپنے کاموں میں مشغول رہیں، میری فکر بالکل نہ کریں، دوا علاج ہو رہا ہے، اگر زندگی ہے تو اچھی ہو جاؤں گی اور اگر اللہ تعالیٰ کا فیصلہ جلدی اٹھانے کا ہے تو انشاء اللہ جنت میں اطمینان سے ملاقات ہوگی" ــــــ میں نے کہا مجھے تو یہ شبہ ہے کہ انھوں نے یہ بات آپ کی بے فکری اور بے پروائی دیکھ کر کہی ہوگی" ــــــ مولانا نے فرمایا کہ آپ تحقیق کرلیں اگر ایسی بات ہوگی تو میں ان کے لئے وقت نکالنے کی پوری کوشش کروں گا میں نے اپنی اہلیہ سے کہا کہ تم ان سے اس بارے میں اس طرح کی جذباتی باتیں کرو کہ ان کے دل کی بات زبان پر آجائے ــــــ چنانچہ میری اہلیہ نے مرحومہ سے بات کی انھوں نے مولانا کی طرف سے خود مدافعت کی اور کہا کہ وہ دن رات دین کی فکر اور دین کے کام میں لگے رہتے ہیں، انھیں اپنا بھی ہوش نہیں ہے، میں نے

خود اُن سے کہہ دیا ہے کہ وہ میری فکر بالکل نہ کریں، دوا علاج ہو ہی رہا ہے، اگر اللہ نے جنت میں جمع فرمادیا تو وہاں اطمینان سے ساتھ رہنے کا موقع ملے گا ــــــ چند مہینوں کے بعد اسی علالت میں خاص نماز کی حالت میں مرحومہ کا انتقال ہوگیا۔ اللّٰھمّ اغفر لھا وارحمھا

۵

تبلیغی کام کے مرکز نظام الدین میں جس پیمانہ پر کھانے کا لنگر جاری رہتا ہے اور روزانہ سیکڑوں آدمی دونوں وقت جس طرح دستر خوان پر وہاں کھاتے ہیں وہ بلاشبہ ہندوستان کے موجودہ حالات میں عجائب اور خوارق میں سے ہے، ہمیشہ سے وہاں کا دستور یہ ہے کہ جب پیسے پاس نہیں ہوتے تو سارا غذائی سامان قرض، ادھار آتا رہتا ہے، جب پیسے آتے ہیں ادا کر دیا جاتا ہے ــــ بلکہ اکثر ایسا ہی ہوتا ہے ــــــ قریباً چودہ پندرہ سال پہلے کا واقعہ ہے کہ قرض کی رقم کچھ زیادہ دنوں تک ادا نہیں کی جا سکی، غلّہ وغیرہ جس دکاندار کے یہاں سے آتا تھا اس نے ان صاحب سے تقاضا کیا جو سامان لینے جایا کرتے تھے اور باورچی خانہ کا انتظام جن کے سپرد تھا، اور آگے کے لئے مزید سامان قرض دینے سے معذرت کر دی۔ انھوں نے حضرت مولانا محمد یوسف صاحب سے اس سلسلہ میں کوئی تذکرہ کرنا مناسب نہیں سمجھا، اور ہمیشہ پیش آسکنے والی اس مشکل کو مستقل طور سے حل کرنے کے لئے یہ تجویز سوچی کہ دو چار اپنے مخلص صاحبِ استطاعت احباب رازدارانہ طریقہ پر ایک مناسب رقم امانت کے طور پر آپس میں جمع کر لیں تاکہ جب ایسی ضرورت پیش آئے تو اس میں سے لنگر خانہ کے سلسلہ کا قرضہ ادا کر دیا جایا کرے اور جب رقم اپنے پاس آئے تو وہ امانت فنڈ میں واپس کر دی جائے۔ اور چونکہ یہ اندازہ تھا کہ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب اس کو کبھی پسند نہیں فرمائیں گے اس لئے پوری رازداری کے ساتھ انھوں نے بالا بالا اس تجویز کو عملی جامہ پہنایا۔ دہلی کے پانچ باتوفیق دوستوں نے پانچ پانچ ہزار روپیہ دے کر پچیس ہزار کی رقم اپنے ہی میں سے ایک کے پاس جمع کر دی اور آپس میں عہد معاہدہ ہوگیا کہ حضرت مولانا سے کوئی اس کا ذکر نہ کرے بلکہ بات راز میں رہے اور ہم چھ آدمیوں کے علاوہ کسی کو اس کا علم نہ ہو۔

معلوم نہیں کس طرح دوسرے یا تیسرے ہی دن مولانا کو اس کی اطلاع ہوگئی انھوں نے مطبخ کے

ان منتظم صاحب اور اپنے ان پانچ مخلصوں کو جنھوں نے وہ رقم جمع کی تھی بلوایا اور تنہائی میں بٹھا کر پوچھا کہ مجھے اس طرح کی اطلاع ملی ہے، سچ سچ بتائیے کیا آپ لوگوں نے ایسا کیا ہے؟ ان بیچاروں کو اقرار کرنا پڑا۔ اس کے بعد مولانا نے ان کے سامنے ایک تقریر فرمائی جس میں فرمایا کہ آپ لوگوں نے جو کچھ کیا نیک نیتی سے کیا ہے لیکن ہمارے ساتھ یہ ایک طرح کا ظلم ہے۔ جب اس طرح کے انتظام آپ لوگ کریں گے تو پھر ہم اللہ کی مدد کے قابل نہیں رہیں گے۔ اللہ کی مدد کے قابل ہم اسی وقت تک ہیں جب تک دنیا میں ہمارا کوئی سہارا نہ ہو اور ہماری نظر بس اس کے خزانہ اور اس کی مدد پر ہو اور ہم مضطر ہوں ــــ اس کے بعد مولانا نے حکم دیا کہ ہر ایک اپنی اپنی رقم واپس لے لے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا ــــ یہ واقعہ اسی زمانہ میں مجھ سے جن صاحب نے بیان کیا وہ خود اس کے شرکاء میں سے تھے۔ وہ بتاتے تھے کہ اس دن کی تقریر میں حضرت مولانا خود بھی روئے اور ہم سب کو بھی خوب رُلایا۔ اور ہم سب نے توبہ کی اور معافی مانگی۔

(٦)

اب سے ٦-٧ سال پہلے مولانا کی اہم تصنیف "حیاۃ الصحابہ" جب مکمّل ہوئی اور اس کی طباعت کے بارے میں طے ہوا کہ "دائرۃ المعارف حیدرآباد" میں چھپوائی جائے تو حیدرآباد کے مخلص دوستوں نے طباعت کے اہتمام و انصرام کی ذمہ داری لے لی اور بالا بالا اپنے طور پر یہ بھی کوشش کی کہ اس کے مصارف کا انتظام بھی وہ خود ہی کر لیں، اس مقصد کے لئے انھوں نے بمبئی وغیرہ کے حضرت مولانا کے بعض مخلصین اور معتقدین سے بھی بات کی۔ اور اس رقم کا بڑا حصّہ (غالباً ٨-١٠ ہزار کے قریب) فراہم بھی کر لیا حضرت مولانا کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے وہ ساری رقم واپس کرادی، اور کاغذ و طباعت وغیرہ کے لئے جتنی رقم درکار تھی وہ خود ہی بھیجی۔

(٧)

حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے غالباً چند ہی مہینے بعد مراد آباد میں پہلا بڑا تبلیغی اجتماع ہوا۔ اس وقت تک تبلیغی کام کے سلسلہ میں بڑے اجتماعات اور جلسے میوات میں تو ہوتے تھے لیکن میوات سے باہر بڑے اجتماعات کا رواج ابھی نہیں ہوا تھا۔ جہاں تک اس ناچیز کو یاد ہے مراد آباد کا یہ

اجتماع اپنی قسم کا پہلا بڑا اجتماع تھا۔ باہر کے قریباً سات سو آدمیوں نے اس میں شرکت کی تھی۔ تبلیغ کے لیے اوقات دینے کا رواج بھی اس وقت تک میوات سے باہر بہت ہی کم ہوا تھا۔ فجر کی نماز کے بعد حضرت مولانا محمد یوسف صاحب نے تقریر شروع فرمائی اور حسب عادت تقریر میں گویا کلیجہ نکال کے رکھ دیا۔ اس کے بعد اوقات کا مطالبہ شروع ہوا بہت ہی کم نام آئے۔ حد یہ ہے کہ بجنور، چاند پور اور رامپور جیسے بالکل قریبی مقامات کے لئے دس دس آدمیوں کی جماعتیں بھی نہیں بن سکی تھیں۔ ہم کئی آدمی لوگوں کو ترغیب دے رہے تھے اور اپنا پورا زور لگا رہے تھے لیکن ناموں میں اضافہ بالکل نہیں ہوتا تھا۔ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب جو تقریر فرمانے کے بعد مسجد کی اندرونی محراب میں تشریف فرما تھے، لوگوں کی یہ سرد مہری دیکھ کر ان کو جلال آگیا۔ ایک دم اٹھ کر تشریف لائے اور میکروفون میرے ہاتھ سے لے کر فرمانا شروع کیا آج تم بجنور، چاند پور اور رامپور جیسے قریبی مقامات کے لئے اور صرف تین تین دن کا وقت دینے کے لئے تیار نہیں ہو رہے ہو، ایک وقت آئے گا جب تم شام جاؤ گے، مصر جاؤ گے، عراق جاؤ گے لیکن اس وقت اس کام کا عام رواج ہو چکا ہو گا اس لئے اجر گھٹ جائے گا۔ مولانا کی اس پُرجلال دعوت پر چند نئے نام اور آ گئے۔ لیکن میرا خام اور ظواہر کا اسیر ذہن چونکہ ماحول سے اثر لینے کا عادی ہے اس لئے مولانا کی شام وعراق اور مصر جانے والی بات کا مجھ پر کچھ اچھا اثر نہیں پڑا، میں محسوس کر رہا تھا کہ جب لوگوں کا حال یہ ہے کہ وہ چاند پور اور رامپور کے لئے تیار نہیں ہو رہے ہیں تو اس حالت میں شام وعراق اور مصر جانے والی بات بہت بے موقع ہے۔ مگر اللہ کی شان تھوڑے ہی دنوں کے بعد مولانا کی وہ بات واقعہ بن کر آنکھوں کے سامنے آگئی اور ان ممالک عربیہ میں غالباً پہلی جماعت مراد آباد ہی کی گئی۔

(۸)

اس عاجز نے پڑھنے کے زمانہ میں خدا کے فضل سے محنت سے پڑھا اور پڑھانے کے زمانہ میں محنت سے پڑھایا۔ ذہن اور حافظہ کی نعمت سے بھی اللہ تعالیٰ نے محروم نہیں رکھا تھا، لکھنا پڑھنا اور مطالعہ بھی اصل مشغلہ رہا۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اپنے استاد حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے بعد کبھی کسی کے علم سے

مرعوب ومتاثر نہ ہوسکا لیکن حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں جب حاضری نصیب ہوئی تو محسوس ہوا کہ ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک علم عطا ہوا ہے (جو مدرّ اور کتب خانہ کا علم نہیں ہے) اس لئے حسب توفیق ان کے بہت سے ارشادات اپنے لئے قلمبند بھی کئے بعد میں ان کا ایک حصہ کتابی شکل میں بھی مرتب کیا (جو شائع ہو چکا ہے) ــــ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کی تقریروں میں بھی صاف محسوس ہوتا تھا کہ وہی علم ان کو بھی عطا ہوا ہے، اور قوتِ بیان مزید برآں ہے، اس لئے ان کی تقریر لکھنے کو بھی جی چاہتا تھا مگر دیکھتا تھا کہ اللہ کی توفیق سے بہت سے حضرات انکی تقریریں لفظ بہ لفظ قلمبند کرنے کا اہتمام کرتے ہیں اس لئے ایسا کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ پھر بھی اپنے لئے ان کے خاص خاص معارف اشاروں میں نوٹ کیا کرتا تھا۔ اس عاجز کو پوری بصیرت کے ساتھ یقین ہے کہ یہی وہ علم ہے جس کے بارے میں قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے۔ "وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا"۔

ان کی تقریر کے پھیلاؤ میں بعض وقت ایسی باتیں بھی آجاتی تھیں جو ہمارے زمانہ کے بعض طبقوں کے ایمان کے لئے آزمائش بن سکتی تھیں۔ یہ اسی قسم کی چیزیں ہوتی تھیں جن کے بارے میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اپنے زمانہ کے بعض علماء کو تنبیہ فرمائی تھی کہ "اَتُحِبُّوْنَ اَنْ يُّكَذَّبَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ"۔ لیکن مولانا کی اندرونی ایمانی قوت اور بنیادی دعوت کی طاقت اس طبقہ کو بھی تھام لیتی تھی ــــ لیکن ہر ایک کے پاس تو یہ اکسیر اور تریاق نہیں ہے۔

(۹)

جن خوش نصیبوں نے حضرت مولانا کی تقریریں سنی ہیں اور ان کو اس دولت سے کچھ مناسبت ہے، جو انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ اہلِ ایمان کو ملتی ہے، ان سب کا یہ ذاتی تجربہ ہے کہ مولانا کی تقریر سے ایمان میں جان پڑتی تھی اور کھلی ترقی محسوس ہوتی تھی اور قرآن مجید کی جن آیتوں میں ایمان کی زیادتی اور اضافہ کا ذکر کیا گیا ہے ان کی صحیح تفسیر سمجھ میں آتی تھی ــــ زمانہ اور ماحول کے فرق کے ساتھ ان کی تقریروں کو سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ کے مواعظ سے بڑی قریبی مشابہت تھی۔

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب نے اللہ کے لئے اور اس کے دین کے لئے اپنے کو کلی طور پر وقف کر دیا تھا۔ اپنی ساری توانائیاں اور اپنی ہر چیز اس کی راہ میں اس طرح لگا دی تھی کہ اس میں سے کچھ بھی اپنی ذات کے لئے بچا کے نہیں رکھا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے ہزاروں بلکہ لاکھوں بندوں کو ان کے لئے مسخر کر دیا۔ اس کے کہنے میں انشاء اللہ کچھ بھی مبالغہ نہ ہوگا کہ آج کی دنیا کے کسی بڑے سے بڑے سرمایہ دار، بڑے سے بڑے مقبول اور با اثر لیڈر یا ڈکٹیٹر، کسی جمہوریہ کے محبوب صدر یا وزیر اعظم کی حکومت اتنے دلوں پر نہ ہوگی جتنے دلوں پر مولانا مرحوم کی حکومت تھی۔ انھوں نے کوئی پارٹی نہیں بنائی، اپنے کام یا پیغام کی نشر و اشاعت کے لئے کوئی اخبار یا رسالہ جاری نہیں کیا (بلکہ وہ دل سے چاہتے اور امکان بھر اس کی کوشش کرتے تھے کہ دوسرے اخبارات ان کا اور ان کے کام کا کوئی ذکر نہ کریں، وہ اپنے مقصد کے لئے اسی کو مفید سمجھتے تھے) انھوں نے کبھی کوئی فنڈ جمع نہیں کیا۔ بس خود قربانی دی اور اللہ کے بندوں کو قربانی کے لئے پکارا، اللہ تعالیٰ نے پہلے ہزاروں پھر لاکھوں بندوں کو ان کے گرد جمع کر دیا اور اسلام کی اس غربت کے دور میں چشم فلک نے یہ تماشا دیکھا کہ چٹائی پر بیٹھنے والے ایک درویش عالم دین اور اللہ کے داعی کی ترغیب و دعوت اور محنت کے نتیجہ میں اللہ کے ہزاروں لاکھوں بندے یورپ افریقہ اور ایشیا کے مختلف ملکوں اور جزیروں میں شہروں اور قصبوں میں اور دیہاتی آبادیوں میں ہر وقت پھر رہے ہیں۔ ان میں اردو بولنے والے بھی ہیں اور عربی بولنے والے بھی، فارسی بولنے والے بھی ہیں اور ترکی بولنے والے بھی، بنگالی بولنے والے بھی ہیں اور پنجابی یا پشتو بولنے والے بھی، انگریزی بولنے والے بھی اور فرانسیسی اور جرمنی بولنے والے بھی۔

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَعِبْرَةً لِأُولِي الْأَبْصَارِ ۝

حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کی طرح اور ان سے بھی پہلے خادمانِ دین اور داعیانِ حق کی طرح حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بھی اٹھا لئے گئے۔ لیکن جو اللہ سب کچھ

کرنے والا ہے وہ حی و قیّوم ہے، اور ازل سے اس کا ایک ہی قانون و دستور ہے۔ اگر اسی خلوص و للّٰہیت کے ساتھ اور انہی اوصاف اور اصولوں کی پابندی کرتے ہوئے قربانیاں دی جاتی رہیں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ وہی تعلق رہا جس کا نمونہ ہمارے اس زمانہ میں ان دونوں باپ بیٹوں نے پیش کیا تو یقیناً اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہی ہوتا رہے گا جو اب تک ہوتا رہا ہے۔

ولن تجد لسنّۃ اللہ تبدیلاً ؕ

"کان مملوکی فاضحی مالکی"

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مدظلہ کے دو گرامی نامے

(۱)

ہفتہ وار رسالہ "خدام الدین لاہور" نے حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد ان کے تذکرہ پر مشتمل ایک مستقل نمبر نکالنے کا فیصلہ کیا تو حضرت شیخ الحدیث مدظلہ العالی سے بھی مضمون کی درخواست کی اور چند متعین باتیں بھی دریافت کیں۔ حضرت ممدوح نے حسب معمول مضمون لکھنے سے تو معذرت کر دی لیکن سوالات کے جواب لکھا دیئے۔ سہارنپور کی حاضری کے موقع پر اس گرامی نامہ کی نقل حضرت کے بعض خدام سے حاصل ہو گئی تھی۔ اس میں مولانا مرحوم کے حال اور مقام کے بارے میں جو چند سطریں ہیں در حقیقت وہ بجائے خود ایک دفتر ہیں۔ رفیق محترم مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے اپنے مقالہ میں جن تاثرات کا اظہار کیا ہے اور اس عاجز نے سابقہ اوراق میں اپنے جن تجربوں اور مشاہدوں کا ذکر کیا ہے ان کے پڑھنے کے بعد حضرت شیخ مدظلہ کے اشارات کو سمجھنا انشاء اللہ آسان ہو گا۔

محمد منظور نعمانی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عنایت فرمائم سلمہٗ۔ بعد سلام مسنون۔

اس ناکارہ کو اس قسم کے مضامین لکھنے کی بالکل عادت نہیں، اور نہ اس قسم کے مضامین سے مناسبت ہے۔ حضرت اقدس مدنی اور حضرت اقدس رائے پوری نور اللہ مرقدہما کے وصال پر بہت سے احباب کے اصرار ہوئے، اسی طرح دوسرے اکابر کے انتقال پر احباب کے اصرار ہوتے رہے مگر یہ ناکارہ انکار کرتا رہا۔ اس ناکارہ کے حوالے سے ان اکابر کی سوانحوں میں جہاں کہیں مضامین چھپے ہیں اسکی صورت یہ رہی کہ تالیف کرنے والے احباب آکر ان کے احوال دریافت کرتے رہے اور یہ ناکارہ اپنی معلومات سے جواب عرض کرتا رہا، عزیز مولانا محمد یوسف مرحوم کی ولادت ۲۵ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۵ھ ۲ مارچ ۱۹۱۷ء کو شنبہ کو ہوئی تھی۔ ۲/ جمادی الثانی دوشنبہ کو عقیقہ ہوا تھا۔ اس کے بعد اس کے سوا کیا لکھوں۔

کان مملوکی فاضحی مالکی ان ھٰذا من اعاجیب الزمن

ابتدا میں وہ میرا چھوٹا بھائی تھا، شاگرد تھا، زیر تربیت تھا۔ وہ میری نالائقی سخت مزاجی کی وجہ سے اپنے والد صاحب یعنی میرے چچا جان نور اللہ مرقدہٗ کی بہ نسبت اس ناکارہ سے بہت زیادہ ڈرتا تھا، چچا جان کے احکام کو وہ پدرانہ ناز کی وجہ سے اور اپنے بچپن کی وجہ سے کبھی ٹال دیتا تھا۔ لیکن اس ناکارہ کی سخت مزاجی کی وجہ سے میرے کہنے کو نہیں ٹالتا تھا چچا جان کو بسا اوقات یہ فرمانا پڑتا کہ یوسف سے فلاں کام لینا ہے۔ تمہارے کہنے سے جلدی کرے گا۔ دہلی کے حضرات کا چچا جان پر بہت اصرار ہوتا کہ صاحبزادے سلمہٗ کو شادی میں ضرور ساتھ لاویں۔ مگر مرحوم اپنے طلب علم میں اس قدر منہمک تھا کہ اس کو یہ حرج بہت ناگوار ہوتا۔ بسا اوقات اس کی نوبت آئی کہ ان اوقات میں اگر اس ناکارہ کا دہلی جانا ہوا تو عزیز مرحوم مجھ سے جاتے ہی وعدہ لے لیتا کہ بھائی جی فلاں جگہ جانے کو آپ نہ کہیں۔ اور جب چچا جان مجھ سے یہ ارشاد فرماتے کہ یوسف کو بھی ساتھ لے لو۔ تو میں یہی معذرت کرتا کہ اس نے آتے ہی مجھ سے یہ وعدہ لے لیا کہ میں نہ کہوں۔ یہ تو ابتدا تھی اس کے بعد مرحوم نے ہوائی جہاز سے وہ پرواز کی کہ وہ آسمان پر پہنچ گیا اور یہ ناکارہ زمین ہی پر پڑا رہا۔

اس کی بلندی کو دیکھتا رہا چچا جان کے وصال کے بعد ہی ایک پرواز اس نے کی جس کے متعلق اس ناکارہ کا اور حضرت اقدس رائے پوری نور اللہ مرقدہٗ کا یہ خیال ہوا کہ چچا جان نور اللہ مرقدہٗ کی نسبت خاصہ منتقل ہوئی ہے اور ہر بات میں اس کا خوب مشاہدہ ہوتا۔ اس کے بعد اس کی ترقیات کو دیکھتا رہا حضرت مدنی نور اللہ مرقدہٗ کے وصال کے بعد سے مرحوم میں ایک جوش کی کیفیت پیدا ہوئی اور کسی بڑے سے بڑے ذی وجاہت شخص کے سامنے بھی اپنی بات کو نہایت جرأت اور بے خوفی سے کہنے کا ظہور ہوا اور وہ بڑھتا ہی رہا اس کے بعد حضرت اقدس رائے پوری نور اللہ مرقدہٗ کے وصال کے بعد اس کی گفتگو اور تقاریر میں انوار اور تجلیات کا ظہور پیدا ہوا۔ کیا بعید ہے کہ ان دونوں بزرگوں کی خصوصی توجہات اور مرحوم کے ساتھ شفقت اور محبت کا یہ ثمرہ ہو، انھیں چیزوں کا یا اثر ہوا جو اس ناکارہ نے شروع میں شعر میں ظاہر کیا کہ پھر یہ ناکارہ اس سے مرعوب ہونے لگا کہ اس کے اصرار پر مجھے مخالفت دشوار ہوگئی اس کا اثر تھا کہ گذشتہ سال اپنی انتہائی معذوریوں اور مجبوریوں وامراض کی شدت کے باوجود جب مرحوم نے اس پر اصرار کیا کہ تمھیں حج کو میرے ساتھ ضرور چلنا ہے تو میری انکار کی ہمت نہ پڑی، اور جب میں نے اپنے امراض کا اظہار کیا اور کہا کہ میرے اعذار کو نہیں دیکھتے ہو تو مرحوم نے کہا کہ خوب دیکھ رہا ہوں مگر میرا جی چاہتا ہے کہ آپ ضرور چلیں۔ اخیر میں اللہ جل شانہٗ نے اپنے لطف وکرم کی وہ بارش فرمائی کہ مجھ جیسے بے بصیرت کو بہت سی چیزیں کھلی محسوس ہوتی تھیں، اس قسم کی باتیں نہ کہنے میں آتی ہیں اور نہ لکھنے کو دل چاہتا ہے۔ صرف ایک عورت کے خواب پر اس عریضے کو ختم کرتا ہوں۔ خواب تو مرحوم کے حادثہ کے بعد لوگوں نے عجیب عجیب دیکھے اور لکھے۔ لیکن یہ خواب چونکہ اس ناکارہ کے نزدیک لفظ بلفظ واقعہ ہے اس لئے لکھوا رہا ہوں۔ اس حادثہ پر اپنے تعلقات کے موافق نیز اپنے قلبی ضعف وتحمل کے موافق اثرات تو بہت ہی عام ہوئے لیکن ایک عورت کے متعلق معلوم ہوا کہ وہ کسی وقت بھی چپ نہ ہوتی تھی، ہر وقت روتی تھی بار بار وضو کرتی تھی اور تسبیح لے کر بیٹھ جاتی۔ وہ اسی حالت میں ایک دفعہ وضو کر کے تسبیح لے کر بیٹھی تھی کہ اس کو غنودگی ہو گئی اس نے عزیز مرحوم کو دیکھا کہ فرما رہے ہیں کہ کیوں پاگل ہو گئی؟ مرنا تو سب ہی کو ہے تعلق مالک سے پیدا کیا کریں، بندے سے نہیں، اس پر اس نے والہانہ انداز سے یوں کہا حضرت جی آخر یہ ایک دم ہی ہوا کیا؟ مرحوم نے کہا کہ کچھ بھی نہیں کچھ دنوں سے جب میں تقریر کیا کرتا تھا تو مجھ پر تجلیات الٰہیہ کا خاص

ظہور ہوتا تھا۔ اس مرتبہ جب میں رات کو تقریر کر رہا تھا تو ان کا اتنا زیادہ ظہور ہوا کہ میرا قلب ان کا تحمل نہ کر سکا اور دورہ پڑ گیا اس کے بعد ایک بہت بڑا گلاب کا پھول سنگھایا گیا اس کے ساتھ میری روح نکل گئی بس اتنی ہی سی بات ہوئی فقط۔

عزیز مرحوم کی پہلی شادی میری سب سے بڑی لڑکی سے ۳ محرم ۵۴ھ کو مظاہر علوم کے سالانہ جلسے میں ہوئی تھی حضرت مدنی نور اللہ مرقدہٗ نے نکاح پڑھا تھا چونکہ پہلے سے کوئی تجویز نہ تھی عین وقت پر چچا جان نے فرمایا کہ نکاح پڑھانے کا ارادہ ہے اس لئے اس وقت رخصت نہ ہوئی تقریباً ایک سال بعد چچا جان نور اللہ مرقدہٗ کی ایک آمد پر اسی طرح فوری طور پر بغیر سابقہ تجویز کے رخصت ہو گئی۔ ۲۳/۲۴ رمضان ۵۸ھ دوشنبہ سہ شنبہ کی درمیانی شب میں ۱۰ بج کر ۴۰ منٹ پر عزیز ہارون سلمہٗ کی ولادت ہوئی حق تعالیٰ شانہٗ اپنے فضل و کرم سے اس کو اپنے باپ دادا کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

فقط والسلام

زکریا

ا محرم الحرام ۱۳۸۵ھ بقلم محمد عاقل عفرلہٗ

(۲)

مندرجہ بالا گرامی نامہ میں مولانا مرحوم کی پہلی اہلیہ مولوی محمد ہارون کی والدہ مرحومہ کے انتقال اور پھر ان کی دوسری بہن کے ساتھ مولانا مرحوم کے دوسرے عقد کا تذکرہ نہیں تھا، ناچیز (محمد منظور نعمانی) نے ایک عریضہ لکھ کر دونوں کے بارے میں دریافت کیا تو حضرت شیخ مدظلہٗ نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا۔ بعد سلام مسنون۔

عزیز یوسف کی پہلی اہلیہ یعنی والدۂ ہارون تقریباً ایک سال تک تپ دق میں مبتلا رہ کر سنہ ۴۷ء کے ہنگامہ میں نظام الدین ۲۹ شوال ۶۶ھ شب دوشنبہ کی مغرب کی نماز کے سجدہ میں جبکہ وہ اشارہ سے نماز پڑھ رہی تھیں اور سجدہ کے لئے اشارہ سے سر جھکا رکھا تھا دفعتہً انتقال کر گئی ___ اس کے انتقال کے بعد میں نے عزیز مرحوم کو حکماً منع کر دیا تھا کہ تم دوسرا نکاح نہ کیجیو اس لئے کہ تمہارے مشاغل کا ہجوم تمہیں حقوق کی ادائیگی کی اجازت

نہیں دیتا ہے اس وقت تو اس نے بڑی خوشی سے قبول کیا مگر چند سال بعد اس نے ضرورت کا اظہار کیا تو میں نے کہا بڑے شوق سے، جہاں تمھاری رائے ہو وہاں تحریک کروں، مرحوم نے کہا اگر کروں گا تو آپ کے ہاں کروں گا کہیں اور کرنے کا ارادہ نہیں ہے اس پر اس ناکارہ نے بڑے شوق سے قبول کیا اور نکاح ۱۹ ربیع الثانی ۶۹ھ بروز چہارشنبہ بعد نماز عصر مدرسہ کی مسجد میں اس ناکارہ کی دوسری لڑکی سے ہوا جو بیوہ تھی اور اس کا پہلا نکاح مولوی لطیف الرحمٰن کاندھلوی مرحوم کے لڑکے سعید الرحمٰن مرحوم سے ہوا تھا جسکا انتقال ۴۷ء کے ہنگامہ ہی کے زمانہ میں ایک طویل علالت کے بعد ہو گیا تھا۔ اس سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

ان واقعات کے ساتھ طویل قصے ہیں جو زبانی تو سنائے جا سکتے ہیں، تحریر میں ان چیزوں کا آنا معلوم نہیں مناسب ہوگا یا نہیں۔

پہلا نکاح والدۂ ہارون سے ۳ محرم ۵۴ھ مظاہر علوم کے سالانہ جلسہ میں چچا جان کے ارشاد پر بلا کسی سابقہ تجویز کے فوری ہو گیا تھا اسی طرح رخصتی بھی، ایک سال بعد جب چچا جان جو مظاہر علوم کے سرپرست بھی تھے جلسہ سرپرستاں میں تشریف لائے اس وقت عزیزان یوسف و انعام ابو داؤد دوبارہ پڑھنے کے لئے سہارنپور آئے ہوئے تھے یہاں موجود تھے، جلسہ سرپرستاں ہی جس میں حضرت اقدس رائے پوری بھی تشریف فرما تھے، چچا جان نے فرمایا کہ ان بچوں کی رخصتی بھی کر دو۔ اسی دن رات کو میرے ہی گھر میں عزیزان یوسف و انعام کی رخصتی بھی کر دی اور دوسرے دن صبح کو مختصر دعوت ولیمہ ہو گئی۔

گفتگو آئین درویشی نبود   ورنہ با تو ماجرا ہا داشتیم

والسلام
زکریا عفی عنہ سہارنپور
بقلم احسان ۲۳ صفر ۸۵ھ

ایک ضروری بات یہ ہے کہ بعض اخبارات میں مولوی یوسف کی پیدائش نظام الدین میں لکھ دی گئی ہے۔ ان کی پیدائش کاندھلہ میں اپنے جدی مکان میں ہوئی تھی۔ اس وقت چچا جان نور اللہ مرقدہٗ مظاہر علوم میں مدرس تھے۔

حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ

اور

ان کی چند خصوصیات

(مولانا نسیم احمد فریدی امروہی)

وہ کب کے آئے بھی اور گئے بھی مگر نظر میں سما رہے ہیں

حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ جن کے نام کے بعد چند ماہ پہلے ہم مدظلہٗ لکھتے اور بولتے تھے آج رحمۃ اللہ علیہ اور نور اللہ مرقدہٗ کہہ اور لکھ رہے ہیں۔ دنیا سے گزرنا سب کو ہے، موت سب کو آنی ہے، سب کو اس عالم فانی سے رخصت ہونا ہے ؎

موت سے کس کو رستگاری ہے
آج وہ کل ہماری باری ہے

اس عالم ناپائیدار میں جو بھی آیا ہے یہاں سے مقررہ مدت کے بعد ضرور جائے گا، موت کا آہنی چنگل سب کو اپنی گرفت میں لے گا ؎

آنے والی کس سے ٹالی جائے گی
جان ٹھہری جانے والی جائے گی

مبارک ہیں وہ ہستیاں جو اپنی حیات مستعار میں ایسے کارنامے چھوڑ جاتی ہیں جن سے ان کا نام نیک باقی رہتا ہے۔

حضرت مولانا محمد یوسف بھی ان مبارک شخصیتوں میں سے ایک ہیں جنھوں نے اپنے زندہ و پائندہ علمی

ودینی کارناموں کے ذریعہ جریدہ عالم پر اپنی نیک نامی کو ثبت کرا دیا۔ اللہ تعالیٰ انھیں جنت الفردوس نصیب فرمائے اور ان کی قبر کو نور سے معمور کرے (آمین)

مجھے اکیس ۲۱ سال سے حضرت مولانا مرحوم سے یک گونہ تعلق و ربط تھا۔ وہ اپنے اخلاقِ عالیہ کے تقاضے سے احقر کا بڑا اکرام فرماتے تھے جس سے بعض اوقات اپنی بے علمی اور کم حیثیتی کے پیش نظر مجھے شرمندگی محسوس ہوتی تھی ـــــ میں بھی ان سے جذبۂ عقیدت مندی سے ملتا تھا۔ اس لئے کہ مجھے ان کی شخصیت میں اکابر ملت کے اخلاق کی جھلکیاں اور مشائخ کاندھلہ کی اداؤں کا عکس نظر آتا تھا۔ یہ حقیقت تو بعد کو معلوم ہوئی کہ حضرت مولاناؒ عمر کے لحاظ سے مجھ سے چار پانچ سال چھوٹے تھے ـــ میں ان کی حیات میں اپنے مقابلے میں عمر کے لحاظ سے بھی ان کو بڑا سمجھتا تھا ـــ سچ پوچھئے تو وہ ہر حیثیت سے بڑے ہی تھے۔ ان کی تھوڑی عمر میں بھی کام کے لحاظ سے بڑی برکت ہوئی ہم جیسوں سے سو سال میں بھی وہ اہم کام انجام نہیں پا سکتے جو انھوں نے ۴۹ سال کی عمر پاکر صرف اکیس سال میں انجام دے لئے۔ یہ محض انعام ربانی تھا کہ ان کے کارکردگی کے مختصر سے زمانے کا ہر دن دینی اعتبار سے کامیاب تھا اور ہر رات نور در آغوش تھی۔

حضرت مولانا محمد الیاس نور اللہ مرقدہٗ کو میں نے جہاں تک یاد پڑتا ہے صرف دو مرتبہ دیکھا ہے۔ ایک مرتبہ ریل میں جب وہ سہارنپور سے دہلی جا رہے تھے اور میں دیوبند سے میرٹھ جا رہا تھا ـــ یہ طالب علمی کا زمانہ تھا ـــ دوسری مرتبہ ان کی وفات سے کچھ عرصہ پہلے بہ ہمراہی حضرت مولانا نعمانی مدظلہٗ دہلی جاکر ـــ غرضیکہ میں اپنی محرومی کی بنا پر حضرت مولانا محمد الیاسؒ کی شخصیت سے انکی زندگی میں کوئی فائدہ نہ اٹھا سکا اور نہ مجھے کوئی موقع ملا کہ ان کے کارناموں اور مساعی حسنہ سے واقفیت پیدا کرتا ـــ فائدہ تو اپنے زمانے کے کسی بزرگ سے بھی آج تک نہ اٹھا سکا، اپنی سیہ بختی کی یہ داستان چھیڑنی مقصود نہیں۔ مجھے تو عرض یہ کرنا ہے کہ میں نے حضرت مولانا محمد الیاسؒ کے جانشین اور اکلوتے باکمال صاحبزادے حضرت مولانا محمد یوسفؒ کو قریب سے دیکھا، دور سے دیکھا، سفر میں دیکھا حضر میں دیکھا، خلوت میں دیکھا جلوت میں دیکھا، عمومی اجتماعوں میں دیکھا، خصوصی محافل و مجالس

میں دیکھا، ان کی روح پرور باتیں سنیں۔ ان کی پرشکوہ تقریریں سنیں، ان کے کچھ مکتوبات بھی احقر کے نام صادر ہوئے جو عرائض کے جواب میں تھے یا از خود از راہِ کرم فرمائی تبلیغی نقل و حرکت کے سلسلے میں ارسال فرمائے گئے تھے، وہ تین مرتبہ امروہہ بھی تشریف لائے۔ ایک مرتبہ تبلیغی اجتماع میں اور دو مرتبہ مدرسہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ کے جلسہ دستار بندی اور اجتماع ختم بخاری کے موقع پر ــــــ امروہہ کے متعلق فرماتے تھے کہ "یہ ہمارے بزرگوں کی بستی ہے" ــــــ سلسلۂ صابریہ امدادیہ رشیدیہ کے تین اکابرِ طریقت اس سرزمین پر ابدی نیند سو رہے ہیں ــــــ حضرت مولانا محمد الیاسؒ کے بعض خدام سے معلوم ہوا کہ وہ بھی اس زمانہ میں جبکہ ان کا یہاں کوئی تعارف نہ تھا اپنے ان اکابر طریقت کے مزاروں پر حاضری دینے تشریف لایا کرتے تھے۔

الغرض حضرت مولانا محمد یوسفؒ سے واقفیت کے اسباب مجھے حاصل ہوئے، میں ان کی شخصیت سے متاثر تھا، اس اکیس سال کے عرصے میں میرے قلب کا تعلق ان سے بڑھتا ہی رہا ــــــ میں خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ منجملہ دیگر اکابر کے میں نے اپنے عہد میں حضرت مولانا محمد یوسفؒ جیسی یادگار سلف دلنشین شخصیت کو بھی دیکھا ہے اور ان سے واقفیت پیدا کی ہے ــــــ یہ دوسری بات ہے کہ ان کی زیادہ قربت حاصل نہ کر سکا اور فیضِ صحبت سے زیادہ مستفیض نہ ہو سکا۔ مولانا اپنے بعض خطوط میں تو کبھی کبھی مجھے میری عدمِ نقل و حرکت پر اشارۃً تنبیہہ بھی فرما دیتے تھے، مگر جب کبھی حاضر ہوا تو اس "کوتاہی ذوق عمل" کو نظر انداز فرمایا۔ اگر کبھی فرمایا تو مرکز میں کچھ دنوں قیام کرنے کے لئے اور اس کا عنوان بھی اس قدر دلربا ہوتا تھا کہ جی چاہنے لگتا تھا کہ کچھ عرصہ مرکز میں قیام کروں۔

ایک مرتبہ فرمایا کہ ہم ایک کتاب صحابہ کے حالات پر لکھ رہے ہیں۔ آپ نے اس کو دیکھ لیا ہوتا۔ یہ عنوان میرے ذوق و شوق کو ملحوظ رکھتے ہوئے اختیار فرمایا گیا تھا جس سے اپنی قابلیت کو سامنے رکھ کر شرمندگی ہوئی اور اس سے مسرت ہوئی کہ اس نااہل کو اس قابل سمجھا گیا کہ وہ ان کے افادات سے استفادہ کر سکے گا بعد کو جب حیاتِ صحابہ جلد اول شائع ہو گئی تو از راہ لطف و کرم اس کا ایک نسخہ ہدیۃً میرے حاضر ہونے پر عطا فرمایا۔ ایک مرتبہ حاضر ہو کر ایک دو دن کے بعد رخصت ہونے لگا تو بڑی محبت کے ساتھ فرمایا کہ میوات میں

ایک اجتماع ہو رہا ہے آپ اس کو دیکھ کر جائیں۔ تمام عمر میں میوات کا وہی ایک اجتماع دیکھ سکا تھا، اس اجتماع کی یاد کبھی عمر بھر دل سے نہ جائے گی ــــــ وہ اجتماع میواتیوں کے دینی شعور اور مذہبی احساس کا آئینہ دار تھا۔ میواتیوں کا جوق در جوق ایک بڑی تعداد میں بہ نیت ثواب اور بارادہ تفریغ وقت اجتماع میں شرکت کرنا، مہمانوں کی مدارات اور خاطر تواضع، سلیقے کے ساتھ جلسے کا نظم و نسق، توجہ کے ساتھ ارشادات یوسفی کا سننا اور سادگی کے ساتھ اسی اجتماع کے موقع پر اپنے لڑکوں اور لڑکیوں کا نکاح کرانا، یہ تمام مناظر دینی نقطۂ نظر سے انتہائی مسرت انگیز تھے۔ مجھے رہ رہ کر مولانا کی یاد آتی ہے۔ افسوس کہ وہ اتنے جلد ہماری نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ ان کی تقریریں کانوں میں گونج رہی ہیں۔ مرادآباد، رحیم آباد، علی گڑھ، لکھنؤ، ڈاسنہ اور نہٹور ضلع بجنور کے اجتماعات کے پرکیف روحانی جلوے آنکھوں میں گھوم رہے ہیں جہاں مولانا اپنے رفقاء مرکز کے ہمراہ شریک ہوئے تھے ــــ جہاں ایمان و یقین کی باتیں مولانا کی زبان سے ایمان و یقین کی فضاؤں میں احقر کو بھی سننی نصیب ہوئیں۔

اجتماعوں میں ان کی اندرونی کیفیات کی تاثیر کے اندر اضافہ ہو جاتا۔ مصروفیات بڑھ جاتی تھیں۔ ارشادات و کلمات طیبات کا سلسلہ دراز ہو جاتا تھا۔

یوں مرکز کی مصروفیات بھی کچھ کم نہ تھیں۔ نماز فجر کے بعد سے لے کر رات کے بارہ بجے تک (قبل ظہر کے ایک دو گھنٹہ چھوڑ کر) عمومی و خصوصی مجالس میں برابر رشد و ہدایت کے دریا بہاتے اور حکمت و معرفت کے دُرِّ نایاب تقسیم کرتے تھے۔ نماز فجر کے بعد سے اشراق تک تقریر، چائے پینے اور کھانا کھانے کے وقت تقریر، اور بڑے دلچسپ انداز میں۔ اس کے بعد تھوڑا سا آرام کر کے ظہر کی نماز کے لئے مولانا مرکز کے حجرے سے باہر تشریف لے آتے، کھڑے کھڑے دینی گفتگو فرما رہے ہیں۔ اب تکبیر ہو گئی، صفوں کو درست فرما رہے ہیں، اب نماز پڑھا رہے ہیں۔ نماز سے فارغ ہو کر تقریر فرما رہے ہیں۔ تقریر سے فارغ ہو کر دعا میں مشغول ہیں۔ اب حجرے کے اندر تشریف لے گئے۔ باہر کے آئے ہوئے وفود کے نمائندے بیٹھے ہوئے ہیں، سکوت کا عالم طاری ہے۔ سب گوش برآواز ہیں۔ مولانا نے ان کے سامنے توحید و معرفت، ایمان و یقین کی تقریر شروع فرما دی ہے ــــ دین کی نصرت پر نصرت خداوندی کو بیان فرمایا جا رہا ہے۔

عصر کی نماز کے بعد مرکز کے حاضرین اور آنے والے وفود کے سامنے پھر تقریر فرمارہے ہیں، مغرب تک یہ سلسلہ جاری رہتا۔ مغرب کے بعد خصوصی مجلس میں اپنے ارشاداتِ خصوصی سے مستفیض فرمارہے ہیں، عشاء کے بعد کتاب سنارہے ہیں، احادیث و آثار کی تشریح فرمارہے ہیں، سیرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور سیرت صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین جوش و خروش کے ساتھ بیان ہو رہی ہے۔ سیرت کے نازک نازک گوشے واضح فرمائے جارہے ہیں۔ سامعین کے ایمان میں تازگی پیدا ہو رہی ہے، دلوں میں عظمتِ اسلام کے نقوش قائم ہو رہے ہیں تبلیغی کام کی برکات واضح ہو رہی ہیں، قرونِ اولیٰ سے دینی نقل و حرکت کا ثبوت بہم پہنچایا جارہا ہے صبح سے رات تک پوری قوت و طاقت کے ساتھ تقریر کرتے کرتے آواز بیٹھ جاتی تھی، پسینے پر پسینے آتے تھے۔ سینہ تھک جاتا تھا مگر جذب و کیف کے عالم میں دینی پیغام دیئے چلے جاتے تھے۔ آواز کی خستگی میں ایک عجیب دلکشی ہوتی تھی، ان کی محفل میں بسا اوقات ایک ہی دن میں آدمی کی کایا پلٹ ہو جاتی تھی، علم سے تعلق رکھنے والوں کو بہت ہی فائدہ محسوس ہوتا تھا، ان کے یہاں کی ایک دن کی حاضری کا کیف و سرور مہینوں باقی رہتا تھا۔ نماز بڑے سوز و گداز اور قلب کی تڑپ کے ساتھ پڑھاتے تھے۔ ان کا اللہ اکبر کہنا جو فضا کو مرتعش کر دیتا تھا کانوں میں گونج رہا ہے ____ ان کا دعا کے وقت سراپا تصویرِ عجز و نیاز بن جانا اور دل کی پوری توجہ سے اللہ تعالیٰ سے مانگنا امت مسلمہ کو دعا مانگنے کا سلیقہ سکھاتا تھا اور دعا کے اہتمام کی طرف متوجہ کرتا تھا۔

میں جب کبھی حاضر خدمت ہوتا اپنا غم غلط کرنے اور اپنے جذبات پژمردہ میں تازگی پیدا کرنے اور دعاؤں کی برکات حاصل کرنے کے لئے حاضر ہوتا۔ مجھے مولانا کے مستجاب الدعوات ہونے کا تجربہ اور پورا یقین تھا۔

مولانا کے بعض وہ ارشادات بھی یاد آرہے ہیں جو احقر کی موجودگی میں احقر کو خطاب کرتے ہوئے فرمائے تھے، سنہ ۴۳ء میں حاضر ہوا تو پورے وثوق اور یقین کامل کے ساتھ فرمایا۔

"یہ حالات باقی نہیں رہیں گے۔ ہمیں امید ہے کہ اس ہندوستان میں پردۂ غیب سے کوئی نہ کوئی ایسا انتظام ہوگا جس سے دین حق کو ترقی ہو اور مسلمانوں کے جان و مال اور عزت و آبرو کا تحفظ ہو۔"

ایک مرتبہ حاضر ہوا تو فرمایا ـــ آج خیر و شر، نیکی و بدی کا امتیاز تک باقی نہیں رہا، اگر آج کے دور میں ہم سب مل کر یہ کام انجام دے لیں کہ امت خیر و شر میں امتیاز کرنے لگے تو بڑا کام ہو جائے ـــ نمازوں کی تشکیل، زکوٰۃ کا نظام، روزہ، رمضان کا اہتمام، فریضۂ حج کے آداب کی تکمیل اور تمام اخلاقی اور معاشی سدھار کا مسئلہ آگے کا مرحلہ ہے۔

ایک مرتبہ فرمایا کہ "ہم یہ چاہتے ہیں کہ بازار سے مسجد تک کا نظام اور مسجد سے بیت اللہ تک کا نظام درست ہو جائے، پھر اس کی تشریح فرمائی اور ـــ نماز و حج کو صحیح ادا کرنے کی طرف توجہ دلائی۔

ایک مرتبہ نظامِ مسجد اور مسجد کے ذریعہ امت مسلمہ کے اجتماعی مسائل کی تشکیل پر سیر حاصل گفتگو فرمائی، جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک اور صحابہؓ کے زمانۂ پر سعادت کے واقعات عجیب ترتیب کے ساتھ بیان فرمائے۔

نہٹور ضلع بجنور کا گذشتہ سال کا اجتماع یوپی کے اجتماعوں میں ایک بڑا اجتماع تھا اس میں حضرت مولانا اپنے تمام رفقاء کے ہمراہ تشریف لائے تھے، عقیدت مندوں کے ہجوم نے بڑی دشواری پیدا کر دی تھی۔ ہر شخص چاہتا تھا کہ میں کسی نہ کسی طرح مولانا سے مصافحہ کر لوں۔ انتظاماً قیام گاہ پر بعض میواتیوں کا پہرہ لگانا پڑا پھر بھی قیام گاہ کے دروازے کی چوکھٹ، داخلے کی بے محابا کوشش کرنے والوں کے ہاتھوں اکھڑ گئی تھی۔ جب مولانا قیام گاہ سے جلسہ گاہ میں تشریف لاتے تھے مجمع آپ کے اردگرد سمندر کی طرح موجیں مارتا ہوا نظر آتا تھا جس سے انتشار پیدا ہو جاتا تھا اور ضعیفوں کو تکلیف پہنچنے بلکہ کچل جانے کا بھی اندیشہ ہوتا تھا ـــ اجتماع کے دوسرے دن حضرت مولانا رات کے جلسے میں بہ ہزار دقت اسٹیج تک تشریف لائے تو بعد خطبہ مسنونہ تقریر کا آغاز کرتے ہوئے فرمایا کہ کیا تم مجھ (حمار کا ٹھیٹ ہندی ترجمہ) کو دیکھنے کے لئے آئے ہو؟ دیکھو میں یہ کھڑا ہوں ـــ اگر میری بات سننے آئے ہو تو میری بات سنو۔ پھر جو تقریر فرمائی تو مجمع پر سناٹا چھا گیا، بیس پچیس ہزار کا مجمع خاموشی سے مولانا کی تقریر سن رہا تھا۔ غیر مسلم بھی بڑی تعداد میں آپ کی تقریر سننے آئے تھے، مولانا نے خالص انسانیت کے موضوع پر تقریر فرمائی جس سے ہر ایک متاثر ہوا۔ انصاف و عدل کی صفت پر بھی روشنی ڈالی اور فرمایا کہ انصاف و عدل کے

سلسلے میں مذہب یا پارٹی کا سوال پیدا کر کے ناحق کسی کی جنبہ داری اور طرفداری نہیں کی جائے گی، بڑی تفصیل سے اس موضوع پر تقریر فرمائی۔

مرادآباد میں آخری تشریف آوری کے موقع پر وہاں مدارس میں پہنچ کر علماء و طلباء کو جو ہدایات دیئے وہ بھی یاد رہیں گے۔ مدرسہ شاہی کا اجتماع عوام اور علماء و فضلاء کے مجمع کے لحاظ سے اتنا عظیم تھا کہ حضرت شیخ الاسلام (مولانا سید حسین احمد مدنی) رحمۃ اللہ علیہ کے بعد سے آج تک وہاں اتنا بڑا اجتماع نہ ہوا تھا۔ حضرت مولانا سید فخرالدین محدثؒ مدظلہ، نے بخاری شریف ختم کرائی اس کے بعد مولانا نے تقریر فرمائی۔ اس تقریر میں علماء و طلباء کو بصد احترام ان کے فرائض منصبی کی طرف متوجہ فرمایا اور درس و تدریس کی اہمیت کو واضح کیا ـــــ وہاں کی تقریر اس قدر جامع اور بصیرت افروز تھی کہ اگر ہمارے مدارس عربیہ اس پر عمل پیرا ہو جائیں تو ان میں دوبارہ بہار تازہ آجائے۔ اس موقع پر مولانا نے ان بعض شبہات و اشکالات کا جواب بھی دیا جو بعض اصحاب مدارس کی زبان پر نیک نیتی کے ساتھ تبلیغی کام کی نقل و حرکت کے سلسلہ میں آتے رہتے ہیں۔

مرادآباد سے امروہہ تشریف لائے وہاں مدرسہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد میں ختم بخاری کے بعد علماء و طلباء اور شہر کے باشندوں کے سامنے موضوع علم پر سیر حاصل تقریر فرمائی۔ آغاز کلام میں جو بات فرمائی اس کا مفہوم تقریباً یہ تھا کہ ایک علم کا صحیح ہونا ہے اور ایک صحیح علم کا استعمال صحیح ہونا ہے۔ اگر علم صحیح ہو اور اس کا استعمال صحیح نہ ہو تو یہ بھی خسارے کی بات ہے۔ یہ ایک الہامی اور معرکۃ الآرا تقریر تھی جس نے تمام حاضرین کو بڑا فائدہ پہنچایا۔ یہ آخری تقریر تھی جو میں نے حضرت مولانا کی زبان سے سنی تھی، پھر اس کے بعد موقع ہی نہ ملا کہ حضرت مولانا کے ارشادات سے مستفیض ہوتا۔

باتیں تو بہت سی یاد آتی ہیں مگر میں اتنے ہی پر اکتفا کرتے ہوئے آخر میں چاہتا ہوں کہ حضرت مولانا کی چند خصوصیات کا ذکر کر کے اپنے اس مقالے کو ختم کروں۔

۱۔ بغیر کسی لمبی چوڑی تمہید کے تقریر میں اصل مقصد کو قوت کے ساتھ پیش فرماتے تھے۔ اللہ کی ذات پر پورا بھروسہ تھا۔ بار بار فرماتے تھے کہ اللہ سے سب کچھ ہوتا ہے۔ چیزوں سے کچھ نہیں ہوتا۔ چیزیں نفع و نقصان

پہنچانے میں اللہ کی محتاج ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو کسی چیز کی احتیاج نہیں۔ کلمۂ طیبہ کی تفسیر وتشریح وجد انگیز انداز میں بیان فرماتے تھے ـــــ اتباعِ رسولؐ کی اور نقشِ قدمِ صحابہؓ پر چلنے کی پرزور دعوت دیتے تھے، ان کی تقریر میں ایک محدّث ومفسّر ایک صوفی ودرویش، ایک مفکر ومؤرخ کا ملا جلا انداز ہوتا تھا۔

۲۔ مایوسی کو کبھی اپنے اندر آنے نہیں دیا ـــــ عالی حوصلگی اور نصب العین کی بلندی کی طرف رہنمائی فرماتے رہتے تھے، ہندوستان کے مسلمانوں کی ڈھارس بندھانے والے چند اکابر میں حضرت مولانا کی ذاتِ عالی بھی تھی۔

۳۔ دعاؤں کا خاص اہتمام تھا ـــــ دعا مانگتے وقت مجسم دعا بن جاتے تھے، مولانا نے اپنے اہتمامِ دعا سے دعا کی اہمیت وعظمت کی بے شمار دلوں میں قائم کرنے کی صورت پیدا کی۔ حضرت مولانا کے دعا مانگتے وقت قلب پر عجیب سکون طاری ہو جاتا تھا۔

۴۔ مولانا قدیم وجدید دونوں حلقوں میں مقبول تھے۔ ان کی معلومات کا حلقہ بہت وسیع تھا۔ ان کی تقریر سے ایک عالم اور عامی کاشتکار ودستکار اور ایک سائنس داں اور انجینیر مساوی مستفیض ہوتے تھے۔ آپ نے صرف مذہبی وروحانی تقریر کرتے تھے بلکہ حسبِ موقع خصوصی مجلسوں میں اقتصادیات، معاشیات تعلیمات اور سیاسیات کے مسائل بھی حل فرماتے تھے اور اس کے نقشے اور خاکے بتاتے جاتے تھے مگر یہ سب مضامین اسلام کی تعلیمات، سیرتِ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور کردار صحابہؓ کی روشنی میں بیان ہوتے تھے یہی وجہ ہے کہ جدید تعلیم یافتہ طبقہ اور ذہنی اعتبار سے علوم جدیدہ سے متاثر اشخاص آپکی شخصیت سے بہت متاثر ہوتے تھے اور بالآخر دلی اطمینان کے ساتھ دینی کام میں نمایاں حصہ لینے لگتے تھے ـــــ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے بہت سے طلبار کی اخلاقی وروحانی ترقی میں مولانا کے اس کمال کا بہت بڑا دخل ہے۔

۵۔ مولانا دوسروں ہی سے دینی نقل وحرکت کرنے اور باہر نکلنے کے لئے نہیں فرماتے تھے خود بھی حسبِ ضرورت مرکز سے باہر رہتے تھے اور مہینوں باہر گزارتے تھے حالانکہ مرکز میں ان کی موجودگی کی ضرورت کچھ کم نہ تھی۔ ہندوستان وپاکستان کے متعدد شہروں، قصبوں دیہاتوں میں عام اجتماعوں اور

مدارس و مراکز کے خصوصی مجمعوں میں اپنا دینی پیغام پہنچاتے رہے۔ چنانچہ مسافرت اور غریب الوطنی کے عالم ہی میں دین کی جدوجہد کرتے ہوئے ان کی روح اعلیٰ علیین کو سدھاری۔ حج کا فریضہ کبھی کا ادا کر چکنے کے بعد نفلی حج اور عمرے کے لئے جماعتیں لے کر کئی مرتبہ حجاز مقدس پہنچے اور وہاں عالم اسلامی کے اجتماع سے دینی فائدہ اٹھایا۔ ملکوں کے لئے جماعتیں وہاں سے روانہ کیں۔ مقدس مقامات میں دنیا کے مسلمانوں کے لئے عموماً اور ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے خصوصاً خیر و عافیت اور دینی و روحانی ترقی کے لئے دعائیں کیں، اپنی جدوجہد کے ذریعہ عالم اسلامی سے ایک خاص رابطہ پیدا کیا۔

۶۔ اپنے اکابر کے ساتھ والہانہ اور خادمانہ انداز رکھتے تھے۔ بالخصوص حضرت شیخ الاسلامؒ حضرت اقدس رائے پوریؒ سے انتہائی محبت و عقیدت تھی۔ ان دونوں بزرگوں کی جدائی سے مولانا کو جو صدمہ ہوا تھا اس کو بیان نہیں کیا جا سکتا۔

اللہ تعالیٰ سلامت رکھے حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کو ان سے قریبی رشتے داری کے علاوہ جو قلبی اور روحانی تعلق تھا اس کی نظیر موجودہ زمانے میں مشکل سے ملتی ہے۔ آج کے دور میں بزرگوں کے ساتھ یہ محبت، یہ سعادت مندی، یہ خلوص اور یہ جذبۂ تعظیم و تکریم بہت کم دیکھنے میں آتا ہے۔

۷۔ مولانا اپنے والد ماجد سے تعلق رکھنے والے تمام حضرات کا اور پرانے کارکنوں کا بڑا احترام اور اعزاز فرماتے تھے۔ نیز مرکز کے تمام رفقاء اور بیرون مرکز کے تمام کام کرنے والوں سے جن میں امیر بھی تھے، غریب بھی۔ عالم بھی تھے عوام بھی، تاجر بھی تھے کاشتکار بھی، یونیورسٹی، کالج اور اسکولوں کے اساتذہ بھی تھے اور طلبہ بھی، اسلامی مدارس کے معلمین بھی تھے اور متعلمین بھی۔ دفتر کے ملازمین بھی تھے اور ڈاکٹر و انجینیر بھی۔ سب سے بڑی شفقت اور محبت سے پیش آتے تھے، سب کام کرنے والوں کی طرف سے اپنا سینہ اور دل صاف رکھتے تھے اور اس کا اہتمام کرتے تھے، اگر کسی کی کوتاہی معلوم بھی ہو گئی تو حکمت عملی سے اس کا تدارک فرماتے تھے۔

مختلف مزاج اور مختلف کاروبار کے لوگوں کو یوں جوڑے رکھنا بغیر روحانیت اور نفسیات کی مہارت کے مشکل ہے۔

۸۔ مولانا نے تبلیغی کام چلانے کے لئے کبھی مادّی ذرائع اور روپے پیسے کا سہارا تلاش نہیں کیا۔ بزرگانِ ملت کے طریقے اور اپنے خاندانی متوکلانہ و درویشانہ روایات پر قائم رہے۔ فتوحات کے طور پر بھی جو کچھ آیا اس میں سے اپنے اور اپنے اہل وعیال پر بہت کم اور صرف بقدر کفاف اور دینی جدوجہد کی ضروریات اور مستحقین پر بہت زیادہ صرف کیا۔ ان کے لنگر کا خرچ اتنا تھا کہ کسی ریاست کا خزانہ بھی اس کے لئے کفایت نہ کرتا۔ سب کام غیب سے ہوا اور آج بھی ہو رہا ہے۔

۹۔ سیاسی اور فروعی اختلافات کی وجہ سے اہل سنّت وجماعت میں جو تفریق ہو گئی ہے اس کو اپنی حکمت عملی سے کم سے کم کرنے کی کوشش فرمائی۔ تبلیغی کام پر معاندین نے سخت سے سخت تنقیدیں کیں اور چھوٹے بڑے رسالے لکھے مگر مولانا نے ان پر کبھی توجہ نہ کی نہ جواب دینے کی ضرورت محسوس فرمائی بلکہ اختلافات کی وسیع خلیج کو پاٹنے کی متواتر کوشش فرماتے رہے جس میں بہت کچھ کامیابی ہوئی۔

۱۰۔ ہند اور بیرونِ ہند میں کام کی اتنی اشاعت ہو جانے اور آپ کی شخصیت اتنی معروف ومشہور ہو جانے کے بعد بھی کبھی آپ نے خود تو کیا کسی دوسرے کو بھی اجازت نہ دی کہ ان کی شخصیت کی طرف دعوت دی جائے اور لوگوں کو ان کے حلقۂ بیعت میں داخل کیا جائے۔ آپ نے سب حلقوں کا اکرام کیا۔ سب مشائخ کا اعزاز کیا، سب مدارس کو اپنا سمجھا، سب علماء کی تعظیم وتکریم کی، اپنے معاصرین سے چاہے وہ دین کے کسی شعبے میں کام کر رہے ہیں اچھے تعلقات رکھے، اپنے طرزِ عمل سے کسی کو شکایت کا موقع نہ دیا۔ عام وخاص مسلمانوں کے جس اکرام کی اور امّت کے مختلف طبقات کو باہم قریب کرنے کی وہ مسلمانوں کو جو تعلیم دیتے تھے خود ان کی ذات اس کا بہترین نمونہ تھی۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولانا کو اعلیٰ مقام نصیب فرمائے اور ان کے صاحبزادے میاں محمد ہارون سلمہٗ اور ان کے جانشین حضرت مولانا انعام الحسن کاندھلوی مدظلہٗ اور دیگر رفقاء کو صحت وعافیت کے ساتھ دینی کام کرنے کی زیادہ سے زیادہ توفیق عطا فرمائے اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مدظلہٗ کو نیز تمام اکابر کو تادیر ہمارے سروں پر قائم رکھے۔ (آمین)

حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ
ارشادات کے آئینے میں

از حضرت مولانا مفتی زین العابدین صاحب (لائل پور)

[ہمارے بہت سے ناظرین حضرت مفتی صاحب سے شاید واقف نہ ہوں، آپ پاکستان کے معروف علماء و اصحاب فتویٰ میں سے ہیں، تبلیغی کام سے آپکا تعلق بہت عمیق اور قدیم ہے اس کام ہی کے سلسلہ میں چند سال آپکا قیام حجاز مقدس میں بھی رہا ہے۔ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خاص معتمدین میں سے تھے اور حجازِ مقدس کے سفروں اور پاکستان کے دوروں میں عموماً حضرت مولانا مرحوم کے ساتھ رہتے تھے۔]

الحمد للہ وحدہٗ والصلوٰۃ والسلام علیٰ من لا نبی بعدہٗ

حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دفعہ ارشاد فرمایا تھا کہ "کام یہ ہے کہ کام کرنے والے کا اس ذات پر یقین قائم ہو جائے جس کے کرنے سے کام ہوگا، یعنی اللہ جل جلالہٗ کی ذات پر، اور اس کی حیثیت کام کرنے والے پر ایسی منکشف ہو کہ اپنی ذات اور کوئی دوسری ذات دکھائی نہ دے، دوسرا یقین یہ ہو کہ جب میں ظاہر و باطن سے حضورؐ کے طریقوں پر آجاؤں گا تو رب العزت دنیا و آخرت میں اچھے حالات لائے گا۔"

حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات میں یہی یقین اتنا نمایاں نظر آتا تھا کہ معمولی استعداد کا آدمی بھی محسوس کر لیتا تھا کہ اس خدا کے بندے کے نزدیک حکومت، مال و دولت، اکثریت اور کسی بھی طاقت سے قطعاً کچھ نہیں ہوتا۔

ایک دن ڈھاکہ میں وہاں کے خواص کے ایک اجتماع میں فرمانے لگے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے

ایک سوال کے جواب میں اتنا فرمایا تھا کہ کل بتاؤں گا اس پر وحی آئی "ولا تقولن لشیء انی فاعل ذلک غدا الا ان یشاء اللہ"[1] اور تمھاری زبان پر ہر وقت یہی رہتا ہے کہ ہم نے یہ کیا ہم یہ کر رہے ہیں اور ہم یہ کر دیں گے، وہ کر دیں گے۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ تم اگر مرنا چاہو تو اپنے ارادے سے مر بھی نہیں سکتے۔ خَلق کی صفت صرف خالق میں ہے، پوری مخلوق اپنی پیدائش، ترتیب اور بقا میں ہر ہر مرحلہ پر خالق کی محتاج ہے۔

ایک دفعہ تقریر کے بعد ایک صاحب نے کہا حضرت یہ کام تو اچھا ہے مگر عالم میں پھیلا ہوا بگاڑ اس سے کیسے درست ہوگا؟ اس پر فرمایا، اگر میرے آپکے یا جماعت کے کرنے پر ہوتا تو سوچنے کی بات تھی جب خدا کے کرنے سے ہونا کہہ رہا ہوں تو پھر اشکال کیا ہے، کیا یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ یہ کام خدا کیسے کرے گا؟

ایک دفعہ فرمایا تم حضورؐ کے نمونہ پر بننا شروع کر دو جتنا بننا ہوگا بن جائے گا اور جو بننے والا نہیں ہوگا اور بننے والوں کے لئے رکاوٹ بنے گا خدا اسے اس طرح توڑ دے گا جیسے انڈے کے چھلکے کو توڑ دیتا ہے، تم جن کو بڑی طاقتیں کہتے ہو خدا کے نزدیک ان کی حیثیت مکڑی کے جالے کے برابر بھی نہیں ہے۔ اس دنیا میں پاکیزہ انسانوں کے نہ ہونے کی وجہ سے مکڑیوں کے بڑے بڑے جالے لگ گئے تھے، جب حضورؐ کی سعی سے پاکیزہ انسان بن گئے تو خدا نے عذاب کی ایک جھاڑو سے روم و فارس کے جالے صاف کر دئیے تھے، بالکل یہی صورت روس و امریکہ کی ہوگی۔

ایک دفعہ فرمایا ایٹم سے ڈرنا ایسا ہی ہے جیسے مشرکین اپنے پتھر کے بتوں سے ڈرتے اور امید رکھتے تھے، ایٹم اور ایٹم والوں کی گردنیں قدرت کے ہاتھ میں ہیں، سے وہ ہوگا جو خدا چاہے گا، فرعون بھی "وَھٰذِہِ الْاَنْھٰرُ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِیْ" کہا کرتا تھا، مگر خدا نے اسی پانی کو اس کے غرق و بربادی کا سامان بنا دیا۔

---

[1] ترجمہ :- اور کسی چیز کے لئے ہرگز یہ نہ کہو کہ میں یہ کل کروں گا مگر یہ کہ اللہ چاہے۔ یعنی یوں کہنا چاہیے کہ اللہ نے چاہا تو کروں گا۔ الفرقان

حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کے دل کی گہرائیوں میں خدائے ذوالجلال کی صمدیت کا یقین اتنا بھرپور معلوم ہوتا تھا کہ ان کے نزدیک ہر زمانے کے کائناتی اسباب کا وجود وعدم برابر تھا۔ فرماتے تھے جب کچھ نہ تھا خدا نے سب کچھ بنادیا اور آخر میں کچھ نہیں رہے گا اور پھر سب کچھ بنائے گا، وہ پیدا کرنے میں ماں باپ کا محتاج نہیں ہے۔ آدم علیہ السّلام، حوا علیہا السلام اور عیسٰی علیہ السلام کی پیدائش اس کی دلیلیں ہیں، نیز قیامت کے دن بارش ہوگی اور انسان زمین سے انگوریوں کی طرح نکلتے چلے آئیں گے۔ وہ چاہے تو سامان ہلاکت و ذلت کو ہی سامان تربیت و عزّت بنادے۔ ابراہیم علیہ السلام کے لئے آگ کو، یونس علیہ السلام کے لئے مچھلی کے پیٹ کو، اسمٰعیل علیہ السّلام کے لئے زندگی سے اسباب سے خالی لق دق بیابان کو، یوسف علیہ السلام کے لئے جیل کو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے غار ثور کو حفاظت، عزت اور تربیت کا سامان فرمادیا۔

فرماتے تھے، میں دنیا کو دارالاسباب مانتا ہوں مگر انسانوں کی اجتماعی انفرادی کامیابی، سکون، تمکن، محبوبیت، مرجعیت، قوت اور تمام اچھے حالات کا واحد سبب حضور ﷺ کی آمد کے بعد صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود اطہر سے صادر ہونے والے اعمال ہیں، جب کسی فرد، خاندان، طبقہ، جماعت، قوم یا ملک میں حضور ﷺ والے اعمال آجائیں گے خدا ان کو دارین میں کامیاب کرے گا چاہے ان کے پاس کائناتی اسباب ہوں یا نہ ہوں۔

برہمن بڑیا میں مدرسہ میں بخاری کے ختم پر فرمایا۔ "بھائیو آپ نے بخاری ختم کی، علم حاصل ہوا، اب اسی علم پر تین مقصدوں کے لئے محنت ضروری ہے۔ اس¹ علم کے مطابق اپنے اندر کا یقین۔ اس² علم کے مطابق عمل۔ اور اس³ یقین و عمل کو عالم میں پھیلانا۔ حضور ﷺ کے لائے ہوئے علم پر ان تین پہلوؤں پر ابتداء میں محنت کی گئی تو اس زمانہ کے کائناتی نقشوں پر چلنے والا باطل روم و فارس پاش پاش ہوگیا اور آخر میں دجّال اپنی ذات سے اتنی بڑی طاقت کا مظاہرہ کرے گا کہ اس کے مقابلہ میں موجودہ طاقتیں کچھ بھی نہیں ہیں۔ اس وقت مہدی علیہ السلام زمین سے اور عیسٰی علیہ السلام آسمان سے آئیں گے اور منٌ و عنٌ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے طریقے کے مطابق اس علم پر محنت کریں گے، اس پر اللہ جل جلالہٗ اس دجّالی طاقت کو ہلاک

کر دے گا اور جب پہلے یہ ہو چکا اور آخر میں بھی یہ ہوگا تو پھر یہ وسوسہ کیوں ہو کہ درمیان میں کیسے ہو سکے گا۔ آج بھی وہ سب کچھ ہو سکتا ہے بشرطیکہ ایک معتدبہ طبقہ اس علم پر حضورؐ اور صحابہ کی طرح محنت کر ڈالے حضورؐ سے صادر ہونے والے اعمال کو خدا نے ایٹم سے زیادہ طاقت ور بنایا ہے اور ایک ایک عمل کو عالم میں تغیر کا ذریعہ بنایا ہے۔ صلوٰۃ الاستسقاء زمین کے حالات میں تغیر کا ذریعہ ہے۔ صلوٰۃ الکسوف اور صلوٰۃ الخسوف چاند و سورج کے حالات بدلنے کے لئے ہے، دعا اور صلوٰۃ الحاجۃ ہر قسم کے انفرادی، اجتماعی ناموافق حالات بدلنے کے لئے ہے، حضورؐ کی انگلی کے اشارہ سے چاند کے دو ٹکڑے کرا کے یہی ظاہر کیا گیا کہ حضورؐ سے صادر ہونے والا عمل اتنا طاقت ور ہے اور یہ اشارہ حضورؐ کا تکوینی عمل تھا۔ تشریعی عمل اس سے بھی طاقتور ہیں۔ اس وقت حکومتی نقشوں والوں کی منت خوشامد ہو رہی ہے کہ ہمارا علم چلا دو۔ میں کہتا ہوں قرآن و حدیث ان کی منتیں کرنے نہیں آیا، قرآن تو ان نقشوں والوں کے وجود و عدم اور ذلت و عزت کے فیصلے کرنے آیا ہے۔

اسی کے ساتھ حضرت جیؒ کی ایک ایک بات سے اس کامل یقین کا بھی ظہور ہوتا تھا کہ حضورؐ والے اعمال کے بغیر کبھی بھی دنیا و آخرت میں کامرانی نصیب نہیں ہو سکتی چاہے کائناتی اسباب کتنے ہی ہاتھ آجائیں، بلکہ کائناتی اسباب حکومت، تجارت، زراعت وغیرہ میں جب تک حضورؐ والے اعمال کی روح نہ آجائے، یہ اسباب مردہ ہیں۔ اور یہ بھی فرماتے تھے کہ جو انسان خالق کائنات، اور اصل کائنات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جانے اور مانے بغیر کائنات کی چیزوں میں گھستے ہیں، ان کی حیثیت چوروں اور ڈاکوؤں کی ہے انہیں مال و دولت تو مل سکتے ہیں مگر سکون و محبوبیت ہرگز ہرگز نہیں مل سکتی ــــ اور یہ بھی فرماتے تھے کہ خود کائنات کی بقا صرف اسی وقت تک ہے جب تک اس میں حضورؐ کے اعمال موجود ہیں۔ جب ان کے اعمال میں سے کوئی بھی عمل نہ رہے گا اس وقت اس مردہ کو دفن کر دیا جائے گا۔ اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ۔ الآیۃ

اور اسی بنیادی یقین کی بنا پر فرماتے تھے کہ نماز صرف اعمالِ نبوت کا مجموعہ ہے اسے تمام کائناتی اعمال کو چھوڑ کر بلکہ اُن سے دور ہو کر مسجد میں ادا کرنے کا حکم ہے اور نماز میں کائناتی اعمال تجارت وغیرہ کو صرف چھوڑنے کا حکم نہیں، بلکہ نماز میں ان کا خیال کرنا بھی ممنوع قرار دیا گیا اور پوری کائنات سے یکسوئی والے عمل کی طرف "حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ" سے پکارا گیا، یہ عمل گویا اس یقین کی مسلسل مشق کراتا ہے کہ کامیابی کا دارومدار صرف

اعمالِ نبوّت پر ہے اور اعمالِ نبوی کے ساتھ اس درجہ یقین رکھنے والے کو جو شغف اور اہتمام علومِ نبوی کے ساتھ ہو سکتا ہے وہ مخفی نہیں ہے۔

ایک دفعہ علماء کے تعلیمی حلقے کے ختم پر فرمایا جس میں حضرت مولانا عبدالحق مدنی رحمۃ اللہ علیہ بھی موجود تھے کہ ہم یہ نہیں چاہتے کہ بخاری پڑھانے والوں کو "التحیات" یاد کرانے پر لگا دیں مگر یہ ضرور چاہتے ہیں کہ التحیات یاد کرانے کی بخاری پڑھانے والوں کے نزدیک بھی انتہائی اہمیت ہو اس لئے کہ یہ بھی حضورؐ کے علوم میں سے ایک علم ہے۔ اسے غیر اہم سمجھنے والا کہیں کا نہ رہے گا اور یہ بھی چاہتے ہیں کہ تعلیم کا یہ درجہ بھی ماہرینِ بخاری کی نگرانی میں ہو۔ اسی بنا پر حضرت جیؒ انتہائی اہتمام سے تمام چھوٹے بڑوں سے چاہتے تھے کہ تعلیم کے حلقوں میں بیٹھیں اور انتہائی احترام و توجہ سے سنیں۔

ایک دفعہ فرمایا کہ جب قرآن پڑھنے یا سننے بیٹھو تو یوں سمجھو خدا مجھ سے مخاطب ہے، اور جب حدیث پڑھنے یا سننے بیٹھو تو یوں سمجھو کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم مجھ سے مخاطب ہیں۔

ایک یہ بات بھی حضرت جیؒ کے لئے آفتابِ نیم روز کی طرح ظاہر اور بدیہی اور ناقابلِ شک تھی کہ جب تک مذکورہ بالا یقین اور علمِ نبوت کے مطابق عبادات درست نہ ہو جائیں اخلاق نہیں آتے اور جب تک ہم میں اخلاق نہیں آئیں گے دوسروں میں دین نہیں پھیلے گا اور فرماتے تھے اغراض کے لئے کسی سے کوئی سلوک کرنا اخلاق نہیں ہے بلکہ کوئی کام بھی جب تک اس میں اخلاص نہ ہو اس کی قطعاً کوئی قیمت نہیں ہے۔ ایک دن ایک مجلس سے اُٹھے اور میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا مفتی صاحب عمل اخلاص کے بغیر مُردار ہی تو ہے اور دیکھو گھروں، بازاروں، دفتروں، یہاں تک کہ مدارس و مساجد میں بھی ایسے مرداروں کے ڈھیر لگ رہے ہیں۔

۱۱ مارچ ۱۹۶۵ء (چہار شنبہ) کی صبح وصال سے صرف دو دن پہلے فرمایا۔ اللہ کی رضا کے علاوہ کسی بھی نیت سے عمل کرنا نفسانیت ہے۔ مال مل جائے، مال بڑھ جائے، لوگ تعریفیں کریں، بڑا بن جاؤ شہرت مل جائے، عہدہ مل جائے، مرجع بن جاؤں، میری بات چلنے لگے، میری حیثیت مانی جائے۔ میری رائے پوچھی جائے۔ ان اغراض کے لئے عمل کرنا ہرگز اخلاص اور للٰہیت نہیں ہے، یہاں تک کہ

مخلصین خدا کے وعدوں پر یقین رکھتے ہوئے اس موعود کے لیے بھی عمل نہیں کرتے اس لیے کہ موعود، موعود ضرور ہے مگر مقصود نہیں، اور جو موعود کو مقصود بنا کر کرتے ہیں وہ موعود ہی میں پھنس جاتے ہیں اور جو لوگ صرف رضاء الٰہی کو مقصود بنا کر چلتے ہیں، ان پر جب خدا کے مواعید پورے ہوتے ہیں اور مال و ملک کی نعمتیں ملتی ہیں تو وہ ان کو اپنی ذات پر خرچ کرنے کے بجائے دین کی اشاعت اور مخلوق خدا پر محض رضاء الٰہی کیلئے خرچ کر دیتے ہیں جیسے صحابہ کرامؓ نے کیا تھا۔

ادھر کئی سال سے حضورؐ کی معاشرت پر نہایت اچھوتے اور محبت بھرے انداز میں تفصیلی گفتگو فرماتے تھے اور اس کے مقابل جب موجودہ معاشرت کا ذکر آتا تو معلوم ہوتا کہ اس معاشرت کی ایک ایک چیز میں انھیں کھلے مفاسد نظر آتے ہیں اور بعض چیزیں ایسی غلاظت ہیں کہ ان سے انھیں گھن آ رہی ہے۔

ایک دفعہ فرمایا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معاشرت کی بنیاد پاکیزگی، سادگی اور حیا پر ہے اور یہود و نصاریٰ کی لائی ہوئی معاشرت کی بنیاد بے حیائی، اسراف اور تعیش پر ہے۔ تمہیں ان کی معاشرت پسند آنے لگی جنہوں نے تمہارے اسلاف کے خون بہائے عصمتیں لوٹیں، ملک چھینے، اور اب بھی تمہیں امداد دیکر اس طرح پال رہے ہیں جس طرح تم مرغیاں پالتے ہو (یعنی ذبح کرنے کیلیے) اور جس نے تمہارے لیے خون بہایا، دانت شہید کرائے، حمزہؓ جیسے چچا شہید کرائے، تمہارے لیے راتیں جاگتے گذاریں انکی معاشرت تمہیں پسند نہ آئی" دوستو حضورؐ کی معاشرت بھی قیامت تک کیلئے ہے جیسے انکی نبوت قیامت تک کیلیے ہے، جب تم میں نورِ ایمان آئیگا تو تمہیں حضورؐ کی معاشرت کی ایک ایک چیز پیاری لگے گی۔

دعوت کے عمل کو حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ تمام اعمال نبویؐ میں زیادہ طاقتور اور انبیاء کا مقصد حیات یقین کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ انبیاء کا خاص الخاص عمل ہے انبیاء والی مدد بھی اسی عمل کیساتھ ہیں بشرطیکہ یہ عمل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر ہو۔ حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ اس عمل کیلیے ہر طرح کی انتہائی قربانیاں چاہتے تھے اور تدریجاً بڑھنے کی دعوت دیتے تھے اس وقت عام دعوت یہ تھی کہ وقت کا تہائی حصہ یعنی ہر سال میں چار مہینے بیرونی نقل و حرکت میں صرف کیے جائیں باقی آٹھ مہینے اپنے مقام پر اس طرح گزارے جائیں کہ آدھا وقت مسجد اور اسکے اعمال میں صرف ہو اور باقی آدھا وقت گھر اور اسکی ضروریات کو دیا جائے۔ ایک دفعہ پرانوں سے فرمایا، اس کام کو اصل کام بناؤ اور بقیہ کاموں کو اس کی سلوٹوں میں کرنا سیکھو اور چاہتے تھے کہ ہر گھر ہر محلہ، ہر شہر، ہر ملک اس دعوت کا میدان بنے۔ خدا کا احسان ہے کہ انکی دعوت کے کچھ حصوں پر کچھ لوگوں نے لبیک کہا، رب کریم مرحوم و مغفور کی وہ ساری آرزوئیں پوری فرمائے جو ان کے پاکیزہ دماغ میں آئیں۔ آمین۔ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ۔

صدّیقِ وقت یوسفِ اقلیمِ دین و دعوتؒ

(نوّر اللہ مرقدہٗ)

(از جناب مولانا محمد اشرف خاں صاحب ایم۔اے، صدر شعبۂ عربی، اسلامیہ کالج پشاور)

درمیانِ کارزارِ کفر و دیں ترکشِ مارا خدنگ آخریں

عالم کی سب سے بڑی متاع انسان ہے لیکن ہر زمانہ میں "انسان" کی یافت و معرفت ہی بنی آدم کیلئے سب سے مشکل مسئلہ بنی رہی ہے۔ وہ مخلوق جو انسان کے نام سے موسوم ہے لیکن انسان کے جواہرِ اصلیہ سے محروم ہے، ان کا تذکرہ نہیں، بات اس انسان کی ہے، جو خلیفۂ الٰہی، نائبِ حق، مظہرِ صفاتِ الٰہیہ، عبدیت و اخلاق کا پیکر، احکامِ ربانی کا حامل اور اپنی ذات و صفات و اعمال کے لحاظ سے عالم کے لیے سراپا رحمت و ہدایت، باعثِ برکت و خیر ہو، جس کی زندگی عالم کی حیات اور جس کی موت عالم کی موت ہو، جو خدا کا ہو، جس کا دل جمال و کمالِ الٰہی کے نور سے روشن اور جس کی پیشانی للّٰہیت، انابت الی اللہ اور معیتِ ربانی سے منور ہو، جس کی صحبت ہدایت کا نور بکھیرتی ہو، جس کا دل دلوں کو زندگی بخشتا ہو، جس کی روح سے روحیں زندہ ہوتی ہوں، جس کا اُسوہ اپنے اندر صحبتِ نبوت کا پرتو لئے ہو، جس کی زندگی اِنَّ صَلٰوتِی وَنُسُکِی وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِی لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ" عملی ثبوت ہو، جو مخلوق کا نہ ہو خالق کا ہو، مخلوق کا طالب نہ ہو، مخلوق سے اپنے نفع و ضرر کو حقیقتاً متعلق نہ سمجھتا ہو، وہ ہر غیر سے قطعاً بے نیاز اور صرف ایک ذاتِ الٰہی کا نیاز مند ہو، اسکی

لہ یہ "عجالہ" ناگزیر حالات کی بنا پر انتہائی روا روی میں قلم برداشتہ املا کرایا گیا ہے اس لیے جیسے لکھنا چاہتا تھا وہ صورت نہ ہو سکی تاہم جو ہوا وہ خدا کی توفیق سے ہوا۔ وَالحمد للہ علیٰ ذٰلک ؎

طوفانِ اشک لانے سے اے چشم فائدہ دو اشک بھی بہت ہیں اگر کچھ اثر کریں

امنگیں، امیدیں، تمنائیں، آرزوئیں، آہیں، نالے، سوز و گداز، بے چینیاں اور بیقراریاں، کوشش و محنت، سعی و جستجو، سوچ و فکر، سکوت و تکلم، قول و عمل صرف ایک ذات پاک و بے ہمتا خالق و مالک کے لیے ہو کر رہ گئی ہو اس کا حال لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ کی عملی تصویر ہو اور اس کا دل ابراہیم خلیل کی طرح خلت ربانی کا ذوق آشنا، اس کا یقین محکم و ایمان کامل شک و ریب، بے یقینی اور نفاق کے توبرتو پردوں کو چاک کرنے والا، بے یقینوں کو یقین دلانے والا، بے راہوں کو راہ بیں بنانے والا اور دلوں کی ظلمتوں کو کافور کرنے والا ہو، وہ اپنی راہ نبوت کی بتائی ہوئی روشنی میں طے کرتا ہو، زمان و مکان اسے متاثر نہ کرتا ہو، وہ تفرید و تجرید کے اس مقام پر فائز ہو، جہاں "غیر" کلی طور پر مضمحل اور محجوب ہو جاتا ہو اور جہاں ہر چیز اللہ تعالیٰ سے ہوتی نظر آتی ہے، اس کے لیے مخلوق اور مخلوق پر وارد ہونے والے احوال و تصرفات ایک ہی مصرف الامور اور مکون السموٰت والارض کی مختلف تجلیات و افعال کا ظہور و صدور ہوں، وہ عالم کی ہر تصرف اور کائنات کی ہر حرکت و سکون میں خالق و آمر حقیقی کا غیر مرئی ہاتھ کارفرما پاتا ہو، اللہ تبارک و تعالیٰ کے نظام تشریعی و تکوینی کی مصلحتیں اور حقیقتیں اس پر (بقدر عطا، رب) کھل چکی ہوں، نظام تشریعی کی حقیقت نے اس پر واضح کر دیا ہو کہ تکوینیات کے اوامر تشریعات کے متعلقہ امور کے نتائج و ثمرات ہوتے ہیں، اس لیے شریعت مطہرہ کی عظمت اور انبیاء علیہم السلام خصوصاً افضل الانبیاء سید الرسل حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے اعمال کے جزو کل کی قیمت و اہمیت اس پر اس طرح منکشف ہو چکی ہو کہ چھوٹی سے چھوٹی سنت اور حیات نبوی کے معمولی سے معمولی عمل کو وہ پوری کائنات سے زیادہ وقیع و قیمتی سمجھتا ہو، جس کے لیے ایک سنت کا ٹوٹنا قیامت ہو، جان دینا گوارہ ہو لیکن طریقہ نبوت کا اضمحلال برداشت نہ ہو سکے اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی طرح وہ قولاً و عملاً پکار رہا ہو "اینقص الدین وانا حیّ" ایسی شخصیت کا ملنا بقول شاہ ولی اللہ کبریت احمر اور اکسیر اعظم سے کم نہیں۔ ایسے انسان کی جستجو کے متعلق عارف رومی نے کہا ہے ع

گز دام دو ملولم و انسانم آرزوست

ایسے انسان کامل کی یافت دل کا چین، روح کا سکون، اور ہر بیماری کا علاج ہے اس کا ملنا ہی شکوک و ریب کے اندھیروں کو اجالوں سے بدل دیتا ہے اور دل میں یقین و ایمان کی قندیل روشن کر دیتا ہے ؎

اے لقائے تو جواب ہر سوال　　مشکل از تو حل شود بے قیل و قال

در علاجش سحر مطلق را ببیں　　　در مزاجش قدرت حق را ببیں

ایسے انسان کی یافت وحصول میں تو برتو حجابات حائل ہوجاتے ہیں اور اس سے استفادہ اور استفاضہ میں رکاوٹ بن جاتے ہیں وہ خود شہرت اور نمود کا طالب نہیں ہوتا، معاصرت کے حجاب اکبر کے علاوہ اعمال کا ظاہری تشابہ، اس کی اپنی بے نفسی، قنائیت وتواضع، خلق کی مدح وذم سے بے پروائی وغیرہ اس کے جمال وکمال کو چھپائے رکھتی ہے، بے بصر اشخاص اسے اپنے پر قیاس کرلیتے ہیں اور اس کے فیض وبرکت سے بے پروا اور محروم ہوجاتے ہیں، اسی کی طرف عارف رومی نے اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے ؎

کارِ پاکاں را قیاس از خود مگیر　　　گرچہ باشد در نوشتن شیر، شیر
شیر آں باشد کہ انساں می خورد　　　شیر آں باشد کہ انساں را درد
جملہ عالم زیں سبب گمراہ شد　　　کم کسے ز ابدال حق آگاہ شد
اشقیاء را دیدۂ بینا نہ بود　　　نیک و بد در دیدہ شاں یکساں نمود
ہمسری با انبیاء برداشتند　　　اولیاء را ہمچو خود پنداشتند
گفتہ اینک ما بشر ایشاں بشر　　　ما و ایشاں بستۂ خوابیم و خور
ایں ندانستند ایشاں از عمیٰ　　　ہست فرقے درمیاں بے منتہیٰ
ہر دو صورت گر بہم ماند رواست　　　آب تلخ و شیریں را صفا است

جو اشخاص اور جو طبقہ ایسے انسان تک پہنچ بھی جاتا ہے تو اس کی معرفت اور پہچان اور ان سے استفادہ اپنے احوال وظروف کے مطابق کرپاتا ہے اور اس جہل مرکب میں مبتلا ہوجاتا ہے کہ میں نے اسے جان لیا، پہچان لیا، اور جو میں نے اس سے اخذ کیا، گویا اس انسان کامل اور عبقری شخصیت کا وہی سرمایہ اور فضل وکمال تھا، حالانکہ بقول سید الملۃ قدس سرہٗ

فیض ساقی ہے باندازۂ ظرف میخوار　　　دل حریف مئے بسیار کہاں سے لاؤں

افادہ بقدر صلاحیت استفادہ ہوتا ہے، علوم خاصہ بھی اپنا محرم تلاش کرتے ہیں، نسبت باطنی بھی اپنا محل وجائے استقرار کی طلب میں ہوتی ہے، اس لیے ایسے کامل انسان ہم جیسے

مستفیدوں کو ہمیشہ یوں ہی کہتے رہے ،

من بہر جمعیتے نالاں شدم | جفت بدحالان وخوش حالاں شدم
ہر کسے از ظنِ خود شد یار من | از درون من نجست اسرار من
محرم ایں ہوش جز بیہوش نیست | ہم زباں را مشتری جز گوش نیست
ہیچ کس را زہرہ ایں جوش نیست | با کہ گویم در جہاں یک گوش نیست

پچھلے دور کے ایک حکیم شاعر نے کیا خوب کہا ہے ؎

چوں رخت خویش بربستم ازیں خاک | ہمہ گفتند با ما آشنا بود
ولیکن کس ندانست ایں مسافر | چہ گفت با کہ گفت واز کجا بود

غرض 'انسان' کا ملنا مشکل، اس کا جاننا و پہچاننا، اور اس کی صفات و کمالات، فضائل ومزایا کی معرفت مزید دقت طلب اور گراں ہوتی ہے' اب ایسے انسانوں کے پہچاننے کا کیا دعویٰ واظہار کیا جائے کہ

خود ثنا گفتن زمن ترک ثنا است | کیں دلیل ہستی و ہستی خطا است

بہر حال ہر شخص اپنے ظرف واستعداد، فہم ودانش، علم وبصیرت کے بقدر جانتا اور تعارف کرا سکتا ہے لیکن ناواقفوں کے لیے یہ تعارف بھی اکثر باور کرانے کے مرادف نہیں ہو سکتا، مبالغہ اور عقیدت کی اس دنیا میں حقیقت کو بھی افسانہ سمجھ لیا جاتا ہے اور شخصیت نگاری کو شاعری قرار دیا جاتا ہے۔ ان تمام باتوں کے باوجود ایسے باکمال انسانوں کے خدوخال اور جمال وکمال کو کسی حد تک پیش کرنا افادیت سے خالی نہیں، کہ

چونکہ گل رفت وگلستاں شد خراب | بوئے گل را از کہ جویم، از گلاب

اللہ تبارک وتعالیٰ کی عادت جاریہ ہے کہ اس عالم میں انسانوں کی ہدایت کیلئے نفوس کاملین کو پیدا فرماتا رہتا ہے اور انھیں اپنی ہدایت کا آلہ بنا کر اس عالم کے انسانوں پر اپنی ذات تک پہونچنے کی راہیں کشادہ اور اپنی ذات عالی سے استفادہ کی صورتوں کو استوار فرماتا رہتا ہے۔ یہ نفوس کاملین اصلاً انبیاء علیہم السلام کی ذوات عالیہ ہوتی ہیں اب جبکہ ہمارے آقا امام الرسل سید الانبیاء خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دائمی نبوت اور ابدی رسالت کیساتھ تشریف لے آئے اور حکمت الٰہیہ نے یہ مقدر فرما دیا کہ دورۂ نبوت محمدیہ اعلان نبوت محمدیہ سے

ے کرتا قیام ساعت مستمر رہے گا۔ اس عہد میں جتنے اصحاب دعوت وارشاد اور نفوس قدسیہ پیدا ہوں گے وہ رسالت محمدیہ کے آب زلال سے سیراب، آپ کے علوم وانوار سے فیضیاب، آپؐ کے یقین وایمان، توکل و تفویض، للّٰہیت وانابت، درد وسوز اور غافلوں ناواقفوں پر ترس وترحم اور آپ کے دیگر باطنی صفات کمال سے متصف ہونگے ایسی ذوات قدسیہ عالم کی ہدایت کا سبب اور نظام حیات کی اس عالم میں ظاہری کڑیاں ہوتی ہیں۔ ان کے مجاہدات اور دعاؤں کی برکت سے دین کے فروغ کی غیبی صورتیں پیدا ہوتی ہیں۔

غربت کدۂ ہند میں اسلام کا قافلہ صحابہ کے عصر سعادت ہی میں پہنچ گیا تھا، اس عہد سے لیکر دسویں صدی ہجری تک علماء اور دعاۃ، صلحاء وصوفیہ کی ایک کثیر جماعت کفرستان ہند وپاک کو اسلام کے نور سے منور کرتی رہی، لیکن سیدنا امام ربانی مجدد سرہندیؒ کے دورِ تجدید سے اس سرزمین کے لیے وہ عہد برکت شروع ہوتا ہے جب ہدایت وارشاد کا خاص مرکز اس سرزمین کو قرار دیا گیا۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کے زمانے سے لے کر آج تک علماء ومحدثین، اکابر صوفیہ واصحاب دعوت وعزیمت جس قدر ہندوستان خصوصاً مضافات دہلی ودوآبہ کی سرزمین سے اٹھے اس کی نظیر دوسری جگہ نہیں ملتی اور ان سے جو خیر پھیلا اس کے اثرات ونقوش عالمگیر ہیں، اسی سلسلۃ الذہب کی آخری کڑی العارف باللہ، المجاہد فی سبیل اللہ، الداعی الی اللہ، المؤید من اللہ، معدن الیقین والایمان، لسان الحق والدعوۃ، وارث علوم النبوۃ، قطب الارشاد، صدیق وقتہ، خلیل عصرہ العلامۃ الشاہ محمد یوسف الکاندھلوی نور اللہ مرقدہ کی ذات گرامی ہے۔

حضرت جی قدس سرہ معرفت وللّٰہیت، ایمان ویقین، دعوت وعزیمت، مجاہد وفنائیت کے جس مقام پر فائز تھے اس کا ادراک بھی مجھ جیسے کی پر پرواز سے بالا ہے۔ تاہم یہ بات بے محابا اور برملا کہی جا سکتی ہے کہ حضرت جیؒ اس دور میں ایمان ویقین کے امام، دعوت الی اللہ کے سب سے بڑے قائد، حکمت تشریعی کے رمز آشنا اور علوم ومعارف نبوت کے وارث کامل تھے۔ مادیت کے اس دور میں جس کا خاصہ روحانی اقدار اور غیبی حقائق سے انکار ہے۔ آپ کا وجود روحانیت کی سب سے بڑی تنزیل تھا۔ روحانیت اور ایمانی حقائق آپ کے لیے ایک نظری وفکری وعقیدہ نہیں تھا بلکہ صدیقیت کا وہ مقام آپ کو عطا فرمایا گیا جہاں حقائق منکشف ہو جاتے ہیں، مغیبات پر یقین شہود کی کیفیت اختیار کر لیتا ہے اور معاملہ عین الیقین سے گذر کر حق الیقین تک پہنچ جاتا ہے جس کے بعد دلائل

کی ضرورت نہیں رہتی کہ ؎

آفتاب آمد دلیل آفتاب

بات یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ عز اسمہ و عم نوالہ کی حکمت بالغہ جن اشخاص کو صدیقیت کے مقام سے نوازنا چاہتی ہے ان کے قلوب پر اپنے بعض خاص اسماء کی خصوصی تجلی اس شان سے فرماتی ہے کہ ان کا قلب متجلی و مزکّی ہو کر غیر سے غافل اور ملاء اعلیٰ کے فیضان کے لینے کے قابل ہو جاتا ہے، اس وقت اسم ہادی کی وہ تجلی (جس کا سب سے بڑا مظہر اس عالم میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات عالیہ ہے) ان قلوب کی طرف متوجہ ہوتی ہے اور نظامِ تشریعی کے وہ حقائق و معارف جسے اللہ تبارک و تعالیٰ اس بندہ پر کھولنا چاہتے ہیں کھل جاتے ہیں۔ اس وقت نسبت الٰہیہ کا ایک خاص القاء ان قلوب پر ہوتا ہے اور اس عالی نسبت کی برکت سے انھیں اپنے نبی صلعم سے مناسبت تامہ نصیب ہو جاتی ہے، اب جو علوم و احوال نبی صلعم کی ذات لے کر آتی ہے، صدیق کا قلب بغیر کسی دلیل کے وجدانی طور پر اس کی اسی طرح تصدیق کرتا ہے جس طرح ایک انتہائی فاقہ زدہ شخص اپنی بھوک کو محسوس کرتا ہے اور اس وجدان و احساس کے خلاف کسی دلیل سے قائل نہیں ہو سکتا ہے، اس کے لئے شنید دید اور قال حال ہو جاتا ہے، نبوت کے ہر قول و فعل پر عمل اس کے لئے الٰہی روشنی ہوتا ہے اس کا ماننا اس کا فطری خاصہ، طبعی جذبہ اور قلبی داعیہ بن جاتا ہے اسے نبوت سے ایسی مناسبت بخشی جاتی ہے کہ نبوت کا باطنی فیضان اس کے قلب کو منور اور حقائق سے آشنا کر کے شریعت کو اس کی فطرت بنا دیتا ہے، اس کے لئے نبی صلعم کی ہر ادا حقیقت و نور، ہر قول و فعل دلیل و روشنی بن جاتا ہے، اس بنا پر اس کا دل یقین کا مستقر اور حقائق و معارف ایمانیہ کا مہبط بن جاتا ہے، ایمان کا یہی درجہ اس میں تفویض و توکل علی اللہ تفرید و تجرید، اخلاص و رضا، تسلیم و قربانی، صبر و شکر اور توحید کے جملہ مظاہر کا سبب بن جاتا ہے۔ حضرت جی قدس سرہٗ خود ایک جگہ اپنے خاص انداز میں ارقام فرماتے ہیں۔

> "مبدأ فیض تو خدا کی ذات ہے، اور رضا بطہائے فیوض حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے اور صفات ہیں لیکن کاغذ کے نقوش سے حقیقت تک پہنچ کر اس کو اپنے میں حاصل ہونے کے لئے محنت کر لینا اور اس حقیقت کا حامل بن جانا ہر ایک کے بس کی بات نہیں، اس لئے حق تعالیٰ شانہٗ اپنے فیوض کے فیضان کے لئے کچھ ہستیاں اس عالم میں وقتاً فوقتاً ایسے عام انسانوں کے سلوک و محنت کے لئے کھڑی

کر دیتے ہیں کہ وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات کی حامل ہوتی ہیں اور ذات باری تعالیٰ سے اکتساب فیوض اور ان کی رحمت و انعامات کے حصول کے لئے ان صفات کا اختیار کرنا سبب و ذریعہ بن جاتا ہے۔ ایسے ہی انسانوں میں دربار الٰہی و دربار رسالت سے انوارات و روحانیت کا فیضان ہو کر عالم مخلوق کی فیضیابی کا ذریعہ بنتا ہے ایسے ہی انسانوں کا وجود انبیاء کرام اور سلف صالحین کی یاد کو تازہ کرتا ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت عالیہ ایسے مبارک انسانوں کی ریاضات و مجاہدات کے ذریعہ وقتاً فوقتاً اس عالم میں اپنی برکات و انوارات کے ساتھ ظہور پذیر ہو کر بندگان خداوند قدوس جل و علیٰ مجدہٗ کے اللہ رب العزت کی طرف رجوع کا ذریعہ بن کر عمومی رحمت و انعامات کے دروازے کھلوانے کا ذریعہ اس عالی نسبت کی عظمت و وقعت و محبت کی طرف متوجہ کرتی ہے تاکہ اللہ رب العزت کے ساتھ تعلق رکھنے والے سعادت مند انسان اس عالی نسبت کے حصول کی طرف متوجہ ہو کر بے نہایت دارین کی ترقیات حاصل کریں۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ نسبت عالیہ وعظیمہ، روحانیہ و نورانیہ اپنے دونوں منظروں (انفرادی و اجتماعی) کے ساتھ اس عالم میں ظاہر ہوتی رہی، محنت کرنے والے مبارک انسانوں کے ذریعہ اس نسبت عالیہ کا ظہور بھی ہوتا رہا۔" (الجمعیۃ دہلی شیخ الاسلام نمبر بتقدیم و تاخیر)

اس درازنفسی کا مقصد یہ ہے کہ فقیر کے نزدیک حضرت جی قدس سرہٗ کا مقام صدیقیت ان کے باقی کمالات و جواہر کا منبع و منشا تھا، آپ کے یقین کی دولت آپ کی ایمانی قوت، آپ کا سوز دروں، آپ کی ربانیت و للّٰہیت آپ کی خشیت و محبت الٰہی، آپ کا زہد و ورع، آپ کا تقویٰ، آپ کی انابت الی اللہ والتجا و دعا کی کیفیت، یہ جملہ صفات اسی مقام صدیقیت کے مختلف مظاہر ہیں، حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت جامعہ و کاملہ اپنے مختلف الوان میں اشخاص متعلقہ کے ظرف و استعداد کے لحاظ سے ظاہر ہوتی ہے، حضرت جی قدس سرہٗ کی نسبت باطنی کے متعلق کلام تو کوئی دیدہ ور ہی کر سکتا ہے اس بے بصر کے نزدیک تو آخری دور میں نسبت یوسفی مختلف الوان نسبت کا ایک عجیب اور نہایت ہی جامع گلدستہ بن چکی تھی، جو جمال و جلال ربی کی تجلیات خاصہ کا بوقلموں مرقع تھا، جن کا پورا ادراک و بیان اس کوزنگاہ کا مقام نہیں لیکن ایک بات زبان قلم پر آئے بغیر نہیں رہتی، فقیر نے قلب یوسفیؒ پر نسبت شیخین رضی اللہ عنہما کا ترشح پایا ہے اپنے آخری سفر میں جب ٹل میں حضرت نے ازراہ عنایت مصافحہ فرمایا تو حضرت جی قدس سرہٗ کی قوت باطنی اور نسبت عالیہ

کا ادراک کچھ اس شدت سے محسوس ہوا کہ کئی دن تک یہ کیفیت رہی،

نگاہوں سے بھر دی رگ و پے میں بجلی　　　نظر کردہ برق تپاں ہو رہا ہوں

بہرحال یہ عرض کر رہا تھا کہ نسبت شیخین رضؓ سے مناسبت بھی اسی صدیقی نسبت کا نتیجہ تھی جس سے حضرت جیؒ کو نوازا گیا تھا۔

موجودہ دور جس کا سب سے بڑا مرض بے یقینی، ارتیاب و شک، مغیبات کا انکار، الٰہی حقائق اور نبوی معارف کا استخفاف ہے۔ ضرورت تھی کہ حکمت الٰہیہ اس دور کے "قائد دعوت" کو حقائق ایمانیہ کے اس غیر متزلزل یقین سے نوازتی جو نبوت کی خاص میراث اور صدیقین کا خاصہ ہے بلکہ صدیقیت اسی کا عنوان ہے۔

صدیقیت کا یہ مرتبہ بلند اللہ تبارک و تعالیٰ کی صفات عالیہ کے کمال عرفان کا نتیجہ ہوتا ہے۔ حضرت جیؒ پر صفات الٰہیہ جس تفصیل و وضوح سے کھلی تھیں اس کی مثال کم دیکھنے میں آئی ہے اور وہ یقیناً صوفیاء کاملین اور محقق عارفین ہی کا حصہ ہے، توحید افعالی آپ کا مقام بن چکی تھی۔ اور توحید کامل کا رسوخ دل کی گہرائیوں میں جڑ پکڑ چکا تھا، نتیجۃً ہر غیر سے برات اور خلت کا وہ مقام تھا جہاں کسی دوئی کا ادنیٰ شائبہ نہیں کیا جا سکتا اور یہ مقام سید الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مقام کا ظل ہے جس کا اظہار لسان رسالت نے ان الفاظ میں فرمایا تھا،

لو کنت متخذا خلیلا من الناس لاتخذت ابابکر	اگر میں اپنی امت میں کسی کو اپنا خلیل بناتا تو ابوبکر کو بناتا (لیکن اس لئے نہیں بنا سکتا کہ خلت کے تعلق میں اللہ کے سوا کسی کی گنجائش نہیں رہی۔)
(جامع ترمذی ابواب المناقب)	

حضرت جی نور اللہ مرقدہ کا وصال سے کچھ لمحات پیشتر یہ فرمانا کہ "میرے ساتھ کون ہے" اور ساتھیوں کے جواب میں یہ ارشاد کہ "میرے ساتھ کوئی نہیں میرے ساتھ میرا اللہ ہے" اسی مقام خلت کا عکس تھا، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعہ

توحید کے اس ارفع و اعلیٰ مقام کی بنا پر حضرت جیؒ دعوت بھی توحید افعالی کی ہی دیتے تھے، جن خوش نصیبوں کو حضرت جیؒ کے قریب رہنا نصیب ہوا اور جنھوں نے حضرت کی تقریریں اور مجلسی ارشادات سنے اور اللہ نے ان کا فہم بھی نصیب فرمایا ان کو بقدر اپنی استعداد کے اس کا ضرور اندازہ ہوا ہو گا کہ اس باب میں ان کا کیا مقام اور حال تھا۔ حق یہ ہے کہ ان کا وجود "لا الٰہ الا اللہ" کی مجسم تفسیر اور تصویر تھا۔

نسبت محمدی اور اتباع نبوی

توحید کامل، تعلق مع اللہ اور رضا و قرب حق کا واحد ذریعہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت وعظمت، محبت و اتباع (ظاہری و باطنی) ہے حضرت جی قدس سرہٗ جس طرح عظمت و محبت نبوی میں ڈوبے ہوئے تھے، اس کا اندازہ ان کے ہر قول و عمل سے ہوتا تھا، آپ کی معرفت و عظمت کا نتیجہ تھا کہ آپؐ کی ذات آپؐ والے اعمال اور آپؐ سے نسبت رکھنے والی ہر چیز انتہائی عزیز تھی، اور آپؐ کے طریقہ عالیہ ہی کو دارین کی فلاح و کامیابی کا واحد و یکتا ذریعہ اور آپؐ کے والے اعمال کو خداوندی خزائن سے استفادہ کی الٰہی چابیاں یقین کرتے تھے، اسی بنا پر چھوٹی سے چھوٹی سنت چھوٹ جانے کو خداوند قدوس کے خزائن رحمت سے محرومی کا باعث سمجھتے تھے آپ یہاں تک فرماتے تھے کہ محقق صوفیہ نے کہا ہے کہ سنت کے مطابق بیت الخلاء یعنی فراغت و استنجا میں جو انوارات ہیں، وہ بعد میں دین کی خدمت کے لئے پیدا ہونے والے بڑے بڑے شعبوں میں نہیں یہی مفہوم ملا علی قاری نے مرقاۃ میں حدیث نبوی "فتمسك بسنة خير من احداث بدعة" کی شرح میں ان الفاظ میں ادا کیا ہے۔" ای (سنة) صغيرة اوقليلة كاحياء ادب الخلاء مثلاً على ماورد فى السنة خير من احداث بدعة اى افضل من حسنة عظيمة كبناء رباط ومدرسة (حاشیۃ مشکوٰۃ ص۳۱)

حضورؐ کی سنتوں کے مٹنے کا غم آپ کے سینہ کا مستقل ناسور تھا، آپ کی جگر دوز اور پرسوز آہوں میں نہ معلوم کس قدر حصہ اعمال محمدیہ کے مٹ جانے کا تھا، آخری حج کے بعد ایک دعا انتہائی سوز و رقت کی کیفیت میں اکثر فرمایا کرتے تھے۔

اللّٰهم اخرج اليهود والنصارىٰ والمشركين من جزيرة الحبيب صلى الله عليه وسلم جزيرة العرب"

غرض حب نبوی اتباع نبوی حضرت جیؒ کا نفس ناطقہ بن چکا تھا، اسی طور پر حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی محبت، ان کا اتباع اور ان کی پاکیزہ زندگیوں کے حالات سے شغف حضرت جی کی زندگی کا حاصل تھا، اور اگر کہا جائے تو بالکل صحیح ہوگا کہ وہ اپنے انداز فکر و نظر، احساسات و جذبات، عواطف و میلانات میں صحابہ کا نمونہ تھے ع

صحابی گو نہیں لیکن نمونہ تھا صحابی کا

مخدومی المکرم حضرت علی میاں نے خوب لکھا ہے اور خوب لکھا ہے کہ:۔ قد خالط حب الصحابة لحمه ودمه واستولى على مشاعره وتفكيره وقد عاش فى اخبارهم واحاديثهم زمناً طويلاً۔ حیاۃ الصحابہ کا پیش لفظ (ص۶)

علومی امتیاز اور اس کا سرچشمہ

حضرت جیؒ کے علوم پر گفتگو کرنا مستقل وقت چاہتا ہے۔ صرف حیاۃ الصحابہ کی تین ضخیم مجلدات مصنف کے وسعت مطالعہ کتب حدیث و رجال پر نظر اور احوال صحابہ کے مختلف گوشوں پر گہری نگاہ کا بین ثبوت ہیں، گو عربی میں مستقل کتابیں اس فن میں لکھی گئی ہیں جن میں سے متداول، اُسد الغابہ، اصابہ، و استیعاب، وغیرہ ہیں، ابن کثیر نے البدایہ میں بھی وفیات الاعیان کے ذیل میں التزاماً صحابہ کے حالات قلمبند کئے ہیں لیکن حضرت جیؒ کی حیاۃ الصحابہ، محدثانہ ترتیب اور داعیانہ طرزِ فکر کے لحاظ سے صحابہ کی زندگی و کردار" سوانح و اخلاق کا نہایت مؤثر اور اچھوتا مجموعہ ہے۔

"امانی الاحبار" حضرت کی فقاہت و معرفت حدیث کی شاہد ہے لیکن ان علمی و تحریری دینی خدمات کے علاوہ جو کہ ایک مشغول ترین زندگی کی زندہ کرامت ہیں، فقیر کے نزدیک حضرت جیؒ کے وہبی علوم خاصہ حضرت جیؒ کے بیانات و ملفوظات ہی میں بکھرے ہوئے ہیں، جاننے والے جانتے ہیں کہ حضرت جی گھنٹوں مسلسل بیان کرتے رہتے تھے بندہ نے خود ایک دن میں حضرت کے پانچ بیان سنے ہیں جن میں ایک ساڑھے پانچ گھنٹے کا تھا، یہاں علوم اندر سے پھوٹ کر نکلتے تھے، صاف معلوم ہوتا تھا کہ آپ نہیں کہہ رہے ہیں کہلوایا جا رہا ہے، علوم الٰہیہ کا فیضان موسلا دھار بارش کی طرح حضرت کے قلب پر ہوتا رہتا تھا اور فقیر کا گمان غالب ہے کہ ذکر دائم کی طرح حضرت کا یہ حال بن چکا تھا کہ ہر وقت و ہر حال میں سوتے جاگتے، بیٹھتے اٹھتے علوم کا القا جاری رہتا تھا، ملاء اعلیٰ کی توجہات خاصہ کا مرکز آپ کی ذات بن چکی تھی اور معارف ربانیہ، دقائق احسانیہ اور سب سے بڑھ کر حقائق نظام تشریعی کا ورود و فیضان ہوتا رہتا تھا۔ حضرت حکیم الامت امام تھانوی قدس سرہٗ کا ملفوظ ہے کہ "بعض بزرگ جن کے علوم کی اشاعت ان سے کماحقہٗ نہیں ہو پاتی، اللہ تعالیٰ انہیں لسان عطا فرما دیتے ہیں، جیسے شمسؒ تبریز کی زبان مولانا رومؒ اور حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ کی زبان حضرت مولانا قاسم نانوتوی ہیں" (او کما قال) فقیر سمجھتا ہے کہ مامور من اللہ حضرت مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ کے علوم ان کی ذات سے کماحقہٗ اشاعت پذیر نہ ہو سکے، کام اجمال کی صورت میں ۔ ۔ ور حضرت اشاروں پر قناعت فرماتے رہے، حضرت جیؒ مولانا محمد یوسف قدس سرہٗ کی طرف جب حضرت مولانا الیاسؒ کی کامل نسبت منتقل ہوئی تو وہ علوم جو اجمالاً حضرت مولانا الیاسؒ کے سینہ میں تھے اُن کی

"زبان" حضرت جیؒ کو بنا دیا گیا۔ اور مفیض حقیقی نے آپ کی باطنی ترقیات کے ساتھ ان علوم کو خوب وضاحت و تفصیل سے آپ سے کہلوایا، یہاں تک کہ حضرت مولانا الیاسؒ کے زمانہ میں جو باتیں محض اشارات تھیں، وہ تفصیلی رنگ میں سامنے آگئیں اور الیاسیؒ علوم کا چشمہ بڑھ کر بحرِ ناپیدا کنار ہو گیا۔ یہاں یہ بات واضح کر دینی مناسب معلوم ہوتی ہے کہ اہل اللہ پر جن علوم و معارف کا فیضان ہوتا ہے وہ کتاب و سنت کی ہی تبیین و تشریح ہوتی ہے جسے ذاتِ الٰہی اہل زمانہ کی سہولت کے لئے ان کی زبان سے کھول کھول بیان کروا دیتی ہے۔

حضرت جیؒ اور بیعتِ طریقت

حضرت جی نور اللہ مرقدہٗ شیخ طریقت بھی تھے، بیعت چاروں سلسلوں میں اپنے والد ماجد قدس سرہٗ کے واسطے سے کرتے تھے، پہلے بیعت کی حقیقت و اہمیت اور اس کے آداب اور ذمہ داریاں تفصیل سے بیان فرماتے اس کے بعد سلسلۂ امدادیہ کے معروف طریقہ سے بیعت لیتے تھے اور بیعت میں خاص طور پر دین سیکھنے سکھانے اور دین کی دعوت کے لئے جان و مال کی قربانی دینے کا عہد بھی لیتے تھے، حضرت کی بیعت کا منظر عجب رقت انگیز اور پر اثر ہوتا تھا، ایک مرتبہ رائے ونڈ میں ایک کثیر مجمع نے بیعت کی، بیعت کرنے والوں کے ہاتھوں میں پگڑیاں، اور چادریں وغیرہ تھیں اور اتنا کثیر مجمع تھا کہ کئی حضرات مکبر کی طرح پکار پکار کر الفاظ بیعت کو بیعت کرنے والوں تک پہنچا رہے تھے، عجیب دلکش منظر تھا، میرے ایک عزیز کہنے لگے کہ آج تو حضرت جیؒ نے امام شہید (سید احمد صاحب رائے بریلویؒ) کی یاد تازہ کر دی۔

یہ تو بیعت سلوک کے عام طرز کا تذکرہ تھا، لیکن ایک بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ تبلیغی طریقۂ دعوت، خود ایک مستقل 'سلوک' کی صورت اختیار کرتا جا رہا ہے جس میں سلوکِ صحابہ اور قرب بالفرائض کے طرز کو خاص اہمیت حاصل ہے۔

حضرت جیؒ کا اصل امتیاز اور کارنامہ

خیر یہ تو حضرت جیؒ کے بعض کمالات کا سرسری تذکرہ تھا، حقیقتاً آپ فضائل و کمالات کا مجموعہ تھے، حافظ، قاری، مدرس، محدث، فقیہ، صوفی، مصنف، مبلغ سب ہی کچھ تھے، لیکن سب سے زیادہ جس عمل پر آپ نے جان کھپائی اور جو عمل آپ کی زندگی کا مقصد بنا وہ اللہ کی طرف دعوت تھی، گویا اللہ تعالیٰ نے یہ تمام

علمی و عملی صلاحیتیں انھیں اسی لئے ودیعت کی تھیں، کہ دعوت علی منہاج النبوۃ کا جو طریقہ مندرس ہو چکا تھا، اسے اپنی وہبی صلاحیتوں سے پوری طرح سمجھیں، سنبھالیں، زندہ کریں اور آگے بڑھائیں حضرت مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ پر دعوت کا یہ طریقہ جسے وہ "قرن اوّل کا ہیرا" کہا کرتے تھے، موجودہ دور میں اولاً کھلا اور انھوں نے اپنے مجاہدات، مقبولیت عند اللہ اور توفیق ربانی سے اسے دنیا کے سامنے پیش کیا فَبَلَّغَ اَحْسَنَ الْبَلَاغ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ ہمارے حضرت سید الملۃ[1] قدس سرہٗ فرمایا کرتے تھے، کہ مولانا الیاسؒ تو مامور من اللہ تھے، ایک مرتبہ اُن کے فضائل و کمالات کا تذکرہ فرما کر عجیب وجد آفریں انداز میں دو تین مرتبہ فرمایا "سَلَامٌ عَلٰی اِلْیَاسِیْن" حضرت مولانا الیاسؒ کی یہ دعوت موجودہ دور کی تمام دعوتوں اور دینی تحریکوں میں منہاج نبوت سے زیادہ قریب و اشبہ ہے، حضرت مولانا الیاسؒ کی زندگی اور دعوت پر حضرت مولانا ابو الحسن علی نے اپنی کتاب "حضرت مولانا الیاس اور ان کی دینی دعوت" میں جو لکھا ہے، بلکہ یوں کہئے کہ ان سے جو لکھا یا گیا ہے۔ دعوت کے طریق کو سمجھنے کے لئے اس کا اور اس کے مقدمہ کا سمجھنا بنیاد کا درجہ رکھتا ہے، حضرت سید الملۃؒ کا مولانا مرحوم کے متعلق مضمون بھی خاص چیز ہے۔

بہرحال حضرت جیؒ نے اپنے والد ماجد قدس سرہٗ جانشین کی حیثیت سے اس کام کو سنبھالا اور اس پر اپنی جملہ صلاحیتوں اور استعدادوں کو اس طرح کھپایا گویا یہ دعوت ہی ان کی زندگی کا مقصد تھی، وہ اسی کے لئے پیدا ہوئے تھے، کسی مقصد میں اپنے آپ کو فنا کر دینے کی ایسی مثالیں تاریخ میں بھی شاذ و نادر ہی ملتی ہیں، شب و روز میں شاید بمشکل چار پانچ گھنٹے آرام کے ملتے ہوں، دیکھنے والوں کو رحم آجاتا تھا، لیکن اللہ کا یہ مقبول اور فنا فی الدعوۃ بندہ دینی تقاضوں پر مجاہدات کی چکی میں مسلسل اپنے کو پیستا رہتا تھا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کو اسی محنت و دعوت کے لئے پیدا کیا تھا، حضرت امام ربانی مجدد سرہندی کا یہ قول ان پر بھی اس کام کے بارے میں صادق آتا تھا کہ:-

> اے فرزند باوجود ایں معاملہ کہ بخلقت من مربوط بودہ است، کارخانہ دیگر عظیم من حوالہ فرمودہ اند برائے پیری و مریدی مرا نیاوردہ اند، مقصود از خلقت من تکمیل و ارشاد خلق نیست معاملہ دیگر است،

---

[1] حضرت مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ

وکارخانہ دیگر، دریں ضمن ہر کہ مناسبت دارد فیض خواہد گرفت والا لا، معاملہ تکمیل وارشاد نسبت بآں کارخانہ امرے است ہمچوں مطروح فی الطریق، دعوت انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات نسبت بمعاملات باطنیہ ایشاں ہمیں حکم دارد، ہرچند منصب نبوت ختم یافتہ است اما از کمالات نبوت وخصائص آں بطریق تبعیت ووراثت کمّل تابعان انبیاء را نصیب است۔"

(مکتوب ۱۰۶ دفتر دوم حصہ ششم ص۲۲)

حضرت جی کے اخلاص عمل، مسلسل مجاہدات، طریق دعوت کی درستگی اور دعاؤں کا یہ اثر تھا کہ وہ کام جو حضرت مولانا الیاسؒ کے وصال کے وقت ہند و پاک کے صرف چند خاص خاص مقامات تک محدود تھا وہ بڑھا، پھیلا اور دیکھتے دیکھتے یورپ، امریکہ، جاپان و افریقہ، اقصائے مشرق سے اقصائے مغرب تک پہنچ گیا جماعتوں اور دینی قافلوں کی ہند و پاک اور بیرونی ممالک میں نقل و حرکت سے لاکھوں فیضیاب ہوئے، ہزاروں نے راہ پائی، سیکڑوں متقی کامل بنے، سوتے جاگتے، بے طلبوں میں طلب پیدا ہوئی، بے دینوں میں احساس دین آیا، سونی مسجدیں آباد ہوئیں، اللہ کے دین کی آواز گلی گلی، کوچہ کوچہ، قریہ قریہ، ملک ملک گونجی، اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ کتنوں نے اس دعوت و محنت سے فیض پایا اور کتنے بھٹکے ہوئے انسان راہ پر آئے۔ کتنی مردہ سنتیں زندہ ہوئیں، کتنے فرائض میں جان پڑی، کتنی نئی مساجد تعمیر ہوئیں، کتنے غافل و بے بہرہ دینی علوم کے طالب بنے، کتنے ذاکر و شاغل بنے، کتنوں میں دین کا درد و فکر پیدا ہوا کتنے لذت و حقیقت دعا سے آشنا ہوئے۔ اس کام کے ثمرات عاجلہ کا بھی یہی بات ہے کہ احاطہ نہیں کیا جا سکتا، آخرت ہی میں معلوم ہوگا کہ اس کام کے چالو ہو جانے سے عالم میں کتنی خیر کی صورتیں پھیلیں۔

دعوتِ تبلیغ کی فکری اساس (یا بنیادی ایمان و یقین)

دینی دعوت کے اس طرز کے متعلق جو نہیں جانتے اور جاننا نہیں چاہتے انھیں تو جانے دیجئے خود بہت تعلق رکھنے والے اور اس کی افادیت کے قائل حضرات بھی اس کی اصل حقیقت کو بہت کم جانتے ہیں۔

حضرت جیؒ کے سامنے یہ دعوت اپنی پوری ترتیب کے ساتھ منکشف تھی اور اس کا نقشہ بالکل مرتب تھا، اور یہ ترتیب و نقشہ ان کا کوئی ذہنی اختراع یا کسی انسانی دماغ کی کاوش کا نتیجہ نہیں تھا، بلکہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے

اٹل قوانینِ تشریعی اور نظامِ ہدایت کی معرفت و یافت سے حاصل ہوا تھا، اس وجہ سے یہ نظام حضرت جیؒ کے عقیدہ کا لاینفک جزو بن چکا تھا، اس اجمال کی تفصیل کے سمجھنے کے لئے چند باتوں کا سمجھ لینا ضروری ہے۔

(۱) اللہ تبارک و تعالیٰ کی حکمت نے جیسے اس کائنات کے نظام کو قائم فرمایا ہے اور گو اس کی قدرت اسباب کی قطعاً پابند نہیں تاہم اس کی حکمت نے اس کی قدرت کو عادی طور پر اسباب و علل سے اس عالم میں ظاہر فرمایا ہے۔ اسی طرح اللہ تبارک و تعالیٰ نے نظامِ تشریعی میں بھی اسباب و علل رکھے ہیں، نظامِ تشریعی مقصود ہے نظامِ تکوینی نظامِ تشریعی کے بعض مقاصد کی تکمیل کے لئے پیدا فرمایا گیا، گویا نظامِ تشریعی اصل و مقصد ہے اور نظامِ تکوینی اس کا ذریعہ، اس وجہ سے نظامِ تشریعی کے قوانین میں انفکاک و تغیر و تبدل نہیں ہوتا لیکن نظامِ تکوینی کے عادی علل و اسباب کو نظامِ تشریعی کی حکمتوں و مصالح کی بنا پر جب اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ چاہتی ہے توڑ دیتی ہے اور ان علل و اسبابِ تکوینیہ کے ارادۂ الٰہیہ سے توڑ دینے کا نام معجزہ، خرقِ عادات یا کرامت ہے۔ حضرت سید الملۃ قدس سرہٗ نے سیرۃ النبی (ج ۴ ص ۲۷۹ ومابعد) میں اس پر قابلِ دید بحث فرمائی ہے۔ ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرماتے ہیں:

"یہ مادی عالم جس طرح مادی نظام اور قانون کا پابند ہے، خدائے پاک نے عالمِ روحانی میں بھی اسی قسم کا ایک اور نظام قانون اور علل و اسباب کا سلسلہ قائم رکھا ہے، جس یقین کے ساتھ آپ یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ زہر انسان کے لئے قاتل ہے، اسی یقین کے ساتھ طبِ روحانی کا واقف کار کہتا ہے کہ گناہ انسان کی روح کو قتل کر دیتا ہے، پیغمبر فیضانِ نبوت کے قبول کے لئے اپنی روح میں کسی طرح استعداد پیدا کرتا ہے۔ دنیا میں کب مبعوث ہوتا ہے معجزات کا ظہور اس سے کن اوقات میں ہوتا ہے اور وہ اپنے دعویٰ کو کس طرح پیش کرتا ہے انکار و مزاحمت پر وہ کیونکر مہاجرۃ الی اللہ کرتا ہے اور پھر کیونکر دعوت کے منکر ناکام و خاسر اور اہلِ ایمان فلاح یاب و کامیاب ہوتے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک چیز مرتب اور منظم قواعد کے مطابق بہ ترتیب ظہور میں آتی ہے۔ قرآن مجید میں تیرہ مقام پر سنۃ اللہ کا لفظ آیا ہے، لیکن ان میں زیادہ تر اسی روحانی نظام و ترتیب کی طرف اشارہ ہے۔

فلسفۂ تاریخ جس طرح سیاسی واقعات کی تکرار اور حوادث کے بار بار کے اعادہ سے اصول اور نتائج تک پہنچ کر ایک عام تاریخی قانون بنالیتا ہے۔ بعینہ اسی طرح انبیاء علیہم السّلام کے سوانح اور تاریخیں بھی اپنے واقعات کے بار بار کے اعادہ سے خصائص نبوت کا اصول و قانون ہمارے لئے مرتب کرتی ہیں۔ (سیرت النبی جلد پنجم ص ۲۸۹)

دوسری جگہ حضرت سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ ارقام فرماتے ہیں۔

"قرآن مجید میں "سنّت الٰہی" کا ایک خاص مفہوم ہے اور اس اصطلاح خاص میں یہ لفظ کئی جگہ قرآن مجید میں استعمال ہوا ہے، خیر و شر، حق و باطل، نور و ظلمت اور ظلم و انصاف جب باہم ٹکراتے ہیں تو بالآخر اللہ تعالیٰ خیر کو شر پر، حق کو باطل پر، نور کو ظلمت پر اور انصاف کو ظلم پر فتح اور کامیابی عطا کرتا ہے، گنہگار اور مجرم قومیں جب حق کی دعوت قبول نہیں کرتیں اور پند و موعظت ان کے لیے موثر نہیں ہوتی تو اللہ تعالیٰ ان قوموں پر اپنا عذاب نازل کرتا ہے اور وہ بالآخر بجلی کی کڑک، آسمان کی گرج، زلزلہ کی تھرتھراہٹ، آندھی کی گھڑگھڑاہٹ، دنیا کے طوفان، پہاڑ کی آتش فشانی یا دشمن کی تلوار سے ہلاک اور برباد ہو جاتی ہیں، یہ سنّت الٰہی ہے جو ہمیشہ سے قائم ہے اور ہمیشہ قائم رہے گی اور اس میں کبھی کوئی فرق پیدا نہ ہوگا۔ قرآن مجید میں جہاں جہاں یہ لفظ آیا ہے، اسی مفہوم میں آیا ہے۔ (اس کے بعد سید صاحبؒ نے وہ تمام آیتیں لکھ دی ہیں تاکہ کسی کو شک و شبہہ کی گنجائش نہ رہے، ہم نمونۃً صرف ایک آیت نقل کرتے ہیں) حدیبیہ کے موقع پر کفار قریش کو تنبیہ اور مسلمانوں کو تسکین دی جاتی ہے۔

وَلَوْ قَاتَلَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوَلَّوُا الْأَدْبَارَ ثُمَّ لَا يَجِدُونَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيرًا، سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا ۝ (فتح ۳)	اور اگر یہ کافر تم سے لڑتے، تو پیٹھ پھیر دیتے پھر وہ کوئی حامی نہ پاتے، اور نہ مددگار، اللہ کا دستور یہ پہلے سے چلا آتا ہے اور تم اللہ کے دستور کو بدلتے نہ پاؤ گے، (تفصیل کے لئے دیکھئے سیرت النبی ص ۲۷۹، ۲۸۱ ج ۳)

اس تشریح سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے نظام ہدایت میں اس کا ایک اٹل قانون اور سنۃ اللہ جاری ہے کہ نبی آتا ہے، اپنی قوم کو دعوت دیتا ہے، جو خوش نصیب اس کی دعوت پر لبیک کہتے ہیں وہ دارین کی فوز و فلاح اور کامیابی پاتے ہیں اور جو اس بات کو نہیں مانتے اور نبیؐ کی امکانی کوششوں کے باوجود ایمان نہیں لاتے، بلکہ اس کے دشمن بن کر سامنے کھڑے ہو جاتے ہیں وہ آخر ش اللہ تعالیٰ کی قدرت خاصہ سے ہلاک ہو جاتے ہیں۔ یہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ایسا قانون ہے جس میں تغیر کا کوئی امکان نہیں، ہر زمانہ میں یوں ہی ہوا اور ہمیشہ یوں ہی ہوگا۔

(۲) اللہ تعالیٰ کا یہ غیر متبدل دستور اور اٹل قانون انبیاء علیہم السلام اور ان کے ماننے والوں (مومنین) کے لئے عام ہے کہ ان کی کامیابی اور نجات ہوگی اور ان سے ٹکرانے والے ہلاک ہوں گے۔ ارشاد ربانی ہے۔

فَهَلْ يَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا مِثْلَ اَيَّامِ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ قُلْ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ۝ ثُمَّ نُنَجِّيْ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كَذٰلِكَ حَقًّا عَلَيْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (یونس۔۱۰)	کیا یہ کافر گذشتہ قوموں کی طرح واقعہ ہلاکت کا انتظار کرتے ہیں، کہدے کہ انتظار کرو، میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں، پھر ہم اپنے رسولوں کو نجات دیتے ہیں، اور ایسے ہی ایمان لانے والوں کو۔ ہم پر فرض ہے ہم نجات دیں گے ایمان والوں کو۔

خدا تعالیٰ کا قطعی وعدہ ہے کہ وہ مومنین کی مدد فرمائے گا۔

وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (روم)	اور ایمان والوں کی مدد ہم پر فرض ہے۔

اسی قاعدہ کے تحت سورۂ المومن میں ارشاد ہے۔

اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ۝ (المومن ع۶)	یقیناً ہم ضرور بالضرور مدد فرمائیں گے اپنے رسولوں کی اور ان لوگوں کی جو ایمان لائے دنیا میں بھی اور قیامت کے دن بھی۔

(۳) اللہ تعالیٰ کی یہ سنت جس طرح امم ماضیہ میں جاری اور ساری تھی۔ اسی طرح اب جبکہ محمدؐ

خاتم النبیین بن کے تشریف لے آئے اور آپ کی امت تمام امتوں کی جانشین بن کر اس عالم میں آئی ارشاد رسالت ہے۔

نحن اٰخر الامم (کنز ص۲۳۴ بحوالہ ابن ماجہ) ہم آخری امت ہیں

تو جیسے پہلی امتوں میں اللہ تعالیٰ کا یہ چلن اور سنۃ اللہ جاری تھی اس امت میں بھی تا قیامت جاری رہے گی۔ کیونکہ ختم نبوت نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے زمانہ کو قیامت تک مستمر کر دیا ہے۔ اب اس زمانہ میں (یعنی بعثت محمدیہ سے لے کر تا قیام ساعت) اللہ کی وہ تمام نصرتیں اور مددیں جو طریقۂ محمدیہ اور دین حق اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مختص ہیں، باقی اور قائم اور دائم ہیں۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پردہ فرمالیا لیکن آپ کے فیوض و برکات باقی اور اللہ تعالیٰ کی مدد اور نصرت لینے کے طریقے او قدرت خاصہ سے استفادہ کی صورتیں امت میں آپ کے احکام اور سنن کی شکل میں موجود ہیں۔ امت اپنی ذات میں مستقل حیثیت نہیں رکھتی۔ یہ اپنے نبی کی نائب اور خلیفہ ہے اور اس عالم میں اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جوارح کی حیثیت سے کام کرنا ہے، اب اس میں جتنے جواہر نیابت و خلافت موجود ہوں گے اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مقصد دعوت اور طریقوں میں جس قدر یہ ان کی شریک ہو گی اسی قدر اللہ تعالیٰ کی خصوصی مددوں سے نوازی جائے گی اور اس کے اعمال پر قوموں کے لئے خیر و شر کا فیصلہ ہو گا۔

(۴) امت محمدیہ مرحومہ یوں تو امم سابقہ کی طرح جملہ احکام و اعمال میں اپنے نبی کے طریقے پر ہو گی لیکن اس کا خصوصی امتیاز اس کی داعیانہ حیثیت ہے جس کی وجہ سے اسے دوسری امتوں پر فوقیت اور فضیلت بخشی گئی اور حقیقۃً یہ دعوت ہی اصلاً انبیاء علیہم السلام کے زمانے میں خدا کی خصوصی مددوں کو متوجہ فرماتی تھی، اسی وجہ سے انبیاء کی دعوت کے ماننے والے کامیاب اور نہ ماننے والے ناکام اور خاسر و خائب ہوتے تھے۔ اسی بنا پر اس امت کی نصر کو دین کی نصرت کے ساتھ مشروط کر دیا۔ اور دین کی نصرت کرنے والوں کو اپنی مدد کا پختہ یقین دلایا ارشاد ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ (محمد-۱) اے ایمان والو اگر تم مدد کرو گے اللہ کی تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور جمادے گا تمہارے قدم۔

وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ اِنَّ اللّٰهَ اللہ تعالیٰ ضرور بالضرور مدد کرے گا۔ اس کی جو اس کے

لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ۔ (الحج - ۶) (دین) کی مدد کرے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ زبردست ہے زور والا ہے۔

اس بنا پر جب امت اپنے فریضۂ دعوت الی الحق والخیر، امر بالمعروف ونہی عن المنکر میں غفلت برتے گی تو اللہ تعالیٰ کی مدد سے محروم ہو جائے گی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ سے (مدد کی) جو دعائیں مانگے گی وہ بھی قبول نہیں ہوں گی جیسا کہ احادیث میں آتا ہے (دیکھو کنز الاعمال ج۲ ص۴۲۶ ومشکوٰۃ باب الامر بالمعروف۔)

امت کی اس خاص داعیانہ حیثیت اور نیابت نبوت کے پیش نظر اللہ تعالیٰ کی نصرتوں کے آنے اور دارین میں عافیت وفوز وفلاح کے پانے کا طریقہ اپنے اس فریضہ (دینی دعوت) کو مقصد قرار دے کر اس کی راہ میں اپنی جانوں کا کھپانا اور مال کا انفاق ہے، باقی اعمال ذاتی اور اخروی نجات تو دلا دیں گے، لیکن اللہ تعالیٰ کی وہ نصرتیں جو عالم کو ہدایت کی طرف پلٹا دیں اور دشمنانِ ہدایت کو تباہی کے گھاٹ اتار دیں وہ دین کی دعوت کی محنت پر منحصر ہیں۔

(۵) پھر یہ بھی ضروری ہے کہ یہ دعوت بالکل منہاج نبوت کے مطابق ہو، کتاب اللہ صحیفۂ نظام ہدایت اور راہنمائے طریقۂ دعوت بھی ہے، یعنی قرآن پاک صرف دعوت ہی نہیں بلکہ طریق دعوت بھی سکھاتا ہے اسی طرح اسوۂ نبی صرف شخصی اور انفرادی اعمال کے لئے ہی نمونہ نہیں ہے بلکہ آپ کا طرز دعوت وتربیت بھی تا قیام الساعۃ ہدایت رسانی خلق کا افضل واکمل اور مؤثر ترین طریقہ ہے۔

(۶) امت جب منہاج نبوت کے مطابق دعوت کو مقصد بنا کر احیاء دین اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے محنت وکوشش اور جہد ومشقت اور ایثار وقربانی کو پیش کرے گی تو اللہ تعالیٰ اپنی قدرت خاصہ سے سعید روحوں کو ہدایت کی طرف پلٹا دیں گے اور دعوت کے مقابل میں آنے والی طاقتوں کو خود پاش پاش کر دیں گے کہ سنۃ اللہ اسی طرح ہی جاری ہے لیکن خداوند قدوس کی یہ نصرت محنتوں کی ایک خاص سطح پر آتی ہے۔

(۷) امت مسلمہ پورے عالم کی طرف مبعوث ہے۔ یہ قعود وعزلت کی زندگی نہیں بسر کر سکتی،

اس کی رہبانیت اور درویشی دین کی محنت ہے۔ اس لئے امت کے مختلف احوال وظروف میں ہجرت ونصرت اور نفر وجہاد کے احکام دیئے گئے۔

ان اساسی حقائق کو پیش نظر رکھتے ہوئے جب ہم حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ تعالیٰ اور ان کے خلف الصدق اور خلیفۂ ارشد حضرت جی نور اللہ مرقدہٗ کی دعوت پر غور کریں گے تو کسی درجہ میں یہ بات سمجھ سکیں گے کہ یہ خاصانِ خدا اس کام کو اس قدر اہمیت کیوں دیتے تھے، وہ یقین کے ساتھ سمجھتے تھے بلکہ گویا آنکھوں سے دیکھتے تھے کہ یہ غیر متبدل سنۃ اللہ اور اللہ تعالیٰ کا اٹل دستور اور فیصلہ ہے کہ اس امت کے لئے بلکہ سارے عالم انسانی کے لئے خیر وشر کے فیصلہ کا انحصار اب امت محمدیہ کے عمل دعوت اور اس راہ کی محنت وقربانی پر ہے۔ اگر اس نے دعوت کے کام کو اور اس کی راہ میں ٹھوکریں کھانے کو نہیں اپنایا تو وہ خود بھی اللہ تعالیٰ کی رحمتوں اور مددوں سے محروم ہوگی اور سارے انسانی عالم کی بھی ہدایت ورحمت سے محرومی کا باعث بنے گی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں اور سینوں کو اس یقین سے بھر دیا تھا کہ اللہ تعالیٰ سے امت کے لئے اور عالم کے لئے خیر اور ہدایت کے فیصلے کرانے کا راستہ یہی ہے کہ امت میں منہاجِ نبوی پر دعوت اور قربانی زندہ ہو اس کے سوا سب دروازے بند ہیں۔

حضرت جی قدس سرہٗ پر اللہ تعالیٰ نے ان تمام حقیقتوں اور سنۃ اللہ کے ان جملہ پہلوؤں اور نظام ہدایت کے دقیق دعوں کو پوری طرح منکشف کر دیا تھا۔ اس وجہ سے وہ سمجھتے تھے کہ امتِ محمدیہ، اگر آج حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم والے مقصد کو اپنا کر اور اپنے کو صفات نبویہ سے مزین کرتے ہوئے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے میدانِ دعوت میں (جو کہ پورا عالم اور ساری نسل انسانی ہے) حضور اکرمؐ والے طریقوں اور صحابہ والی قربانیوں کے ساتھ اتر آئے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ، رحمت واسعہ اور ان کے تشریعی اٹل قوانین کی بنا پر اللہ تعالیٰ ہدایت کا فیضان فرماویں گے۔ ہدایت صرف اللہ تعالیٰ کے اختیار اور قبضہ میں ہے اور ہدایت لینے کا ضابطہ اعمالِ محمدیہ کو اپناتے ہوئے منہاج نبویہ کے مطابق دعوت کے میدانوں میں ابراہیمی اور محمدی قربانیوں کو پیش کرنا ہے۔ امت محمدیہ کا جب ایک معتد بہ طبقہ صحیح رخ سے دین کے لئے قربانی پیش کرے گا اور وہ قربانی عند اللہ مقبول ہو جائے گی تو اللہ

تبارک و تعالیٰ عالم کے لئے ہدایت کا فیصلہ فرمادیں گے، ہدایت کے لئے ایمان و اعمال صالحہ اور دعوت اور قربانی اور دعائیں شرط ہیں، ملک و مال شرط نہیں، اس لئے جس وقت امت صحیح رُخ سے ہدایت کی محنت کرنے والی بن جائے گی اور اس کی قربانیاں اور دعائیں اللہ تعالیٰ سے مدد کا فیصلہ کروالیں گی اس وقت باطل کی قوتیں اللہ کی غیبی طاقت سے پارہ پارہ کردی جائیں گی۔ یہ محنت جس قدر نسبتِ محمدیہ کو اپنے اندر لئے ہوئے ہوگی اسی قدر اس کے اثرات عالمگیر ہوں گے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت عالمی ہے، آپ والے اعمال کا اثر پورے عالم پر پڑتا ہے۔ آپ والے اعمال اگر اپنی حقیقت کے ساتھ ایک طبقہ میں بھی زندہ ہوجائیں اور وہ طبقہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم والی محنت کو اخلاص اور جملہ اصولوں کے ساتھ اپنالے تو ان کی دعوت و دعا پر اللہ تعالیٰ کی قدرت خاصہ پورے عالم کے باطل نظاموں کو توڑ دے گی جیسے امم ماضیہ میں فرعون و نمرود و شداد، و قوم عاد و قوم ثمود، اصحاب الایکہ اور دوسری متمرد اور باغی اقوام کو اپنی قدرت کاملہ سے ختم فرمایا تھا، بات یقین کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت پر یقین ہو اور اس کے قوانین تشریعی پر ایمان ہو، تو یہ بات بعید نہیں دکھائی دے گی۔

بہرحال حضرت جی رحمہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اللہ تعالیٰ کے نظام ہدایت کے اٹل قوانین اور غیر متبدل سنۃ اللہ کی بنا پر دعوت و ہدایت کا ایک خاص خاکہ و نقشہ تھا، جس پر ان کا ویسا ہی ایمان و یقین تھا جیسا کسی بدیہی سے بدیہی چیز پر ہوسکتا ہے۔ اس خاکہ و نقشہ کا ہر خط و خال انبیاء علیہم السلام کے قصص، قرآن حکیم کی ہدایات، سنن نبویہ اور صحابہؓ کے احوال سے مرتب کیا گیا تھا۔ ان کے سامنے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کی پوری زندگی تھی اور وہ ہر قدم خدا کی توفیق سے اسے دیکھ دیکھ کر اٹھاتے تھے، یہ دعوت محض چند اعمال کی دعوت نہ تھی بلکہ پورے دین کے احیاء کی پورے عالم میں کوشش تھی، بعض ناواقف جو صورتحال سے واقف نہیں اسے سطحی دعوت سمجھتے ہیں حالانکہ یہ ان کی کم نگہی اور سطحیت کی دلیل ہے، کاش وہ حضرات جنھیں اللہ تعالیٰ نے علمی و عملی صلاحیتوں سے نوازا ہے اس کام کو سمجھتے اور اپنا لیتے، چند اعمال کے احیا کا سوال نہیں، بلکہ ایک نئی قوم پیدا کرنی ہے، جو اپنے مقصد، عقائد و ایمان احوال و اعمال، عبادات و للہیت، افکار و احساسات، اخلاق و معاشرت میں صحابہ کا نمونہ ہو، اللہ تعالیٰ

کی رحمت و قدرت سے امید ہے کہ جس طرح اس نے انتہائی بے سروسامانی کی حالت میں اسے اٹھایا، بڑھایا، چمکایا، اور اس سطح پر پہنچا دیا، آئندہ بھی اس کے فروغ کی صورتیں پیدا فرمائے گا دما ذالك على الله بعزیز ممکن ہے حضرت جی رحمہ اللہ تعالیٰ کا وصال سے پیشتر بار باران کلمات کو پڑھنا "اَلحَمدُ لِلّٰہِ وَحدَہٗ صَدَقَ وَعدَہٗ وَنَصَرَ عَبدَہٗ وَھَزَمَ الاَحزَابَ وَحدَہٗ" اسی طرف اشارہ ہو۔ (واللہ اعلم وعلمہ اتم)

حضرت جیؒ کی شخصیت سازی

کسی کامل شخصیت کا صرف یہی کمال نہیں ہوتا کہ وہ خود کامل ہے بلکہ شخصیت کے کمال کا ایک بڑا ثبوت شخصیت سازی ہیں اس کا کمال اور اس کی تاثیر ہوتی ہے۔ حضرت مولانا یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ کی تاثیر قلبی، فیض صحبت اور باطنی اثر نے ہزاروں اشخاص کو تقویٰ اور دینی زندگی کا قابل رشک مقام عطا کر دیا، آج ہمیں سیکڑوں اشخاص معلوم ہیں جن کی زندگی کی کایا یکسر پلٹ گئی، کل جو ناز و نعمت اور تعیش کی گودوں میں پلے تھے آج ان کے زہد و قربانی کو دیکھ کر مصعب بن عمیر کی قربانی کی یاد تازہ ہوتی ہے نہ صرف یہ کہ زندگی کے ظاہری و باطنی خاکے پلٹے بلکہ حضرت جی کی یہ بڑی کرامت ہے کہ کئی ایسے اشخاص جن کا دین سے خاص تعلق نہ تھا حضرت جی کے کام کو ایسا اپنا چکے ہیں اور حضرت کے علوم و معارف ان کی زبانوں سے اس طرح جاری ہیں، گویا حضرت جیؒ ہی بول رہے ہیں، گویا ؎

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی
تاکس نہ گوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

یہ اللہ تعالیٰ کی خاص موہبت اور انعام تھا جو اس دور کے یوسفؒ کو عطا ہوا، یہ بے بصر یوسفِ زمانہ کے کون کون سے جمال و کمال کو بیان کرے ؏

داماں نگہ تنگ و گلِ حسنِ تو بسیار

وہ مجموعہ کمال تھے، دین کا ایسا ہمدرد و غمخوار قرنوں میں پیدا ہوتا ہے۔ دعوت حق کا ایسا شیدائی اور اس کی راہ میں مر مٹنے والا صدیوں میں وجود میں آتا ہے ؎

سالہا در کعبہ و بت خانہ می نالد حیات
تا ز بزم عشق یک دانائے راز آید بروں

مہد سے لحد تک

از مولانا سید محمد ثانی حسنی، ایڈیٹر ماہنامہ "رضوان" لکھنؤ

ولادت

حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلہ میں سہ شنبہ ۲۵ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۵ھ مطابق ۲۰ مارچ ۱۹۱۷ء کو پیدا ہوئے۔ والد ماجد حضرت مولانا محمد الیاسؒ اس وقت مدرسہ مظاہر علوم (سہارنپور) میں مدرس تھے۔

۲ جمادی الثانی دوشنبہ کے دن عقیقہ ہوا اور نام محمد یوسف رکھا گیا۔

ماحول اور بچپن

مولانا محمد یوسف صاحبؒ نے جس ماحول میں آنکھیں کھولیں اور پرورش پائی اس میں مرد تو مرد عورتیں تک دین داری اور تقویٰ میں ممتاز تھیں، خاندان میں قرآن مجید کا حفظ کرنا معمول سا بن گیا تھا، بچے، بوڑھے، مرد و عورت عام طور پر حافظ ہوتے تھے، گھر کی بیویاں تلاوت، ذکر و تسبیح اور نوافل وغیرہ کا بڑا اہتمام کرتیں، ہر طرف علم و تقویٰ کا چرچا تھا، خاندان اور خاندان کے باہر کئی بزرگ ہستیاں موجود تھیں جن کی دعائیں اور شفقتیں مولانا محمد یوسفؒ کے ساتھ تھیں۔

اسی کا نتیجہ تھا کہ سات سال کی عمر میں قرآن شریف حفظ کر لیا، اس وقت بستی نظام الدین اولیاءؒ میں اپنے والد ماجد حضرت مولانا محمد الیاسؒ کی خدمت میں تھے۔

والدین کی تربیت

مولانا محمد یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ ماجدہ ایک معزز اور صالح بزرگ مولانا رؤف الحسن صاحب کی بیٹی تھیں اور والد ماجد خود ایک بڑے بزرگ اور شیخ طریقت نرم و گرم پر نظر رکھنے والے تھے، اس لئے ان دونوں نے اپنے ہونے والے نامور فرزند کی خوب اچھی طرح تربیت کی اور چھوٹی چھوٹی باتوں تک کا خیال رکھا

مولانا محمد یوسف صاحبؒ نے ایک مجلس میں خود فرمایا۔ "ہماری اماں جی نے ہماری تربیت اس طرح کی کہ کوئی مہمان بیوی مٹھائی یا کیلے وغیرہ تحفہ میں لائیں اور میں ان کی طرف دیکھ لیتا تو مہمان کے جانے کے بعد اماں جی میری پٹائی کر دیتیں کہ تم نے مٹھائی کی طرف گھور گھور کر کیوں دیکھا۔" ایک بار فرمایا۔ "میں نے سوا ایک دفعہ کے بازار سے ایک آنہ کی بھی مٹھائی خرید کر نہیں کھائی۔ یہ وجہ نہ تھی کہ میرے پاس پیسے نہ ہوتے تھے بلکہ بات یہ تھی کہ میں نے پیسے جمع کرنے کا ایک ڈبہ بنا لیا تھا اور اس میں جو پیسے مجھ کو ملتے ڈال دیا کرتا تھا کہ ان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کی کتابیں خریدوں گا۔(۱)

بستی نظام الدینؒ میں مہمانوں کی کثرت رہتی۔ حضرت مولانا محمد الیاسؒ مہمانوں ہی کے ساتھ کھانا تناول فرماتے تھے، مولانا محمد یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی عمر ۱۲-۱۳ سال کی رہی ہوگی حضرت مولانا محمد الیاسؒ نے مہمانوں کو ناشتہ کرانے، کھانا کھلانے اور اس سلسلہ کی اور دوسری خدمتیں اسی کم عمری میں مولانا محمد یوسف صاحبؒ کے سپرد کر دی تھیں۔ مولانا روزانہ اندر سے کھانا لاتے اور فارغ ہونے کے بعد برتن لے جاتے۔

مدرسہ کاشف العلوم (بستی نظام الدینؒ) میں پڑھنے والے طلباء کے وظائف اور کھانے پینے کا کوئی خاص انتظام نہ تھا، طلباء کی ٹولیاں باری باری سارے طلباء کا کھانا پکاتیں اور اس سلسلہ کے چھوٹے بڑے سارے کام خود ہی کرتیں۔ مولانا محمد یوسفؒ ان کے ان کاموں میں بھی شریک رہتے، ان کے ساتھ آٹا گوندھتے، مسالہ پیستے، اور جنگل سے جلانے کے لئے جھاڑ جھنکر گھسیٹ کر لاتے۔

تربیت کا اثر

والدین کی اسی تربیت کا اثر تھا کہ عام لڑکوں کی طرح وہ اپنے فرائض سے غافل نہیں رہتے تھے لہو ولعب میں اور بیکار وقت ضائع کرنا پسند نہیں کرتے تھے، تعلیم کا شوق تھا، صحابہ کرامؓ کے تذکرے اور خدا کی راہ میں ان کی جانبازی اور قربانی کے واقعات سے بڑی گہری دلچسپی تھی، فتوح الشام کا اردو منظوم ترجمہ صمصام الاسلام جس میں صحابہ کرامؓ کے جہاد اور فتوحات کا تذکرہ ہے، بچپن ہی میں ذوق وشوق سے پڑھتے تھے۔(۲)

---

(۱) روایت مولوی شبیر احمد حیدر آبادی (۲) روایت حضرت مولانا انعام الحسن صاحب

ابتدائی تعلیم

ابتدائی تعلیم میں قاری معین الدین صاحب نے تجوید سکھائی۔ گیارہ سال کی عمر میں اپنے والد ماجد حضرت مولانا محمد الیاس صاحب سے مدرسہ کاشف العلوم (بستی نظام الدینؒ) میں عربی شروع کی۔ سب سے پہلے میزان الصرف پڑھی اور ۱۵-۲۰ دن میں ختم کر دی، اس وقت مولانا مرحوم کے ساتھی قاری سید رضا حسن صاحب مرحوم اور مولانا محمد ادریس صاحب انصاری اور بعض دوسرے حضرات تھے، طلباء کی یہ مختصر جماعت تھی جو حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ سے پڑھ رہی تھی۔ میزان الصرف کے بعد منشعب، اس کے بعد صرف میر پڑھی، پھر پنج گنج دوسرے استاد سے پڑھی۔ پنج گنج کے بعد پھر خود حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ نے نحو میر پڑھائی۔ اس کے بعد قصیدۂ بردہ، قصیدۂ بانت سعاد اور حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی چہل حدیث حفظ کرائی۔ مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ابتدائی تعلیم میں حافظ منیر الدین صاحب نے بھی حصہ لیا اور متعدد کتابیں پڑھائیں، فقہ کی کتابیں کنز الدقائق تک حافظ مقبول حسن گنگوہی سے پڑھیں۔

اعلیٰ تعلیم

اوپر کی کتابیں زیادہ تر خود حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھیں، ۱۳۵۱ھ میں حضرت مولانا سفرِ حج پر تشریف لے جانے لگے تو مولانا محمد یوسف کو مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں داخل کر دیا۔ وہاں اس سال آپ نے ہدایہ اولین اور میبذی وغیرہ پڑھیں۔ حضرت مولاناؒ کی حج سے واپسی کے کچھ مدت بعد مولانا محمد یوسف صاحب پھر بستی نظام الدین میں آگئے اور آگے کی کتابیں مشکوٰۃ، جلالین وغیرہ وہیں پڑھیں، ایک سال کے بعد ۱۳۵۲ھ میں دوبارہ مدرسہ مظاہر علوم میں آکر صحاح اربعہ پڑھیں، صحیح بخاری شریف حضرت مولانا حافظ عبد اللطیف صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے، صحیح مسلم مولانا منظور احمد خاں صاحب مدظلہ سے، سنن ابوداؤد شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ سے، جامع ترمذی حضرت مولانا عبد الرحمٰن صاحب کیملپوری سے، مولانا انعام الحسن صاحب بھی ساتھ اور ہم سبق تھے۔ مولانا ممدوح ہی نے ذکر فرمایا کہ ہم دونوں نے آپس میں یہ طے کر لیا تھا کہ رات کے ابتدائی آدھے حصہ میں ہم میں سے ایک مطالعہ کرے گا اور دوسرا سوئے گا، اور آدھی رات ہو جانے پر مطالعہ کرنے والا چائے بنائے گا اور دوسرے ساتھی کو اٹھا کر اور اس کے ساتھ چائے پی پلا کر سو جائے گا اور اس دوسرے

کے ذمہ ہوگا کہ فجر کی جماعت کے لئے سونے والے ساتھی کو اٹھائے۔ ایک دن حضرت مولانا مرحوم شروع رات میں مطالعہ کرتے تھے اور میں سوتا تھا اور دوسرے دن اس کے برعکس ترتیب رہتی تھی، لیکن تعلیمی سال ختم ہونے سے پہلے ہی مولانا مرحوم کی علالت کی وجہ سے مظاہر علوم سے نظام الدین آجانا پڑا۔ مولانا انعام الحسن صاحب بھی ساتھ ہی آئے اور صحاح اربع کا جو حصہ باقی رہ گیا تھا وہ اور صحاح ستہ کی باقی دو کتابیں ابن ماجہ ونسائی اور انہی کے ساتھ شرح معانی الآثار طحاوی اور مستدرک حاکم بھی اپنے والد ماجد حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ سے نظام الدین میں پڑھیں۔

نکاح

۳ محرم ۱۳۵۴ھ کو جس دن کہ مدرسہ مظاہر علوم کا سالانہ جلسہ تھا، شیخ الحدیث مدظلہٗ کی بڑی صاحبزادی کے ساتھ حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ کا اور ان سے چھوٹی صاحبزادی کے ساتھ مولانا انعام الحسن صاحب کا نکاح ہوا۔ مجلس نکاح میں مظاہر علوم اور دارالعلوم دیوبند کے اکابر علماء اور دوسرے مشائخ شریک تھے۔ نکاح حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھایا۔

صاحبزادہ مولانا محمد ہارون کی پیدائش

۲۳، ۲۴ رمضان المبارک ۱۳۵۸ھ دوشنبہ وسہ شنبہ کی درمیانی شب میں اللہ تعالیٰ نے مولانا کو ایک فرزند عنایت فرمایا۔ محمد ہارون نام رکھا گیا جو الحمد للہ اس وقت ۲۸ سال کے ہیں اور اپنے والد ماجد کے نقش قدم پر ہیں [1]

پہلی اہلیہ کا انتقال اور دوسرا نکاح

پہلی اہلیہ محترمہ مولانا محمد ہارون کی والدہ مرحومہ نے طویل علالت کے بعد ۲۹ شوال ۱۳۶۶ھ (ستمبر ۱۹۴۷ء) بروز دوشنبہ ایسی حالت میں کہ مغرب کی نماز اشارہ سے ادا کر رہی تھیں اور سجدہ کا اشارہ کر کے گویا سجدہ میں جا چکی تھیں جان جان آفرین کے سپرد کر دی۔ اللّٰھم اغفر لھا وارحمھا۔

تقریباً تین سال کے بعد حضرت شیخ الحدیث مدظلہٗ ہی کی دوسری صاحبزادی کے ساتھ ۱۹ ربیع الثانی

---

[1] ۲۹ شعبان ۱۳۹۳ھ کو آپ ۳۵ سال کی عمر میں اس دارفانی سے انتقال فرما گئے۔ اللّٰھم اغفر لہٗ (ادارہ)

۱۳۶۹ھ کو عقد ہوا۔ یہ اہلیہ محترمہ بحمد اللہ بقید حیات ہیں لیکن ان سے اولاد کوئی نہیں ہوئی۔

بیعت وارادت

حضرت مولانا انعام الحسن صاحب مدظلہ، جو حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ کے ہم زلف بھی ہیں اور بچپن اور تعلیم کے ساتھی بھی اور آخر تک مشیر کار و دست راست رہے اور اس وقت حضرت مرحوم کے جانشین اور تبلیغی کام کے نگراں و امیر ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ مدظلہ، کو جب یہ معلوم ہوا کہ ہم لوگ ابھی تک حضرت سے بیعت نہیں ہوئے ہیں تو فرمایا کہ میں سمجھتا تھا کہ تم لوگ چچا جان (مولانا محمد الیاسؒ) سے بیعت ہو چکے ہو، بہرحال اب دیر نہ کرو۔ ہم لوگوں نے حضرت مولانا سے بیعت کی درخواست کی۔ حضرت نے منظور فرمالیا خود غسل فرمایا اور بڑا اہتمام فرمایا اور پھر خوشی کے ساتھ بیعت فرمالیا اور فرمایا اللہ مبارک کرے اور انشاء اللہ مبارک ہی ہے۔

پہلا حج اور دعوت کا کام

حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی دیرینہ خواہش تھی کہ تبلیغ و دعوت کا جو کام ہندستان میں چل چکا ہے اور کچھ علاقوں میں اللہ کے فضل سے جم بھی گیا ہے وہ اب باہر بھی پہنچنا چاہئے، خصوصاً دیار عرب میں جہاں سے یہ کام چلا تھا، ۱۳۵۶ھ میں آپ کے دل میں اس کا داعیہ بڑی شدت سے پیدا ہوا۔ آخر کار ذیقعدہ ۱۳۵۶ھ میں حج کے لئے روانہ ہو گئے۔ ہمراہی میں مولانا احتشام الحسن صاحب (۲) حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ (۳) مولانا انعام الحسن صاحب (۴) مولانا نور محمد صاحب میواتی (۵) حاجی عبدالرحمٰن صاحب (۶) مولانا ادریس صاحب اور دوسرے حضرات بھی تھے۔ حجاز میں تبلیغی کام کی ابتدا ہوئی، عربوں کے ایک اجتماع میں حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ نے عربی میں ایک تقریر بھی فرمائی جس کا سامعین پر اچھا اثر پڑا۔ مولانا محمد یوسف صاحب کی عمر اس وقت قریباً اکیس ۲۱ سال تھی، یہ حج مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کا آخری حج تھا اور حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کا پہلا حج۔ دوسرا حج بیس ۲۰ سال کے بعد اور تیسرا آخری حج ۱۳۸۲ھ۔

خلافت ونیابت

۱۲ جولائی ۱۹۴۴ء کو بروز چہارشنبہ جب کہ حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ سفر آخرت

کی تیاری فرمارہے تھے گویا کہ زندگی کا یہ آخری دن تھا، نظام الدین میں علماء اور مشائخ جمع تھے حضرت شیخ الحدیث مدظلہ العالی اور حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری اور مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی کو یہ پیام بھیجا کہ مجھے اپنے آدمیوں میں سے ان چند پر اعتماد ہے، آپ لوگ جسے مناسب سمجھیں اس کے ہاتھ پر ان لوگوں کو بیعت کرادیں، جو مجھ سے بیعت ہونا چاہتے ہیں (۱) حافظ مقبول حسن صاحب (۲) قاری داؤد صاحب (۳) مولوی احتشام الحسن صاحب کاندھلوی (۴) مولوی یوسف صاحب (۵) مولوی انعام الحسن صاحب (۶) مولوی سید رضا حسن صاحب۔

ان حضرات نے دوبارہ مشورہ کر کے مولانا کی خدمت میں عرض کیا کہ مولوی یوسف صاحب ماشاء اللہ ہر طرح اہل ہیں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے خلافت کے لئے "القول الجمیل" میں جو شرائط لکھے ہیں وہ سب بحمد اللہ ان میں پائے جاتے ہیں، عالم ہیں، متورع ہیں اور علوم دینیہ سے اشتغال رکھتے ہیں، فرمایا۔ اگر تم نے یہی انتخاب کیا ہے تو اللہ اسی میں خیر و برکت فرمائے گا مجھے منظور ہے۔ یہ بھی فرمایا کہ پہلے مجھے بڑا کھٹکا اور بے اطمینانی تھی، اب بہت اطمینان ہو گیا ہے، امید ہے کہ انشاء اللہ میرے بعد کام چلے گا۔

رات کے پچھلے پہر حضرت مولانا محمد یوسف صاحب اور مولانا اکرام الحسن صاحب کو یاد فرمایا۔ مولانا محمد یوسف صاحب سے فرمایا "یوسف آمل لے ہم تو چلے" اور صبح کی اذان سے پہلے جان، جان آفریں کے سپرد کر دی اور عمر بھر کا تھکا مسافر جو شاید کبھی اطمینان کی نیند سویا ہو، منزل پر پہنچ کر میٹھی نیند سویا ؂

یعنی رات بہت تھے جاگے صبح ہوئی آرام کیا

صبح کی نماز کے بعد بہتے ہوئے آنسوؤں کے درمیان حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کی جانشینی عمل میں آئی اور مولانا کا عمامہ ان کے سر پر باندھا گیا۔

اب دعوت و تبلیغ کا پورا بوجھ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کے کاندھوں پر آ گیا اور دعوت و تبلیغ کے قافلہ کے سالار بن کر دنیا کے سامنے آئے۔

نظام الدین کے شب و روز

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب جب تک بستی نظام الدین میں قیام کرتے تو شب و روز کا نظام اس طرح

رہتا، صبح کی نماز اکثر خود پڑھاتے بعد نماز دعا فرماتے، عموماً نماز خوب اسفار میں ہوتی، دعا کے بعد تقریر فرماتے جو تقریباً دو گھنٹے تک رہتی، بعض اوقات دھوپ کافی نکل آتی اور لوگ دھوپ میں بصد شوق تقریر سنتے، مولانا کبھی بیٹھ جاتے اور جوش آتا تو کھڑے ہو جاتے۔ دھوپ کی تیزی کی بنا پر کوئی خادم یا طالب علم چھت سے لمبائی کی طرف سے دری (جس پر نماز پڑھی جاتی تھی) لٹکا دیتا تاکہ حضرت مولانا کو دھوپ سے تکلیف نہ ہو۔ اس کے بعد جماعتوں کی تشکیل ہوتی۔ اس کے بعد حضرت مولانا اپنے حجرہ میں آنے والے مہمانوں کو ناشتہ کراتے اور یہاں بھی مولانا کی گفتگو جاری رہتی اور موضوع اور مرکزی نقطہ اس گفتگو کا بھی دین کے لئے محنت و قربانی ہی ہوتی، کبھی جماعتوں کی سرگزشت اور مختلف علاقوں سے آنے والے مہمانوں سے کام کے متعلق دریافت حال اکثر اسی مجلس میں اجتماعات کی تاریخیں بھی طے ہوتیں، پھر مہمان رخصت ہوتے تو ان کو ہدایات دیتے، اس کے بعد ۱۱ بجے کے قریب جماعتوں کی روانگی کے وقت حضرت مولانا رخصتی تقریر فرماتے جس میں اصول، طریقۂ کار اور نظام الاوقات پر تفصیل سے روشنی ڈالتے، پھر تمام مہمانوں کے ساتھ کھانا تناول فرماتے، اس کے بعد ظہر تک قیلولہ، نماز ظہر کے بعد مطالعہ اور درس حدیث جو قریب عصر تک جاری رہتا، بعد عصر خطوط کے جوابات لکھواتے مہمانوں سے ملتے اور کبھی کبھی اس وقت بھی تقریر فرماتے، بعد نماز مغرب سورہ یٰسین کا ختم ہوتا، ختم پر دعا ہوتی کبھی خود دعا کراتے، کبھی صرف شرکت فرماتے، کبھی کسی کی تقریر بھی ہوتی، اس کے بعد مہمانوں کو کھانا کھلایا جاتا، جن کی تعداد عموماً سیکڑوں ہوتی، اس کے بعد نماز عشار ہوتی، عشار کی نماز کے بعد عہد نبوی اور عہد صحابہ کے واقعات کا کتابی درس ہوتا، پہلے تو یہ کام اکثر البدایۃ والنہایۃ سے لیا جاتا تھا، لیکن جب سے خود مولانا کی ترتیب دی ہوئی حیات الصحابہؓ تیار ہو گئی تھی وہی سامنے رہتی، ادھر چند سالوں سے بعد نماز عشار کا یہ درس دوسرے حضرات کے سپرد ہو گیا تھا۔

دین کے لئے محنت و قربانی کی دعوت مولانا کی روح بن گئی تھی، ہر تقریر اور گفتگو کا موضوع یہی ہوتا تھا، شروع میں تو تین چلوں اور سات چلوں کی دعوت دی جاتی تھی لیکن آخر زمانے میں عمر اور ہر سال ۸۔۸ مہینے کی دعوت دیتے تھے۔ مولانا کی دعوت اور اس کی کیفیت میں مسلسل ارتقا جاری تھا اور گزشتہ سال جب مولانا نے اپنے رفقار کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ آخری حج کیا، اس حج میں اور

حج کے بعد مولانا پر اپنے کام اور اپنی دعوت کا اور زیادہ غلبہ ہو گیا تھا۔

آخری حج

آپ نے ذیقعدہ ۱۳۸۳ھ مطابق ۲۷ مارچ ۱۹۶۴ء بذریعہ ہوائی جہاز اپنی زندگی کا آخری حج کیا، اس حج کی بڑی خصوصیت یہ تھی کہ اس سفر میں حضرت شیخ الحدیث مدظلہ بھی ہمراہ تشریف لے گئے تھے اور تبلیغی کام سے تعلق رکھنے والے خواص کی ایک بڑی جماعت ساتھ تھی، خود حضرت مولانا اور حضرت شیخ الحدیث اور حضرت مولانا انعام الحسن صاحب اور مولانا محمد ہارون صاحب اور چند اور رفقاء تو ہوائی جہاز سے گئے تھے باقی حضرات بحری جہازوں سے گئے تھے، مکہ معظمہ پہنچ کر صبح و شام حضرت مولانا کی تقریریں شروع ہو گئیں، حرم شریف میں اور اس کے علاوہ بھی مختلف مقامات کے خصوصی اجتماعات میں خطاب فرماتے۔

۲۷ ذی الحجہ کو مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کے لئے روانہ ہوئے، نصف یوم اور ایک شب راستہ میں بدر ٹھہرے۔ ۲۸ ذی الحجہ کو مدینہ منورہ پہنچے، مدینہ منورہ میں بھی صبح و شام اجتماعات ہوتے، ہر ہر طبقہ میں خطاب فرمایا۔ ہندستانی مجمع، بخاری مجمع، عربی مجمع، الغرض کوئی وقت ایسا نہ تھا جس میں مولانا کا خطاب نہ ہوتا ہو۔ حرمین پاک میں عموماً فجر کی نماز غلس میں (یعنی اندھیرے میں) ہوتی ہے۔ حضرت مولانا کا خطاب نماز کے بعد ہی شروع ہو جاتا اور سورج خوب بلند ہونے تک جاری رہتا، لوگ ہمہ تن گوش ہو کر خطاب سنتے اور پہلو نہ بدلتے اس مبارک سفر میں طالبین حق کا ایسا رجوع عام ہوا جو پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔

مولانا کی دعوت پر لمبی لمبی مدت کے لئے ۲۶ جماعتیں نکلیں، جن میں سے اٹھارہ یورپ وغیرہ کے دور دراز ممالک فرانس، مغربی جرمنی، انگلستان وغیرہ کے لئے اور آٹھ جماعتیں مختلف ممالک عربیہ کے لئے۔

مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ واپسی ہوئی اور سولہ دن وہاں قیام فرمایا۔ پھر وہاں سے کراچی تشریف لائے اور پہنچتے ہی وہاں کے تبلیغی مرکز مکی مسجد میں تقریباً تین گھنٹے تقریر کی، تین دن کراچی میں قیام رہا اور عادت و معمول کے مطابق دعوتی تقریروں اور گفتگوؤں کا سلسلہ جاری رہا ___ کراچی سے لائل پور تشریف لائے راستہ کے قریب قریب ہر اسٹیشن پر اللہ کے لئے محبت کرنے والے زائرین کا مجمع ہوتا تھا۔ جہاں وقت میں گنجائش ہوتی آپ اپنی کچھ بات فرماتے اور دعا ہوتی۔ لائل پور سے سرگودھا سرگودھے سے ڈھڈیاں (جہاں حضرت اقدس

رائے پوری نور اللہ مرقدہٗ آرام فرما ہیں) اس کے بعد راولپنڈی، رائے ونڈ، لاہور۔ ان تمام مقامات پر کم وبیش قیام فرمایا۔ ہر جگہ صبح وشام گھنٹوں خطاب فرماتے رہے، بولتے بولتے گلے میں سوجن ہوگئی، ڈاکٹروں نے اصرار سے مشورہ دیا کہ کچھ دنوں کے لئے بولنا چھوڑ دیا جائے مگر حضرت مولانا اس پر آمادہ نہیں ہوئے حسب عادت تقریروں اور گفتگوؤں کا سلسلہ جاری رہا اور مرض ترقی کرتا گیا۔

پاکستان کا آخری سفر

حضرت مولانا فروری ۱۹۶۵ء کے دوسرے ہفتہ میں براستہ لاہور ڈھاکہ کے اجتماع میں تشریف لے گئے، وہاں کے اجتماع سے فارغ ہونے کے بعد مشرقی پاکستان کے اہم مقامات پر اجتماعات ہوئے اور تقریروں کا سلسلہ جاری رہا، اس کے بعد پھر مغربی پاکستان تشریف لائے۔ کراچی، میرپور خاص، ملتان، کنگن پور، ٹل (کوہاٹ) اور راولپنڈی کے اجتماعات ہوئے، جن میں حسب معمول حضرت مولانا تقریریں فرماتے رہے اس کے بعد رائے ونڈ کے اجتماع میں رونق افروز ہوئے۔ یہاں آخری دن (۲۳ مارچ کو) تقریباً ستر جماعتیں رخصت کیں۔ اس پورے دورہ کے اجتماعات میں دو مستقل تقریریں صبح اور شام کو ضرور ہی فرماتے، اس کے علاوہ عصر سے مغرب تک خصوصی مجلس میں بیان ہوتا، ناشتہ اور کھانے کے وقت بھی گفتگو کا سلسلہ جاری رہتا۔ رائے ونڈ کے اجتماع کے بعد لاہور تشریف لے آئے، پھر وہاں سے نارووال کے اجتماع میں تشریف لے گئے، اندرونی طور پر کچھ تکلیف محسوس کر رہے تھے مگر ان کے بے مثل ضبط وتحمل نے اس کو ظاہر نہ ہونے دیا، احباب کو وقت آخر جا کر علم ہوا کہ وہ کتنی تکلیف میں مبتلا رہے ہیں، وہاں دو دن کے بعد جمعۃ المبارک کی ادائیگی کے لئے گوجرانوالہ رک گئے اور اس تکلیف کے باوجود جمعہ سے قبل اور اس کے بعد وہاں تقریر بھی فرمائی، عصر کے قریب لاہور بلال پارک چلے آئے اور یہاں بھی اس تکلیف کے باوجود بیانات برابر جاری رہے، ہفتہ کی شام کو دو گھنٹہ تک تقریر فرمائی اور اگلی صبح اتوار کو جماعتوں کو رخصت کرنے سے پہلے ہدایات سے نوازا۔ پونے دس بجے فارغ ہوئے تو دیکھا کہ مولانا ٹیلیفون کمپاؤنڈ میں چلے گئے وہاں دس بجے عورتوں کا اجتماع تھا اور مولانا کا بیان ہونا تھا[1] دوشنبہ کو پھر رائے ونڈ تشریف لے آئے تین دن یعنی جمعرات تک پھر قیام فرمایا، روزانہ صبح کو خواص سے خطاب فرماتے ان تینوں دنوں میں بڑی اہم

---

[1] سید ذوالفقار حسین بخاری۔ حضرت جی نمبر خدام الدین لاہور

ہدایتیں اور نصیحتیں کام کرنے والوں کو فرمائیں۔

لاہور کا ورود اور انتقال

۲ اپریل جمعہ کے دن ٹرین سے سہارنپور کے لئے روانگی طے تھی، جمعرات کے دن رائے ونڈ سے فارغ ہو کر لاہور تشریف لے آئے، ایک دن پہلے (بدھ کے دن) گلے سے معدے تک سانس کی نالی میں چبھن محسوس فرماتے تھے، لاہور پہنچ کر طبیعت میں تقریر کے لئے آمادگی نہیں تھی حضرت مولانا کے لئے یہ بالکل غیر معمولی اور نئی بات تھی اور طبیعت کے اس حال کا اظہار بھی فرما دیا تھا۔ بلال پارک میں (جہاں لاہور کا تبلیغی مرکز ہے اور وہیں مولانا کا قیام تھا) حسب معمول بعد مغرب جمعرات والا اجتماع شروع ہوا اور چونکہ عام طور سے یہ اطلاع تھی کہ حضرت مولانا کل جمعہ کو ہندستان تشریف لے جائیں گے اور لوگوں کا خیال تھا کہ آج کے اجتماع میں مولانا کے اس سفر پاکستان کی آخری تقریر ہوگی اس لئے مجمع زیادہ آگیا اور کچھ ایسے حضرات بھی آگئے جو عام طور سے تبلیغی اجتماعات میں آیا نہیں کرتے، اس لئے بعض مخلصین نے عرض کیا کہ کچھ ضرور فرما دیں، مولانا نے ارادہ فرما لیا اور طبیعت کے انتہائی احساس ضعف کے باوجود ہمت اور قوت ارادی استعمال کر کے کھڑے ہو گئے اور سوا گھنٹے تک تقریر فرمائی صاف محسوس ہو رہا تھا کہ مولانا زبردستی تقریر فرما رہے ہیں۔ پیشانی تک سے پسینہ پھوٹ رہا تھا اور آواز میں نقاہت تھی، تقریر کے بعد تشکیل شروع ہوئی اس وقت بھی طبیعت پر جبر کر کے بیٹھے رہے، اس کے بعد ایک نکاح پڑھانا تھا وہ بھی پڑھایا، لیکن اس موقع پر تقریر نہیں فرمائی اور دعا بھی مختصر فرمائی جو ان کے عمر بھر کے معمول اور طریقہ کے لحاظ سے بالکل نرالی بات تھی۔ اس لئے خاص ساتھیوں کو اندازہ ہو رہا تھا کہ کوئی غیر معمولی بات ہے مجلس نکاح سے اٹھ کر قیام گاہ کی طرف چلے جو بالکل برابر میں تھی، چلتے ہوئے فرمایا مجھ کو سنبھالو، سعید ابن صدیق صاحب اور ریاض لاہوری نے گلے اور کمر کو ہاتھوں سے سہارا دیا۔ چند قدم بڑھتے ہی لڑکھڑا گئے اور غشی طاری ہو گئی، اٹھا کر کمرہ میں لایا گیا اور اسی بے ہوشی کی حالت میں لٹا دیا گیا۔ ایک حکیم صاحب جو سفر میں ساتھ تھے ان کے پاس جواہر مہرہ تھا، انھوں نے دودھ میں گھول کر چمچہ سے پلایا، چند منٹ کے بعد کچھ ہوش آگیا، ہاتھ پاؤں بالکل ٹھنڈے تھے، نبض بہت ہی ضعیف تھی، لاہور کے نامور ڈاکٹر کرنل ضیاء اللہ صاحب

کو بلوایا گیا، انھوں نے دیکھ کر کہا کہ قلب پر ایسا شدید حملہ ہوا تھا کہ اس سے بچ جانا بس ایک کرامت ہے انھوں نے مشورہ دیا کہ مولانا کو اسی وقت ہسپتال میں داخل کر دیا جائے لیکن اس پر عمل نہیں ہو سکا اور ڈاکٹر صاحب کی تجویز کردہ دواؤں کا استعمال شروع ہوا۔ آدھی رات گزرنے کے کافی بعد حضرت مولانا نے عشاء کی نماز ادا کی صبح تک طبیعت ایسی سنبھل گئی کہ کرنل ضیاء اللہ صاحب نے جب آ کر دیکھا تو انھیں سخت حیرت ہوئی سب لوگ ایک درجہ میں مطمئن ہو گئے۔ اس اثناء میں مولانا نے کچھ ضروری باتیں بھی کیں۔ اس سلسلہ میں مولانا انعام الحسن صاحب سے یہ بھی فرمایا کہ میری کتابوں کی زکوٰۃ ادا کر دی جائے۔ بہرحال دوپہر تک طبیعت بہت قابل اطمینان رہی لیکن جمعہ کی نماز کے وقت پھر ایک دم طبیعت بگڑی اور سانس بے قابو سا ہو گیا، فرمایا مجھے مختصر سی نماز پڑھوا دو۔ مولانا انعام الحسن صاحب نے مختصر سی نماز پڑھا دی۔ مسجد میں جمعہ کی نماز بھی مولانا مفتی زین العابدین صاحب نے بہت مختصر پڑھائی، ڈاکٹر اسلم صاحب نے آکر دیکھا تو کہا مرض کا دوبارہ حملہ ہو گیا ہے فوراً اسپتال لے چلنا چاہیے تاکہ وہاں آکسیجن دی جائے۔ حضرت مولانا نے سنا تو فرمایا وہاں نرسیں بھی ہوں گی، مفتی زین العابدین صاحب نے فرمایا کہ اس کا پورا انتظام کر لیا جائے گا کہ کوئی نرس اور عورت قریب آئے تو لے چلنے کی اجازت دے دی۔

آخری وقت

موٹر میں حضرت مولانا کو لٹا دیا گیا اور وہ اسپتال کی طرف روانہ ہو گئی حضرت مولانا انعام الحسن مولوی الیاس میواتی اور ڈاکٹر اسلم ساتھ بیٹھے، اس وقت سانس زیادہ اکھڑنے لگی اس وقت زبان پر تھا ربی اللہ ربی اللہ مولوی الیاس صاحب میواتی کا بیان ہے کہ اسی کے ساتھ حضرت مولانا نے شام کے وقت کی ماثورہ دعائیں پڑھنی شروع کر دیں اور کلمہ شریف پڑھنے لگے، گڑھی شاہو کے چوک کے قریب جب موٹر پہنچی تو دریافت فرمایا کہ اسپتال کتنی دور ہے؟ عرض کیا گیا ابھی آدھا فاصلہ ہے۔ اس کے بعد زبان صحیح طور سے اپنا کام کرنے کے لائق نہیں رہی، آنکھوں میں بھی تغیر آگیا۔ حضرت مولانا انعام الحسن صاحب نے یٰسین شریف شروع کر دی اور بس چند لمحوں میں حضرت مولانا نے کلمہ شریف پڑھتے ہوئے متبسم چہرہ کے ساتھ جان، جان آفریں کے سپرد کر دی، یعنی ۲۹ ذیقعدہ ۱۳۸۴ھ مطابق ۲ اپریل ۱۹۶۵ء جمعہ کے دن ۲½ بجے

کے قریب، ۱۲ برس تک مسلسل اللہ کے لئے اور اس کے دین کے لئے جان کھپانے والی یہ بابرکت ہستی اس فانی دنیا سے عالم جاودانی کی طرف رحلت کر گئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ٥ یاایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ، فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی ٥

نمازِ جنازہ

نعش مبارک بلال پارک واپس لائی گئی، جو سنتا تھا حیرت زدہ ہو کر رہ جاتا تھا، جیسے جیسے خبر پھیلتی گئی، مجمع بڑھتا گیا، عشاء ہوتے ہوتے ہزاروں کا مجمع ہو گیا، نمازِ جنازہ ہوئی، جو حضرت مولانا انعام الحسن صاحب نے پڑھائی، حضرت مولانا عبد العزیز صاحب گمتھلوی (خلیفہ خاص حضرت اقدس رائے پوری قدس سرہ) سرگودھا سے ایک قافلہ کے ساتھ اس وقت پہنچے جب نماز جنازہ ہو چکی تھی۔ حضرت ممدوح نے دوسری دفعہ نماز جنازہ پڑھائی۔

اگرچہ حضرت مولانا انعام الحسن صاحب وغیرہ کی رائے یہ تھی کہ حضرت مولانا کو وہیں دفن کر دیا جائے لیکن حافظ صدیق صاحب وغیرہ میواتی حضرات کے شدید اصرار پر اور حضرت شیخ الحدیث مدظلہ، سے فون کے ذریعہ استصواب کے بعد ہوائی جہاز سے دہلی جنازہ لانے کا فیصلہ ہوا۔ جنازہ کے ساتھ حضرت مولانا انعام الحسن صاحب مولانا محمد عمر صاحب پالن پوری، حافظ صدیق صاحب، قاری رشید صاحب، مولوی الیاس صاحب میواتی، میاں جی اسحاق صاحب اور حاجی احمد صاحب پالن پوری بھی ساتھ بیٹھے، جنازہ ڈیڑھ بجے رات لاہور سے روانہ ہو کر ۳ بجے دہلی کے ہوائی اڈہ پر اترا، اور ساڑھے تین بجے کے قریب نظام الدین لے آیا گیا، تھوڑی دیر کے بعد سہارنپور سے حضرت شیخ الحدیث تشریف لے آئے۔ خبر دہلی اور اطراف میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کی اقتدا میں نماز جنازہ صبح ۹ بجے پڑھی گئی جس میں دہلی اور اس کے قریبی علاقوں اور میوات کے تقریباً اسی ہزار مسلمانوں نے شرکت کی اور حضرت مولانا مرحوم اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کے پہلو میں دفن کر دئیے گئے۔

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

پسماندگان

حضرت مولانا مرحوم کی زندگی کی جو خاص نوعیت تھی اس کی بنا پر بلا شبہہ ساری امت مسلمہ اور بالخصوص ان کے لاکھوں عقیدت مند اور محبین جن کو ان کے ذریعہ دین اور ایمان و یقین کی دولت ملی ان کے پسماندگان میں ہیں، لیکن عرف عام اور قرابت و عزیز داری کے لحاظ سے ان کے پسماندگان میں ایک صاحبزادہ مولانا محمد ہارون صاحب ہیں جو الحمدللہ مولانا کے نقش قدم پر ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو خاص الخاص ترقیات سے نوازے۔ دوسری حضرت کی والدہ ماجدہ اماں جی ہیں جن کے بارہ میں اپنی معلومات کی بنا پر لکھنے کو بے اختیار جی چاہتا ہے کہ اپنے وقت کی رابعہ ہیں۔ تیسری حضرت مرحوم کی اہلیہ محترمہ حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کی صاحبزادی ہیں۔ چوتھی محترمہ ہمشیرہ صاحبہ ہیں جو حضرت شیخ الحدیث کی اہلیہ محترمہ ہیں جن کے صاحبزادے مولوی محمد طلحہ ہیں۔ پانچویں حضرت مولانا انعام الحسن صاحب ہیں جو خاندانی قرابت کے علاوہ ہم زلف بھی ہیں اور ساری عمر حضرت مولانا مرحوم کے ساتھ دو قالب ایک جان ہو کر رہے، عام طور سے محسوس کیا جاتا تھا کہ تبلیغ کے نام سے جو دینی جد و جہد چل رہی ہے حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد سے حضرت مولانا مرحوم اس کا قلب ہیں اور حضرت مولانا انعام الحسن صاحب اس کا دماغ۔ حضرت مولانا کے وصال کے بعد ان کے جانشین خاص کی حیثیت سے اس دینی جد و جہد کی سب سے بڑی ذمہ داری اب انھیں پر ہے، اللہ تعالیٰ ان کی پوری مدد فرمائے اور امت کو ان سے ویسا ہی نفع پہنچائے جیسا کہ حضرت مرحوم سے پہنچایا وما ذالک علی اللہ بعزیز۔

چھٹے ان کے برادر معظم شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب دامت برکاتہم ہیں جو چچازاد بھائی اور خسر ہونے کے علاوہ والد ماجد حضرت مولانا محمد الیاسؒ کے بعد ان کے استاد اور مربی بھی ہیں، حضرت شیخ کو حضرت مولانا مرحوم سے جو مشفقانہ تعلق تھا اور حضرت مولانا مرحوم حضرت شیخ کے ساتھ عقیدت و نیازمندی کا جو رابطہ رکھتے تھے اس کو الفاظ میں بیان کرنا مشکل ہے۔ حضرت شیخ کے لئے یہ حادثہ کسی باکمال اور صاحب فیض سگے بیٹے کے حادثہ سے کم نہیں ہے۔ حضرت شیخ اس دور کے شیخ المشائخ اور مرجع خلائق ہیں، اللہ تعالیٰ آپ کا سایہ دیر تک قائم رکھے اور امت کو استفادہ کی توفیق دے۔ ان حضرات کے علاوہ کاندھلہ میں پورا خاندان ہے، جن میں حضرت مولانا احتشام الحسن صاحب بھی ہیں جو حضرت مولانا مرحوم کے حقیقی ماموں ہیں، بہت سی

مفید کتابوں کے مصنف ہیں، ان کے علاوہ مولانا انعام الحسن صاحب کے والد ماجد مولانا اکرام الحسن صاحب مولانا صوفی افتخار الحسن صاحب، مولانا اظہار الحسن صاحب، مصباح الحسن صاحب وغیرہ قریبی اعزہ اور متعلقین ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان تمام حضرات کو اپنی رضا و محبت کے اونچے مقام تک پہنچائے۔

وملمات من كانت بقاياه مثلهم　　　شباب تسامیٰ للعلیٰ وکهول

حضرت مولانا کی دو اہم تصنیفیں

اس کو حضرت مولانا کی صرف کرامت ہی کہا جا سکتا ہے کہ دن رات اپنی دعوت میں منہمک رہنے کے باوجود مولانا مرحوم نے تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی جاری رکھا اور ان سیکڑوں مکاتب کے علاوہ جن کی حیثیت مستقل رسائل و مقالات کی ہے۔ دو ضخیم تصنیفیں چھوڑیں، ذیل کی سطروں میں ان کا بہت مختصر اور اجمالی تعارف کرایا جا رہا ہے۔

امانی الاحبار

مولانا مرحوم نے ۱۳۵۵ھ میں اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ سے حدیث کی دوسری کتابوں مستدرک حاکم وغیرہ کے علاوہ امام طحاوی کی معرکۃ الآرا کتاب شرح معانی الآثار بھی پڑھنی شروع کی، پڑھنے کے ساتھ ساتھ مولانا نے اس کی شرح بھی لکھنی شروع کی جس کا سلسلہ آخر تک جاری رہا۔ اس کی دو جلدیں چھپ کر شائع ہو چکی ہیں، پہلی جلد بڑے سائز کے ۲۷۶ صفحات پر ختم ہے۔ ہر صفحہ میں ۳۵-۳۶ سطریں ہیں۔ دوسری جلد ۴۴۲ صفحہ پر ختم ہوئی ہے ۔ تیسری جلد کی تصنیف معلوم ہوا ہے کہ مکمل ہو چکی تھی لیکن چھپنے کی نوبت ابھی نہیں آئی۔ پہلی جلد کے شروع میں طحاوی کے اسماء الرجال کی فہرست اور قریباً چالیس صفحہ کا مقدمہ فن حدیث میں مولانا کے علمی مقام کا اندازہ کرنے کے لئے کافی ہے۔

حیات الصحابہؓ

اس کا نام تو حیات الصحابہ ہے لیکن درحقیقت یہ عہد نبوت اور دور صحابہؓ کا عربی زبان میں ایک مستند اور مکمل مرقع ہے، اس کی تین ضخیم جلدیں ہیں، دائرۃ المعارف حیدر آباد میں اس کی طباعت ہوئی ہے، پہلی جلد کے شروع میں مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کا پیش لفظ ہے۔ پہلی جلد ۶۱۲ صفحات پر ختم ہوئی ہے۔

دوسری جلد ۴۱ا صفحات پرختم ہوئی تیسری جلد کی ضخامت بھی اتنی ہے وہ بھی چھپ چکی ہے لیکن ابھی پریس سے نکل کر شائقین کے ہاتھوں تک نہیں پہنچ سکی ہے۔ راقم الحروف نے بھی نہیں دیکھی ہے گویا پوری کتاب کے صفحات دو ہزار سے زیادہ ہیں، محدثین کے طرز پر لکھی گئی ہے۔ پہلی دو جلدیں جو چھپ کر شائع ہو چکی ہیں انکا اردو ترجمہ بھی ادارہ اشاعت دینیات دہلی سے شائع ہو چکا ہے۔ مولانا کی ان دونوں کتابوں کو دیکھ کر ان لوگوں کو انتہائی حیرت ہوگی جو مولانا کے نظام الاوقات اور دن رات کی مصروفیات کو آنکھوں سے دیکھتے تھے، مولانا کی یہ دونوں کتابیں اس لائق ہیں کہ پوری تفصیل کیساتھ ان پر تبصرہ کیا جائے اور اہل علم سے انکا تعارف کرایا جائے لیکن "الفرقان" کی اس خاص اشاعت کیلئے مجھے جو سوانحی مقالہ لکھنا ہے اسمیں اسکی گنجائش نہیں ہے۔ اسوقت تو مقصد صرف ان دونوں کتابوں کا اجمالی تعارف تھا۔ راقم الحروف اللہ تعالیٰ کے فضل سے ان خوش نصیبوں میں ہے جنہوں نے حضرت مولانا مرحوم کی دن رات کی مصروفیتوں کو سفر و حضر میں بار بار دیکھا ہے ان مصروفیات میں ایسی ضخیم کتابوں کی تصنیف کو حضرت مولانا مرحوم کی کرامت ہی کہا جاسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اہل علم کو ان کتابوں سے وہ فائدہ پہنچائے جس کی امید پر مولانا مرحوم نے یہ کتابیں لکھی تھیں، اور ان کو پوری طرح قبول فرمائے۔

سراپا

میانہ قد، خوش رو، رنگ کھلتا ہوا، بدن دوہرا، گھنی سیاہ داڑھی، بھرا ہوا چہرہ، آنکھوں میں بلا کی چمک اور کشش، خندہ پیشانی، سر پر عام طور سے رومال باندھتے اور دو پلی ٹوپی بھی پہنا کرتے، تہبند اور لانبا کرتا عام لباس تھا کبھی کبھی پاجامہ بھی پہنتے۔ پہلی نظر ڈالو تو معلوم ہوتا کسی گہری سوچ میں ہیں، اول اول ہیبت طاری ہوتی لیکن ذرا ہی دیر میں انس پیدا ہو جاتا، ہر ایک سمجھتا کہ سب سے زیادہ تعلق اس سے ہے، دین کے علاوہ کچھ نہ کہتے اور نہ سننا گوارہ کرتے، ذہن صاف، سینہ یقین سے بھرا ہوا، معلومات خاص کر عہد نبوی اور قرن صحابہؓ و تابعین سے متعلق وسیع سے وسیع تر، لبوں پر مسکراہٹ مگر دل میں آگ لگی ہوئی نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ نے ایسے ہی مردان خدا کیلئے کہا ہے ؎

تو اے افسردہ دل زاہد یکے در بزم رنداں شو   کہ بینی خندہ برلبہا و آتش پارہ در دلہا

بات کرتے کرتے آستین چڑھاتے پھر اتارتے، تھوڑی دیر بعد ایک آہ بھرتے جو درد واندوہ میں ڈوبی ہوتی، اضطراب و بے کلی نے ایک سیمابی کیفیت پیدا کر دی تھی جنہوں نے قریب سے نہیں دیکھا ان کیلئے سمجھنا مشکل ہے اور جنہوں نے دیکھا انہوں نے یقین کیا کہ وہ اس دور میں اللہ کی ایک نشانی تھے انھیں دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرامؓ کے درد و فکر کو سمجھنا آسان ہو جاتا تھا۔

مکتوبات

حضرت مولانا محمد یوسفؒ کے دعوتی مکاتیب
اور ہدایت نامے جو مختلف اوقات میں
دینی کام کرنے والی جماعتوں کو اور اس کام کے
ذمہ دار افراد کو لکھے گئے

ہم نے جب اس خاص اشاعت کا ارادہ کیا تو ہماری سب سے بڑی خواہش اور فکر یہ تھی کہ ہم کو حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مکاتیب مل جائیں، کیونکہ ان کی دعوت اوران کے درد و سوز اور ان کے یقین کے جاننے سمجھنے کا سب سے مستند ذریعہ ان کے بعد ان کے خطوط ہی ہو سکتے ہیں ____ اس کے لئے ہم نے دہلی کا ایک سفر بھی کیا لیکن وہاں ایک مکتوب کی نقل بھی محفوظ نہیں مل سکی ____ اس کے بعد اللہ نے مدد فرمائی اور ہمیں معلوم ہوا کہ حضرت مولانا مرحوم کے خطوط کا ایک اچھا خاصا ذخیرہ خود ہمارے پاس یعنی دارالعلوم ندوۃ العلماء کے کتب خانہ میں محفوظ ہے، جس کو اب سے کئی سال پہلے ہمارے محترم دوست افتخار فریدی صاحب نے مختلف علاقوں کے حضرات سے حاصل کر کے اور ایک باقاعدہ فائل بنا کے حفاظت ہی کی نیت سے یہاں محفوظ کرا دیا ہے، ہم نے اس کو جا کر دیکھا اور اسے بڑا قیمتی ذخیرہ پایا ____ اگلے صفحات میں حضرت مولانا مرحوم کے جو مکاتیب قارئین کرام پڑھیں گے ان میں کے پہلے چھ مکتوب اسی ذخیرہ سے انتخاب کئے گئے ہیں ____ اس کے بعد ایک اہم مکتوب جناب مولانا عبدالعزیز صاحب گھلنوی سے حاصل ہوا مکتوب نمبر ۷ وہی ہے ____ اس کے بعد میاں جی محمد عیسیٰ کی عنایت سے ان کی مجلد بیاض ہم کو مل گئی جس میں انھوں نے حضرت مولانا مرحوم کے بہت سے اہم مکاتیب اور ہدایت نامے محفوظ کر رکھے ہیں۔ نمبر ۷ کے بعد جو مکاتیب درج کئے گئے ہیں وہ اس بیاض سے لئے گئے ہیں، البتہ مکتوب نمبر ۱۲ گجرات کے ایک مولوی صاحب کا بھیجا ہوا ہے۔ ان مکاتیب کی دستیابی کو ہم اس نمبر کی تیاری کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کا خاص فضل و کرم سمجھتے ہیں فلہ الحمد ولہ الشکر۔ اللہ تعالیٰ ان حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے جنھوں نے ان کو محفوظ رکھا اور جن کی عنایت سے یہ ہم کو ملے، حضرت مولانا مرحوم کے حال و کیف کی طرح ان کی زبان اور تعبیر بھی بالکل نرالی تھی، جو حضرات ان کی دعوت، ان کے درد اور ان کی خاص زبان سے واقف و آشنا ہیں وہ انشاء اللہ ان مکاتیب کی قدر و قیمت سمجھیں گے۔ (ادارہ)

[ذیل میں سب سے پہلے جو مکتوب درج کیا جارہا ہے، یہ تبلیغ کے مقصد، اصول، طریق کار، متوقع منافع و برکات اور اس راہ کی ضروری ہدایات پر بہت جامع ہے، حضرت مولانا مرحوم نے اس قدر تفصیل اور وضاحت سے شاید ہی کبھی کوئی مکتوب اس موضوع پر لکھا لکھایا ہو۔

تبلیغی کام سے تعلق رکھنے والے ایک صاحب نے بتلایا (اور خود خط کے بعض اجزاء سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے) کہ یہ مکتوب عمرہ کے لئے حجاز مقدس جانے والی ایک جماعت کے لئے حضرت مولانا مرحوم نے لکھا تھا جس کا ارادہ حجاز مقدس سے بعض دوسرے ممالک میں جانے کا بھی تھا تاکہ اس کی روشنی میں دوسرے ملکوں میں کام کی بنیاد صحیح پڑے۔]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محترمین و مکرمین بندہ زادنا اللہ وایاکم جھداً وسعیاً فی سبیلہ والھمنا وایاکم مراشد امورنا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ خداوند کریم سے امید ہے کہ آپ حضرات بعافیت ہوں گے۔ آپ حضرات کی دینی مساعی کی اطلاعات باعث مسرت اور باعث تقویت ہوتی ہیں۔ اللہ جل شانہٗ قبول فرمائیں، ترقیات عطا فرمادیں۔ آمین۔

اللہ رب العزت جل جلالہ وعم نوالہٗ نے انسانوں کی تمام کامیابیوں کا دار و مدار انسان کے اندرونی مایہ پر رکھا ہے۔ کامیابی اور ناکامی انسان کے اندر کے حال کا نام ہے باہر کی چیزوں کے نقشے کا نام کامیابی و ناکامی نہیں، عزت و ذلت، آرام و تکلیف، سکون و پریشانی، صحت و بیماری، انسان کے اندر کے حالات کا نام ہے ان حالات کے بننے یا بگڑنے کا باہر کے نقشوں سے تعلق بھی نہیں، اللہ جل شانہٗ ملک و مال کے ساتھ انسان کو ذلیل کر کے دکھادیں اور فقر کے نقشے میں عزت دے کر دکھادیں انسان کے اندر کی مایہ اس کا یقین اور اس کے اعمال ہیں اور انسان کے اندر کا یقین اور اندر سے نکلنے والے عمل اگر ٹھیک ہو نگے تو اللہ جل شانہٗ اندر کامیابی کی لذت حالت پیدا فرما دینگے خواہ چیزوں کا نقشہ کتنا ہی پست ہو۔ اللہ جل شانہٗ تمام کائنات کے ہر ذرے کے اور فرد کے خالق و مالک ہیں۔ ہر چیز کو اپنی قدرت سے بنایا ہے،

سب کچھ ان کے بنانے سے بنا ہے وہ بنانے والے ہیں خود بنے نہیں اور جو بنا ہوا ہے اس سے کچھ بنتا نہیں، جو کچھ قدرت سے بنا ہے وہ قدرت کے ماتحت ہے۔ ہر چیز پر ان کا قبضہ ہے۔ وہ ہی ہر چیز کو استعمال فرماتے ہیں وہ اپنی قدرت سے ان چیزوں کی شکلوں کو بھی بدل سکتے ہیں اور شکلوں کو قائم رکھ کر صفات کو بدل سکتے ہیں۔ لکڑی کو اژدہا بنا سکتے ہیں اور اژدہے کو لکڑی بنا سکتے ہیں۔ اسی طرح ہر شکل پر خواہ ملک کی ہو یا مال کی برق کی ہو یا بھاپ کی ان کا ہی قبضہ ہے اور وہ ہی تصرف فرماتے ہیں۔ جہاں سے انسان کو تعمیر نظر آتی ہے وہاں سے تخریب لاکر دکھادیں اور جہاں سے تخریب نظر آتی ہے وہاں سے تعمیر لاکر دکھادیں۔ تربیت کا نظام وہی چلاتے ہیں۔ ساری چیزوں کے بغیر ربیت پر ڈال کر پال دیں اور سارے ساز و سامان میں پرورش بگاڑ دیں۔

اللہ جل شانہ کی ذات عالی سے تعلق پیدا ہو جائے اور ان کی قدرت سے براہ راست استفادہ ہو اس کے لئے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی طرف سے طریقے لے کر آئے ہیں۔ جب ان کے طریقے زندگیوں میں آئیں گے تو اللہ جل شانہ ہر نقشے میں کامیابی دے کر دکھائیں گے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہِ میں اپنے یقین اور اپنے جذبے اور اپنے طریقے بدلنے کا مطالبہ ہے۔ صرف یقین کی تبدیلی پر ہی اللہ پاک اس زمین و آسمان سے کئی گنا زیادہ بڑی جنت عطا فرمائیں گے۔ جن چیزوں میں سے یقین نکل کر اللہ کی ذات میں آئے گا۔ ان ساری چیزوں کو اللہ پاک مسخر فرمادیں گے۔ اس یقین کو اپنے اندر پیدا کرنے کیلئے ایک تو اس یقین کی دعوت دینی ہے، اللہ کی بڑائی سمجھانی ہے، ان کی ربوبیت سمجھانی ہے، ان کی قدرت سمجھانی ہے، انبیاء اور صحابہ کے واقعات سنانے ہیں۔ خود تنہائیوں میں بیٹھ کر سوچنا ہے، دل میں اسی یقین کو اتارنا ہے جس کی مجمع میں دعوت دی ہے یہی حق ہے اور پھر رو رو کر دعا مانگنی ہے کہ اے اللہ اس یقین کی حقیقت سے نواز دے۔

اللہ جل شانہ کی قدرت سے براہ راست فائدے حاصل کرنے کے لئے نماز کا عمل دیا گیا ہے۔ سر سے لے کر پیر تک اللہ کی رضا والے مخصوص طریقے پر پابندیوں کے ساتھ اپنے کو استعمال کرو۔ آنکھوں کا، کانوں کا ہاتھوں کا، زبان کا، پیروں کا استعمال ٹھیک ہو، دل میں اللہ کا دھیان ہو، اللہ کا خوف ہو، یقین ہو کہ نماز میں اللہ کے حکم کے مطابق میرا ہر استعمال تکبیر و تسبیح، رکوع و سجدہ ساری کائنات سے زیادہ انعامات دلانے

والا ہے۔ اسی یقین کے ساتھ نماز پڑھ کر ہاتھ پھیلا کر مانگا جائے تو اللہ جل شانہ اپنی قدرت سے ہر ضرورت پوری کریں گے، ایسی نماز پر اللہ پاک گناہوں کو معاف بھی فرما دیں گے۔ رزق میں برکت بھی دیں گے طاعت کی توفیق بھی ملے گی۔ ایسی نماز سیکھنے کے لئے دوسروں کو خشوع و خضوع والی نماز کی ترغیب و دعوت دی جائے۔ اس پر آخرت اور دنیا کے نفع سمجھائے جائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کی نماز کو سنانا۔ خود اپنی نماز کو اچھا کرنے کی مشق کرنا۔ اہتمام سے وضو کرنا۔ دھیان جمانا، قیام میں، قعدہ میں، رکوع میں، سجدے میں بھی دھیان کم از کم تین مرتبہ جمایا جائے کہ اللہ مجھے دیکھ رہے ہیں۔ نماز کے بعد سوچا جائے کہ اللہ کی شان کے مطابق نماز نہ ہوئی۔ اس پر رونا اور کہنا کہ اے اللہ ہماری نماز میں حقیقت پیدا فرما۔

علم سے مراد یہ ہے کہ ہم میں تحقیق کا جذبہ پیدا ہو جائے۔ میرے اللہ مجھ سے اس حال میں کیا چاہتے ہیں اور پھر اللہ کے دھیان کے ساتھ اپنے آپ کو اس عمل میں لگا دینا یہ ذکر ہے، جو آدمی دین سیکھنے کے لئے سفر کرتا ہے اس کا یہ سفر عبادت میں لکھا جاتا ہے۔ اس مقصد کے لئے چلنے والے پیروں کے نیچے ستر ہزار فرشتے اپنے پر بچھاتے ہیں۔ زمین و آسمان کی ساری مخلوق ان کے لئے دعائے مغفرت کرتی ہے۔ شیطان پر ایک عالم ہزاروں عابدوں سے زیادہ بھاری ہے۔ دوسروں میں علم کا شوق پیدا کرنے کی کوشش کی جائے فضائل سنائے جائیں۔ خود تعلیم کے حلقوں میں بیٹھا جائے، علماء کی خدمت میں حاضری دی جائے اس کو بھی عبادت یقین کیا جائے اور رو رو کر مانگا جائے کہ اللہ جل شانہ علم کی حقیقت عطا فرما دیں ہر عمل میں اللہ جل شانہ کا دھیان پیدا کرنے کے لئے اللہ کا ذکر ہے۔ جو آدمی اللہ جل شانہ کو یاد کرتا ہے اللہ جل شانہ اس کو یاد فرماتے ہیں۔ جب تک آدمی کے ہونٹ اللہ کے ذکر میں ہلتے رہتے ہیں اللہ جل شانہ اس کے ساتھ ہوتے ہیں، اللہ پاک اپنی محبت و معرفت عطا فرماتے ہیں۔ اللہ کا ذکر شیطان سے حفاظت کا قلعہ ہے۔ خود اللہ جل شانہ کا دھیان پیدا کرنے کے لئے دوسروں کو اللہ کے ذکر پر آمادہ کرنا۔ ترغیب دینا۔ خود دھیان جما کر کہ میرے اللہ مجھے دیکھ رہے ہیں۔ ذکر کرنا اور رو رو کر دعا مانگنا کہ اے اللہ مجھے ذکر کی حقیقت عطا فرما۔

ہر مسلمان کا بحیثیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی ہونے کے اکرام بھی کرنا ہے، ہر امتی کے آگے بچھ جانا۔ ہر شخص کے حقوق کو ادا کرنا اور اپنے حقوق کا مطالبہ نہ کرنا۔ جو آدمی مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا، اللہ جل شانہٗ اس کی پردہ پوشی فرمائیں گے۔ جب تک آدمی اپنے مسلمان بھائی کے کام میں لگا رہتا ہے اللہ جل شانہٗ اس کے کام میں لگے رہتے ہیں جو اپنے حق کو معاف کردے گا اللہ جل شانہٗ اس کے جنت کے بیچ میں محل عطا فرمائیں گے۔ جو اللہ کے لئے دوسروں کے آگے تذلل اختیار کریگا اللہ جل شانہٗ اس کو رفعت و بلندی عطا فرمائیں گے، اس کے لئے دوسروں میں ترغیب کے ذریعہ اکرام مسلم کا شوق پیدا کرنا ہے۔ مسلمان کی قیمت بتانی ہے، حضور اکرم اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے اخلاق، ہمدردی اور ایثار کے واقعات سنانے ہیں۔ خود اس کی مشق کرنی ہے اور رو رو کر اللہ جل شانہٗ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کی توفیق مانگنی ہے۔

ہر عمل میں اللہ جل شانہٗ کی رضا کا جذبہ ہو، کسی عمل سے دنیا کی طلب یا اپنی حیثیت بنانا مقصود نہ ہو۔ اللہ کی رضا کے جذبے سے تھوڑا سا عمل بھی بہت انعامات دلوائے گا اور اس کے بغیر بہت بڑے بڑے عمل بھی گرفت کا سبب بنیں گے۔ اپنی نیت کو درست کرنے کے لئے دوسروں میں دعوت کے ذریعہ تصحیح نیت کا فکر و شوق پیدا کیا جائے۔ اپنے آپ پر عمل سے پہلے اور ہر عمل کے دوران نیت کو درست کرنے کی مشق کی جائے۔ میں اللہ کو راضی کرنے کے لئے یہ عمل کر رہا ہوں، اور عمل کی تکمیل پر اپنی نیت کو ناقص قرار دے کر توبہ و استغفار کی جائے اور رو رو کر اللہ جل شانہٗ سے اخلاص مانگا جائے۔

آج امت میں کسی حد تک انفرادی اعمال کا رواج ہے گو ان کی حقیقت نکلی ہوئی ہے۔
حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کے طفیل پوری امت کو دعوت والی محنت ملی تھی اس کے بندوں کا تعلق اللہ جل شانہٗ سے قائم ہو جائے اس کے لئے انبیاء علیہم السلام والے طرز پر اپنی جان و مال کو جھونک دینا اور جن میں محنت کر رہے ہیں ان سے کسی چیز کا طالب نہ بننا اس کے لئے ہجرت بھی کرنا اور نصرت بھی کرنا۔ جو زمین والوں پر رحم کرتا ہے آسمان والا ان پر رحم کرتا ہے، جو دوسروں کا تعلق اللہ جل شانہٗ سے جوڑنے کے لئے ایمان و عمل صالح کی محنت کریں گے، اللہ جل شانہٗ ان کو سب سے پہلے ایمان

وعمل صالح کی حقیقتوں سے نواز کر اپنا تعلق عطا فرمائیں گے، اس راستے میں ایک صبح یا ایک شام کا نکلنا پوری دنیا اور جو کچھ اس میں ہے (باعتبار اعمال کے بھی اور باعتبار چیزوں کے بھی) اس سب سے بہتر ہے اس راستے میں ہر مال کے خرچ اور اللہ کے ہر ذکر و تسبیح اور ہر نماز کا ثواب، لاکھ گنا ہو جاتا ہے۔ اس راستے میں محنت کرنے والوں کی دعائیں بنی اسرائیل کے انبیاء علیہم السّلام کی دعاؤں کی طرح قبول ہوتی ہیں یعنی جس طرح ان کی دعاؤں پر اللہ جل شانہٗ نے ظواہر کے خلاف اپنی قدرت کو استعمال فرما کر ان کو کامیاب فرمایا اور باطل خاکوں کو توڑ دیا۔ اسی طرح اس محنت کے کرنے والوں کی دعاؤں پر اللہ جل شانہٗ ظواہر کے خلاف اپنی قدرت کے مظاہرے فرمائیں گے اور اگر عالمی بنیاد پر محنت کی گئی تو تمام اہل عالم کے قلوب میں اُنکی محنت کے اثر سے تبدیلیاں لائیں گے۔ دین کے دوسرے اعمال کی طرح ہمیں یہ محنت بھی کرنی نہیں آتی۔ دوسروں کو اس محنت کے لئے آمادہ کرنا ہے، اس کی اہمیت اور قیمت بتانی ہے، انبیاءؑ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے واقعات سنانے ہیں، خود اپنے آپ کو قربانی کی شکلوں اور ہجرت و نصرت والے اعمال میں لگانا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین ہر حال میں اللہ کی راہ میں نکلے ہیں، نکاح کے وقت اور رخصتی کے وقت گھر میں ولادت کے موقع پر اور وفات کے موقع پر، سردی میں، گرمی میں، بھوک میں، فاقے میں صحت میں، بیماری میں، قوت میں ضعف میں، جوانی میں، بڑھاپے میں بھی نکلے ہیں اور رو رو کر اللہ جل شانہٗ سے مانگنا ہے کہ ہمیں اس عالی محنت کے لئے قبول فرما لے۔

ان چیزوں سے مناسبت پیدا کرنے کے لئے ہر شخص سے خواہ کسی شعبے سے متعلق ہو چار ماہ کا مطالبہ کیا جاتا ہے، اپنے مشاغل، ساز و سامان اور گھر بار سے نکل کر ان چیزوں کی دعوت دیتے ہوئے اور خود مشق کرتے ہوئے ملک به ملک اقلیم به اقلیم قوم به قوم، قریہ به قریہ پھریں گے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر امتی کو مسجد والا بنایا تھا، مسجد کے کچھ مخصوص اعمال دئیے تھے۔ ان اعمال سے مسلمانوں کا زندگی میں امتیاز تھا، مسجد میں اللہ کی بڑائی کی، ایمان کی اور آخرت کی باتیں ہوتی تھیں۔ اعمال سے زندگی بننے کی باتیں ہوتی تھیں عملوں کے ٹھیک کرنے کے لئے تعلیمیں ہوتی تھیں۔ ایمان و عمل صالح کی دعوت کے لئے ملکوں اور علاقوں میں جانے کی تشکیلیں بھی مسجد سے ہی ہوتی تھیں۔ اللہ کے ذکر کی مجلسیں مسجدوں میں ہوتی تھیں۔ یہاں

تعاون ایثار ہمدردیوں کے اعمال ہوتے تھے۔ ہر شخص حاکم محکوم، مالدار غریب، تاجر، زارع، مزدور، مسجدیں آکر زندگی سیکھتا تھا اور باہر جاکر اپنے اپنے شعبہ میں مسجد والے تاثر سے چلتا تھا، آج ہم دھوکے میں پڑ گئے کہ ہمارے پیسے سے مسجد چلتی ہے، مسجدیں اعمال سے خالی ہوگئیں اور چیزوں سے بھر گئیں حضور صلعم نے مسجد کو بازار والوں کے تابع نہیں کیا۔ حضور صلعم کی مسجد میں نہ بجلی تھی نہ پانی تھا نہ غسل خانے تھے، خرچ کی کوئی شکل نہ تھی۔ مسجد میں آکر داعی بنتا تھا معلّم اور متعلّم بنتا تھا، ذاکر بنتا تھا، نمازی بنتا تھا، مطیع بنتا تھا۔ متقی زاہد بنتا تھا، خلیق بنتا تھا، باہر جاکر ٹھیک زندگی گذارتا تھا، مسجد بازار والوں کو چلاتی تھی۔ ان چار ماہ میں ہر جگہ جاکر مسجدوں میں ہر امتی کو لانے کی مشق کریں، مسجد والے اعمال کو سیکھتے ہوئے دوسروں کو یہ محنت سیکھنے کے لئے تین چلوں کے واسطے آمادہ کریں۔

واپس اپنے مقام پر آکر اپنی بستی کی مسجد میں ان اعمال کو زندہ کرنا ہے، ہفتہ میں دو مرتبہ گشت کے ذریعہ بستی والوں کو جمع کر کے انہی چیزوں کی طرف متوجہ کرنا اور مشق کے لئے فی گھر ایک نفر تین چلوں کے لئے باہر نکلنا ہے۔ ایک گشت اپنی مسجد کے ماحول میں اور دوسرا گشت دوسری مسجد کے ماحول میں کریں۔ ہر مسجد میں مقامی جماعت بھی بنائیں۔ ہر مسجد کے احباب روزانہ فضائل کی تعلیم کریں۔ اپنے شہر یا بستی کے قریب دیہات میں کام کی فضا بنے اس کے لئے ہر مسجد سے تین یوم کے لئے جماعتیں پانچ کوس کے علاقے میں جائیں، ہر دوست مہینے میں تین یوم پابندی سے لگائے "اَلْحَسَنَةُ بِعَشْرِ اَمْثَالِهَا" کے مصداق تین دن پر تیس دن کا ثواب ملے گا۔ پورے سال ہر مہینے تین دن لگائے تو سارا سال اللہ کی راہ میں شمار ہوگا۔ اندرون ملک کے تقاضے پورے ہوتے رہیں اور اپنی مشق قائم رہے اور جاری رہے اس کے لئے ہر سال اہتمام سے چلہ لگایا جائے عمر میں کم از کم تین چلے، سال میں چلہ، مہینے میں تین یوم، ہفتہ میں دو گشت روزانہ تعلیم، تسبیحات، تلاوت، یہ کم سے کم نصاب ہے کہ ہماری زندگی دین والی بنتی رہے، اگر ہم یوں چاہیں کہ ہم سب بنیں اجتماعی طور پر پوری انسانیت کی زندگی کے صحیح رُخ پر آنے اور باطل کے ٹوٹنے کا، تو اس کے لئے اس نصاب سے بھی آگے بڑھنا ہوگا۔ ہمارے وقت اور ہماری آمدنی کا نصف اللہ کی راہ میں لگے اور نصف کاروبار اور گھر کے مسائل میں یا کم از کم یہ کہ ایک تہائی وقت و آمدنی اللہ کی راہ میں اور دو تہائی اپنے مشاغل

ہیں۔ یعنی ہر سال چار ماہ کی ترتیب بٹھائی جائے۔

آپ حضرات عمر میں کم از کم تین چلوں کی دعوت خوب جم کر دیں، اس میں بالکل نہ گھبرائیں، اس کے بغیر زندگیوں کے رُخ نہ بدلیں گے، جن احباب نے خود ابھی تین چلّے نہ دیئے ہوں وہ بھی اس نیت سے خوب جم کر دعوت دیں کہ اللہ جل شانہٗ اس کے لئے ہمیں قبول فرمالے۔

گشت کا عمل اس کام میں ریڑھ کی ہڈی کی سی اہمیت رکھتا ہے۔ اگر یہ عمل صحیح ہوگا قبول ہوگا، دعوت قبول ہوگی۔ دعوت قبول ہوگی دعا قبول ہوگی۔ دعا قبول ہوگی ہدایت آئیگی۔ اور اگر گشت قبول نہ ہوا تو دعوت قبول نہ ہوگی۔ دعوت قبول نہ ہوئی دعا قبول نہ ہوگی۔ دعا قبول نہ ہوئی ہدایت نہیں آئیگی۔

گشت کا موضوع یہ ہے کہ اللہ جل شانہٗ نے ہماری دنیا اور آخرت کے مسائل کا حل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر زندگی گذارنے میں رکھا ہے۔ ان کے طریقے ہماری زندگیوں میں آجائیں، اس کے لئے محنت کی ضرورت ہے۔ اس محنت پر بستی والوں کو آمادہ کرنے کے لئے گشت کے لئے مسجد میں جمع کرنا ہے۔ نماز کے بعد اعلان کر کے لوگوں کو روکا جائے، اعلان کوئی بستی کا بااثر آدمی یا امام صاحب کریں تو زیادہ مناسب ہے، وہ ہم کو کہیں تو ہمارے ساتھی کردیں۔ پھر گشت کی اہمیت ضرورت اور قیمت بتائی جائے، اس کے لئے آمادہ کیا جائے جو تیار ہوں ان کو اچھی طرح آداب سمجھائیں۔ اللہ کا ذکر کرتے ہوئے چلنا ہے۔ نگاہیں نیچی ہوں۔ ہمارے تمام مسائل کا تعلق اللہ جل شانہٗ کی ذات سے ہے، ان بازار میں پھیلی ہوئی چیزوں سے کسی مسئلہ کا تعلق نہیں۔ چیزوں پر نگاہ نہ پڑے، دھیان نہ جائے، اگر نگاہ پڑ جائے تو مٹی کے ڈلے معلوم ہوں، ہمارا دل اگر ان چیزوں کی طرف پھر گیا تو پھر ہم جن کے پاس جارہے ہیں انکا دل ان چیزوں سے اللہ کی طرف کیسے پھرے گا۔ قبر کا داخلہ سامنے ہو۔ اسی زمین کے نیچے جانا ہے۔ مل جل کر چلیں۔ ایک آدمی بات کرے کامیاب ہے وہ بات کرنے والا جو مختصر بات کر کے آدمی کو مسجد میں کھینچ دے بھائی ہم مسلمان ہیں، ہم نے کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھا ہے۔ ہمارا یقین ہے اللہ پالنے والے ہیں، نفع ونقصان، عزت وذلت اللہ کے ہاتھ میں ہے، اگر ہم اللہ کے حکم پر حضرت محمدؐ کے طریقے پر زندگی گزاریں گے، اللہ راضی ہو کر ہماری زندگی بنادیں گے۔ ہم سب کی زندگی اللہ جل شانہٗ کے حکم

کے مطابق حضرت محمدؐ کے طریقہ پر آجائے اس کے لئے بھائی مسجد میں کچھ فکر کی بات ہو رہی ہے۔
نماز پڑھ چکے ہوں تو بھی اٹھا کر مسجد میں بھیج دیں۔ضرورت ہو تو آگے نماز کو بھی مسجد میں فوری جانے کا عنوان بنا لیں"۔ اللہ کا سب سے بڑا حکم نماز ہے۔ نماز پڑھیں گے اللہ روزی میں برکت دیں گے، گناہوں کو معاف کر دیں گے، دعاؤں کو قبول فرمالیں گے۔ بشارتیں سنائی جائیں وعیدیں نہیں۔ نماز کا وقت جا رہا ہے مسجد میں چلئے۔

امیر کی اطاعت کرنی ہے۔ واپسی میں استغفار کرتے ہوئے آنا ہے۔ اب آداب کا مذاکرہ کرنے کے بعد دعا مانگ کر چل دیں۔ گشت میں دس آدمی جائیں۔ مسجد کے قریب مکانات پر گشت کر لیں، مکانات نہ ہوں تو بازار میں کر لیں۔ جماعت میں زیادہ آدمی ایسے ہوں جو گشت میں اصولوں کی پابندی کر لیں۔ مسجد میں دو تین آدمی چھوڑ دیں، نئے آدمی زیادہ تیار ہو جائیں تو ان کو بھی سمجھا کر مسجد میں مشغول کر دیں، نئے آدمی تین چار ساتھ ہوں، مسجد میں ایک ساتھی اللہ جل شانہٗ کی طرف متوجہ ہو کر ذکر و دعا میں مشغول رہے ایک آنے والوں کا استقبال کرے۔ ضرورت ہو تو وضو کروا کر نماز پڑھوا دے اور ایک ساتھی آنے والوں کو نماز تک مشغول رکھے۔ اپنی زندگی کا مقصد سمجھائے۔ پونے گھنٹے گشت ہو۔ نماز سے سات آٹھ منٹ پہلے گشت ختم کر دیں۔ سب تکبیر اولیٰ کے ساتھ نماز میں شریک ہوں جس ساتھی کے بارہ میں مشورہ ہو جائے وہ دعوت دے یہ سمجھائے کہ اللہ جل شانہٗ کی ذات عالی سے تعلق قائم ہوا تو دنیا اور آخرت میں کیا نفع ہوگا۔ اور اگر اللہ جل شانہٗ کی ذات عالی سے تعلق قائم نہ ہوا تو دنیا اور آخرت میں کیا نقصان ہوگا جیسے اس خط کے شروع میں چھ نمبروں کا تذکرہ کیا ہے اس طرز پر ہر نمبر کا مقصد اس کا نفع اور قیمت اور حاصل کرنے کا طریقہ بتایا جائے۔ سادے انداز میں بیان ہو۔ اس سے ان شاء اللہ مجمع کی سمجھ میں کام آئے گا اور اس کی ضرورت بھی محسوس کرے گا اور سمجھے گا کہ ہم بھی سیکھ سکتے ہیں۔ ہمارے ساتھی بھی دعوت میں اہتمام سے جم کر بیٹھیں۔ متوجہ ہو کر محتاج بن کر سنیں، جو بات کہہ رہا ہے ہم اپنے دل میں کہیں کہ حق ہے اس سے دل میں ایمان کی لہریں اٹھیں گی اور عمل کا جذبہ بنے گا۔ تین چلوں کی بات جم کر رکھی جائے نقد نام لئے جائیں اس کے بعد چلوں کے لئے وقت

لکھوائے جائیں اور پھر جو جس وقت کے لئے تیار ہو اس کو قبول کر لیا جائے۔ مطالبہ اور تشکیل کے وقت محنت ساری دعوت کا مغز بنتا ہے، اگر مطالبوں پر جم کر محنت نہ ہوئی تو پھر کام کی باتیں رہ جائیں گی اور قربانی وجود میں نہ آئے گی تو کام کی جان نکل جائے گی۔ دعوت دینے والا ہی مطالبہ کرے۔ ایک آدمی کھڑے ہو کر نام لکھے۔ نام لکھنے والا مستقل تقریر شروع نہ کرے، ایک دو جملے ترغیبی کہہ سکتا ہے پھر آپس میں ایک دوسرے کو آمادہ کرنے کو کہا جائے، فکر کے ساتھ اپنے قریب بیٹھنے والوں کو تیار کریں۔ اعذار کا دلجوئی اور ترغیب کے ساتھ حل بتائیں۔ نبیوں اور صحابہ کی قربانیوں کے قصوں کی طرف اشارے کریں اور پھر آمادہ کریں۔ آخر میں مقامی جماعت بنا کر ان کے ہفتے کے دو گشت روزانہ تعلیم تسبیحات، مہینے کے تین یوم وغیرہ کا نظم طے کرائیں۔

دعوت میں انبیاءؑ اور صحابہؓ کے ساتھ اللہ جل شانہ نے جو مدد یں فرمائی ہیں وہ تو بیان کی جائیں اور جو ہمارے ساتھ مدد یں ہوئیں ان کو بیان نہ کیا جائے۔ دعوت میں فضاء حاضرہ کی باتیں نہ کی جائیں۔ امت میں جو ایمانی، عملی، اخلاقی کمزوریاں آچکیں ان کے تذکرے سے بہتر ہے کہ اصلی خوبیوں کی طرف یعنی جو بات پیدا ہونی چاہئے اس کی طرف متوجہ کریں۔

تعلیم میں دھیان، عظمت، محبت، ادب اور توجہ کے ساتھ بیٹھنے کی مشق کی جائے، سہارا نہ لگایا جائے، باوضو بیٹھنے کی کوشش ہو طبیعت کے بہانوں کی وجہ سے تعلیم کے دوران نہ اٹھا جائے، باتیں نہ کی جائیں، اگر اس طرح بیٹھیں گے تو فرشتے اس مجلس کو ڈھانک لیں گے۔ اہل مجلس میں طاعت کا مادہ پیدا ہوگا۔ عظمت کی مشق سے حدیث پاک کا وہ نور دل میں آئے گا جس پر عمل کی ہدایت ملتی ہے۔ بیٹھتے ہی آداب اور مقصد کی طرف متوجہ کیا جائے۔ مقصد یہ ہے کہ ہمارے اندر دین کی طلب پیدا ہو جائے۔ فضائل قرآن مجید پڑھ کر تھوڑی دیر کلام پاک کی ان سورتوں کی تجوید کی مشق کی جائے جو عموماً نمازوں میں پڑھی جاتی ہیں۔ التحیات، دعائے قنوت وغیرہ کا مذاکرہ و تصحیح اجتماعی تعلیم میں نہ ہو۔ انفرادی سیکھنے سکھانے میں ان کی تصحیح کریں۔ اللہ پاک توفیق دیں تو ہر کتاب میں سے تین چار صفحے پڑھے جائیں۔ تعلیم میں اپنی طرف سے تقریر نہ ہو حدیث شریف پڑھنے کے بعد دو تین جملے ایسے کہہ دیئے جائیں کہ اس عمل کا جذبہ و شوق ابھر آئے۔ حضرت شیخ الحدیث

مولانا محمد زکریا صاحب دامت برکاتہم کی تالیف فرمودہ فضائل قرآن مجید، فضائل نماز، فضائل تبلیغ، فضائل ذکر فضائل صدقات حصہ اوّل دوم، فضائل رمضان، فضائل حج (ایام حج و رمضان میں) اور مولانا احتشام الحسن صاحب کاندھلوی دام مجدہٗ کی (مسلمانوں کی موجودہ پستی کا واحد علاج) صرف یہ کتابیں ہیں جن کو اجتماعی تعلیم میں پڑھنا اور سننا ہے اور تنہائیوں میں بیٹھ کر بھی ان کو پڑھنا ہے۔ کتابوں کے بعد چھ نمبروں کا مذاکرہ ہو، ساتھیوں سے نمبر بیان کرائے جائیں۔ جب تعلیم شروع کی جائے تو اپنے میں سے دو ساتھیوں کو تعلیم کے گشت کے لئے بھیج دیا جائے۔ ۱۵۔۲۰ منٹ بعد وہ آجائیں تو دوسرے ساتھی چلے جائیں۔ اس طرح بستی والوں کو تعلیم میں شریک کرنے کی کوشش ہوتی رہے۔ باہر نکلنے کے زمانے میں روزانہ صبح اور بعد ظہر دونوں وقت تعلیم دو تین گھنٹے کی جائے اور اپنے مقام پر روزانہ اسی ترتیب سے ایک گھنٹہ تعلیم ہو یا ابتداءً جتنی دیر احباب جُڑ سکیں کام کے تقاضوں کو سوچنے ان کی ترتیب قائم کرنے، ان تقاضوں کو پورا کرنے کی شکلیں بنانے میں اور جو احباب اوقات فارغ کریں ان کی مناسب تشکیل میں اور جو مسائل ہوں احباب کو مشورہ میں جوڑا جائے۔

اللہ جل شانہٗ کے دھیان اور فکر کے ساتھ دعائیں مانگ کر مشورہ میں بیٹھیں، مشورہ میں اپنی رائے پر اصرار اور عمل کرانے کا جذبہ نہ ہو، اس سے اللہ کی مدد یں ہٹ جاتی ہیں جب رائے طلب کی جائے امانت سمجھ کر جو بات اپنے دل میں ہو کہہ دی جائے، رائے رکھنے میں نرمی ہو کسی ساتھی کی رائے سے تقابل کا طرز نہ ہو میری رائے میں میرے نفس کے شرور شامل ہیں یہ دل کے اندر خیال ہو۔ اگر فیصلہ کسی دوسری رائے پر ہوگیا تو اس کی خوشی ہو کہ میرے شرور سے حفاظت ہوگئی اور اگر اپنی رائے پر فیصلہ ہو جائے تو خوف ہو اور زیادہ دعائیں مانگی جائیں ہمارے ہاں فیصلہ کی بنیاد کثرت رائے نہیں ہے اور ہر معاملہ میں ہر ایک سے رائے لینا بھی ضروری نہیں ہے دل جوئی سب کی ضروری ہے۔ امیر کو اس بات کا یقین ہو کہ ان احباب کے فکر اور مل کر بیٹھنے کی برکت سے اللہ جل شانہٗ صحیح بات کھول دیں گے۔ امیر اپنے آپ کو مشورہ کا محتاج سمجھے رائے لینے کے بعد غور و فکر سے جو مناسب سمجھ میں آتا ہو وہ کہہ دے۔ بات اس طرح رکھے کہ کسی کی رائے کا استخفاف نہ ہو۔ اگر طبیعتیں مختلف ہوں تو اس بات پر شوق و رغبت کے ساتھ آمادہ کرلے، اور ساتھی امیر کی بات پر ایسے شوق سے چلیں جیسے کہ ان کی ہی رائے طے پائی ہے اسی میں تربیت ہے اگر اس کے بعد عملاً ایسی شکل نظر آئے کہ ہماری رائے زیادہ مناسب تھی پھر بھی

ہرگز طعنہ نہ دیا جائے یا اشارہ کنایہ بھی نہ کیا جائے۔ اسی میں خیر کا یقین کیا جائے جوامیروں کو طعنہ دے اس کے لئے سخت وعید آئی ہے۔

جب محلوں کی مساجد میں ہفتوں کی دوگشتوں کے ذریعہ فی گھر ایک آدمی تین چلے کے لئے نکلنے کی آواز لگ رہی ہوگی، تعلیموں اور تسبیحات پر احباب جڑ رہے ہوں گے، ہر مسجد سے تین دن کے لئے جماعتیں نکالنے کی کوششیں ہو رہی ہوں گی تو شب جمعہ کا اجتماع صحیح نہج پر ہوگا اور کام کے بڑھنے کی صورتیں بنیں گی۔ جمعرات کو عصر کے وقت سے محلوں کی مساجد کے احباب اپنی اپنی جماعتوں کی صورتیں بستر اور کھانا ساتھ لے کر اجتماع کی جگہ پر پہنچیں۔ مشورے سے ایسے احباب سے عموماً دعوت دلوائی جائے جو محنت کے میدان میں ہوں اور جن کی طبیعت پر کام کے تقاضے غالب ہوں بہت ہی فکر و اہتمام سے تشکیلیں کی جائیں۔ اگر اوقات وصول نہ ہوں تو رات کو بھی محنت کی جائے رو رو کر مانگا جائے، صبح کو جماعتوں کی تشکیل کر کے ہدایات دے کر روانہ کیا جائے، تین دن کی محلوں سے تیار ہو کر آئی ہوئی جماعتیں عموماً سات آٹھ میل تک بھیجی جائیں ہر شب جمعہ سے تین چلوں اور چلوں کی جماعتوں کے نکلنے کا رُخ پڑنا چاہئے اگر شب جمعہ میں خدانخواستہ سب تقاضے پورے نہ ہو سکے تو سارے ہفتے اپنے محلوں میں پھر اس کے لئے کوشش کی جائے اور آئندہ شب جمعہ میں محلوں سے تقاضوں کے لئے لوگوں کو تیار کر کے لایا جائے۔

بھائی دوستو یہ کام بہت نازک ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک محنت فرمائی، اس محنت سے سارے انسانوں کی ساری زندگی کے کمانے کھانے، بیاہ شادی، میل ملاقات، عبادات معاملات وغیرہ کے طریقوں میں مکمل تبدیلیاں آئیں تو آپ نے خود اس محنت کے کتنے طریقے بتلائیں ہوں گے، ہمیں ابھی یہ کام کرنا نہیں آتا اور نہ ابھی حقیقی کام شروع ہوا ہے۔ کام اس دن شروع ہوگا جب ایمان و یقین، اللہ کی محبت اللہ کے دھیان، آخرت کی فکر، اللہ کے خوف و خشیت، زہد و تقویٰ سے بھرے ہوئے لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عالی اخلاق سے مزین ہو کر اللہ کی رضا کے جذبے سے مخمور ہو کر اللہ کی راہ میں جان دینے کے شوق سے کھنچے کھنچے پھریں گے۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں "اللہ رحم کرے خالدؓ پر اس کے دل کی تمنا صرف یہ تھی کہ حق اور حق والے چمک جائیں اور باطل اور باطل والے مٹ جائیں اور کوئی تمنا ہی نہ تھی"۔ ابھی جو ہم کو کام

کی برکتیں نظر آرہی ہیں وہ کام شروع ہونے سے پہلے کی برکتیں ہیں، جیسے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے وقت سے ہی برکتوں کا ظہور شروع ہوا تھا لیکن اصل کام اور اصل برکتیں چالیس سال بعد شروع ہوئیں۔ ابھی تو اس کے لئے محنت ہو رہی ہے کہ کام کرنے والے تیار ہو جائیں۔ اللہ جل شانہٗ کام ان سے لیں گے اور ہدایت پھیلنے کا ذریعہ ان کو بنائیں گے جس کی زندگی اپنی دعوت کے مطابق بدلے گی جن کی زندگیوں میں تبدیلی نہ آئے گی، اللہ جل شانہٗ ان سے اپنے دین کا کام نہ لیں گے یہ نبیوں والا کام ہے۔

اس کام میں اگر اپنے آپ کو اصول سیکھنے کا محتاج نہ سمجھا گیا اور اصولوں کے مطابق کام نہ ہوا تو سخت فتنوں کا خطرہ ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب باہر ملکوں میں کام شروع کرنے کا ارادہ فرمایا تو پہلے تمام صحابہ کو تین تین دن تک ترغیب دی اور پھر فرمایا کہ جس طرز پر یہاں کام ہوا ہے بالکل اسی طرز پر باہر جا کر بھی کرنا ہے۔ اس کام کی نوعیت یہی ہے، مقام زبان معاشرت موسم وغیرہ کے اعتبار سے اس کام کے اصول نہیں بدلتے اس کام کی نہج اور اصولوں کو سیکھنے اور ان پر قائم رہنے کیلئے اس فضا میں آنا اور بار بار آتے رہنا انتہائی ضروری ہے، جہاں حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے جان کھپائی تھی اور ان کے ساتھ اختلاط بھی بہت ضروری ہے جو اس جدوجہد میں حضرتؒ کے ساتھ تھے اور جب سے اب تک اس فضا میں اور کام میں مسلسل لگے ہوئے ہیں اس کے بغیر کام کا اپنے نہج اور اصولوں پر قائم رہنا بظاہر ممکن نہیں، اس لئے اپنے کام کرنے والے احباب کو ایسی فضا میں اہتمام سے نوبت بہ نوبت بھیجتے رہیں۔

تمام انبیاء علیہم السّلام اپنے اپنے زمانے میں کسی نہ کسی نقشے کے مقابلہ پر آئے اور بتایا کہ کامیابی کا اس نقشے سے بالکل تعلق نہیں ہے، کامیابی کا تعلق براہ راست اللہ جل شانہٗ کی ذات عالی سے ہے اگر عمل ٹھیک ہوں گے اللہ جل شانہٗ چھوٹے نقشے میں بھی کامیاب کر دیں گے اور عمل خراب ہوں گے اللہ جل شانہٗ بڑے سے بڑے نقشے کو توڑ کر ناکام کر کے دکھائیں گے۔ کامیاب ہونے کے لئے اس نقشے میں عمل ٹھیک کرو۔ ہر نبی نے اپنے رائج الوقت نقشے کے مقابلہ پر محنت کی اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمام اکثریت، حکومت مال، زراعت اور صنعت کے نقشوں کے مقابلہ پر تشریف لائے۔ آپ کی محنت ان نقشوں سے نہیں چلی۔ آپ کی

محنت مجاہدوں اور قربانیوں سے چلی ہے۔ باطل تعیش کے نقشے سے پھیلتا ہے تو حق تکلیفیں اٹھانے سے پھیلتا ہے، باطل ملک و مال سے چمکتا ہے تو حق فقر و غربت کی مشقتوں میں چمکتا ہے۔ جتنے فتنے ملک و مال اور تعیش کی بنیاد پر لائے جارہے ہیں ان کا توڑ حق کے لئے فقر و غربت اور تکالیف برداشت کرنے میں ہے۔ اب اس کام کے ذریعہ امت میں مجاہدہ اور قربانی کی استعداد پیدا کرنی ہے۔ اس کام کے لئے بڑا خطرہ یہ ہے کہ اس کو نقشوں پر منحصر کر دیا جائے، اس سے کام کی جان نکل جائے گی۔ اس کام کی حفاظت اسمیں ہے کہ کام کرنے والے اس کام کے لئے تمام میسر نقشوں کو بھی قربان کرتے ہوئے مجاہدے والی شکلوں کو قائم رکھیں اور کسی صورت میں مجاہدے والی شکلوں کو ختم نہ ہونے دیں۔ غریبوں میں اپنی محنت کو بڑھایا جائے پیدل جماعتیں چلائی جائیں۔ لوگ آئیں گے کہ یہ ہمارا پیسہ دین کے کام میں خرچ کر لیجئے، پھر نقشے کی قربانی دینی ہوگی۔ کہہ دیجئے کہ جناب یہاں اس کام میں خرچ کرنے کا صحیح اور پاک طریقہ و جذبہ سکھایا جاتا ہے پھر محل تلاش کر کے خود خرچ کر دیجئے گا۔ یہاں تو طریقہ سیکھ لیجئے۔

اس کام کی تعمیم کے لئے رواجی طریقوں، اخبار، اشتہار، پریس وغیرہ اور رواجی الفاظ سے بھی پورے پرہیز کی ضرورت ہے۔ یہ کام سارا غیر رواجی ہے، رواجی طریقوں سے رواج کو تقویت پہنچے گی اس کام کو نہیں۔

اصل کام کی شکلیں دعوت، گشت، تعلیم، تشکیل وغیرہ ہیں۔ مشوروں کی ضرورت ہو مناسب دوستوں کو الگ کر کے مشورہ کر لیا جائے ایسا نہ ہو کہ مشورہ کرنے والوں کا کسی موقع پر عمومی اعمال سے جوڑ نہ رہے۔

کالجوں کے طلباء میں اس کام کو اٹھایا جائے۔ ہاسٹلوں میں مقامی کام کے لئے جماعتیں بنائی جائیں۔ ایک گشت ہوسٹل والے اپنے ہوسٹل میں کریں اور ہفتہ کا دوسرا گشت باہر کسی محلہ میں یا کسی دوسرے ہوسٹل میں کریں۔ قریب کے محلوں کی جماعتیں بھی ہوسٹلوں میں جا کر گشت کریں۔ ہوسٹل والے احباب اپنی روزانہ تعلیم اور مہینہ میں تین یوم کی بھی ترتیب اٹھائیں۔

مستورات میں کام کی نزاکتیں اور بھی زیادہ ہیں جب کہ بے پردگی کا احتمال ہو، عام اجتماعات میں مستورات کو بالکل نہ لایا جائے۔ اپنے اپنے محلہ میں کسی پردہ دار مکان میں قریب قریب کے مکانات سے

عورتیں کسی روز جمع ہو کر تعلیم کر لیا کریں۔ اس کی ابتدا اس طرح کریں کہ مرد جو بات اجتماعات، دعوت تعلیم وغیرہ سے سن کر جائیں اپنے گھر والوں کو سنائیں۔ اس سے انشاء اللہ تھوڑے عرصہ میں ذہن بننا شروع ہو جائیگا پھر محلوں میں تعلیم شروع ہونے کے بعد ایسا ہو سکتا ہے کہ سارے شہر کی مستورات کا ہفتہ میں ایک ایسی جگہ اجتماع ہو جہاں پردہ کا اہتمام ہو۔ وہاں تعلیم کے بعد پھر کوئی آدمی پردے کے ساتھ بیان کرے۔ کبھی کبھی ایک یوم یا تین یوم کے لئے قرب و جوار کے لئے جماعتیں بنائی جائیں۔ مستورات کی جماعت کے ساتھ ان کے خاوند ہوں ورنہ ہر عورت کے ساتھ اس کا شرعی محرم ساتھ ہو۔ پردے کے ساتھ جائیں۔ پردہ دار مکان میں ٹھہریں۔ مرد مسجد میں ٹھہر کر کام کریں۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جن مقامات سے محنت اٹھائی تھی انہی مقامات کے لوگوں کو اس محنت پر اٹھانے اور انہی راستوں سے اللہ کی راہ کی ملکوں والی نقل و حرکت کے زندہ ہونے کا ذریعہ یہ عمرے کا سفر بن سکتا ہے۔ ہر جگہ کے پرانوں سے اختلاط اور اس کام میں یکجہتی پیدا ہونے اور اصولوں کے تفصیل سے سامنے آنے کا یہ بہترین موقع ہے۔ محترمی حاجی حنیف صاحب اور بھائی محمد ادریس صاحب کی عمرے کے سفر کی تیاری کا حال معلوم کر کے بہت زیادہ مسرت ہوئی۔ اللہ جل شانہٗ قبول فرماوے۔ دیگر پرانے احباب کو بھی ہمراہ لانے کی سعی فرمائیں۔

یہ خط کچھ اصول لکھنے کی کوشش میں طویل ہو گیا۔ آپ حضرات اس کے ہر جزو اور ہر لفظ کو غور سے پڑھنے کی کوشش فرمائیں گے تو انشاء اللہ بہت زیادہ نفع کی توقع ہے۔ آپ حضرات اپنے یہاں کے حالات سے ہر پندرہویں روز مطلع فرما دیا کریں تو ہمیں تقویت ہوتی رہے۔ تمام احباب کو سلام مسنون۔

فقط والسلام

بندہ محمد یوسف عفرلہٗ

۲

(ایمان کی جد وجہد کے لئے دن کے اوقات میں ٹھوکریں کھانا اور رات کی اندھیریوں میں رونا عالم کے احوال کی درستی کا وسیلہ ہے)

(ذیل کا مکتوب تبلیغی کام کے ایک ذمہ دار کو "مکی مسجد" کراچی کے پتہ پر لکھا گیا۔)

مکرم ومحترم بندہ ۔ السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

خط کے ذریعہ احوال خیر ومساعی مبارکہ کی خبروں سے مسرت ہوئی۔ حق تعالیٰ شانہ مساعی کو مقبول اور بارآور فرماویں۔

میرے عزیز! اس عالم کے احوال کی سرسبزی وفروغ کا تعلق براہ راست اللہ رب العزت کے احکامات سے ہے، اور تمام احکاماتِ الٰہیہ کی سرسبزی وفروغ کا تعلق ایمان کے لئے جانیں کھپانے اور عالم میں ٹھوکریں کھانے کے ساتھ ہے۔ حق تعالیٰ شانہ نے محض اپنے فضل وکرم سے اپنے احباب کو ان عالی احکامات کی تعمیل کی صورت مرحمت فرمائی جس میں ایک طرف اللہ رب العزت کے تمام احکامات کی سرسبزی ہے۔ مبارک ہیں وہ لوگ جو عام مخلوق کی بے انتہا پریشانیوں اور مصائب وبلایا کے وقت اپنی زندگیوں کے جذبات کو قربان کر کے اللہ رب العزت کی رضا کے جذبہ پر اپنے کو نثار کردیں اور خوشنودیٔ باری تعالیٰ کے حصول کے ذریعہ اس عالم کے احوال کی درستگی کا ذریعہ بنیں۔

میرے عزیز! دین جیسی عظیم امانت کی سرسبزی کے لئے چلوں جیسے حقیر وقت کے فارغ کرنے کا رواج ایک معمولی سی بات ہے اور اس کا وجود جبکہ حق تعالیٰ شانہ کے قبضہ میں ہے اور ان سے وجود چاہنے کا طریق انبیاء کرام کے ذریعہ ہمیں بتا دیا گیا تو پھر یہ بھی مشکل نہیں۔ البتہ عمل کے صحیح رُخ کے ساتھ انہماک کو بڑھاتے ہوئے ان سے اس کا وجود حاصل کرنے کے لئے راتوں کی بے قراری والی دعائیں اور دنوں کو راتوں کو رُلا دینے والے مساعی کا انہماک مطلوب ہے۔ آپ احباب کو اس طرف پوری طرح متوجہ فرمادیں۔

بندہ محمد یوسف عفی عنہ
۴ ربیع الاول ۱۳۸۰ھ

(۳)

[ایک جماعت جو مرکز سے گئی ہوئی تھی اور ایک علاقہ میں کام کر رہی تھی اس کے ذمہ داروں کے ایک خط کے جواب میں ذیل کا اہم مکتوب لکھا گیا جو بہت اہم ہدایات اور انتباہات پر مشتمل ہے]

مکرمین و محترمین - وفقنا اللہ وایاکم لما یحب ویرضیٰ -

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

خط کے ذریعہ احوال معلوم ہوئے اور آنے والوں کی زبانی بھی تفصیل معلوم ہوئی۔ حق تعالیٰ شانہ، آپ کی مساعی کو مقبول اور بار آور فرمادیں۔ میرے عزیز دوستو! شیطان کی طاقت حق ہے اور اللہ رب العزت نے اس کو بنایا ہے اور صرف اس لئے بنایا ہے کہ ان کی طرف بڑھنے والوں کے راستہ میں ابتلاء و امتحان و آزمائش کی گھاٹیں کھڑی کر کے کچے اور پکوں کا امتحان لیا جائے اور جو لوگ ان گھاٹیوں کو پار کر جائیں اور ان میں نہ الجھیں، ان کو اپنی ذات کے تقرب و رضا سے عالی عالی انعامات و درجات سے ہمیشہ کے لئے نوازیں۔

شیطان کی بھرپور مسلسل کوشش ہے کہ اس راہ چلنے سے بچلایا جائے اور اگر اس رخ پر پڑ ہی جائے تو پھر اس کی پوری کوشش ان اصولوں سے بچلانے کی ہے جس سے رحمت و نصرت ہائے خداوندیہ متوجہ ہو کر ترقیات پر پہنچنے کے بجائے خذلان و محرومی کی شکلیں قائم ہوں۔ میرے دوستو! آپکے لئے بڑی زبردست گھاٹیں ہیں اور شیطان ان میں بچلانے کے لئے تجربہ کار و پرانا گھاگ مستعدی کے ساتھ اپنی تدابیر میں مشغول ہے۔ اس کے مکر سے تحفظ اس کے سوا ممکن ہی نہیں کہ جتنی بھی عالی صورتیں اللہ رب العزت اپنے فضل سے پیدا فرمادیں اپنے انکسار و تواضع کی مشق کو بڑھایا جائے۔ ایک دوسرے کی قدر دانی و اکرام و اعزاز کی پوری پابندی کی جائے اپنے کو خادم اور دوسروں کو اصل کرنے والا یقین کر کے ہر عزت کے موقع پر دوسرے کو اور ذلت کے موقع پر اپنے کو بڑھایا جائے اور آپس میں مشوروں کا اہتمام اور ایک دوسرے کو مشورہ کی دعوت دی جائے اور ایک دوسرے کی دلجوئی کی پوری پوری سعی کی جائے۔ اس راہ کی تکالیف کو بالذات محبوب یقین کیا جائے۔ غرباء کے اختلاط اور ان میں کام کی شکل کو قوت عمل یقین کیا جائے۔ ذکر و تعلیم و دعوات کا پورا اہتمام کیا جائے۔ بڑوں سے چھوٹا بننے کی مشق کے لئے ملا جائے، اپنے عیوب پر ہر وقت نگاہیں ڈالی

جائیں۔ اگر آپ احباب نے ہمتیں کر کے اللہ رب العزت کے لئے اپنے کو جوڑ کر جما لیا تو دوسروں کے لئے بھی انشاء اللہ العزیز اٹھنے کی راہیں کھلتی چلی جائیں گی۔ مولانا ضیاء الدین بیس نفر کی جماعت کے ساتھ آج ہی آئے ہیں۔ مولوی عبدالعزیز ابھی مقیم ہیں۔ دوآبہ کے دوسرے شہروں اور قصبات میں پھیر کی ضرورت ہے۔

بندہ محمد یوسف عفرلہ

یکشنبہ ۲۱ محرم ۷۲ھ

(۴)

۴۵ء میں ایک جماعت مراد آباد سے مرکز نظام الدین ہو کر پنجاب اور اس وقت کے صوبہ سرحد کی طرف گئی تھی۔ اس کے ذمہ دار نے لدھیانہ سے کارگزاری کا خط حضرت مولانا کو لکھا جس میں دعا کی بھی درخواست کی گئی تھی۔ حضرت مولانا نے اس کے جواب میں ذیل کا مکتوب لکھوایا۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کل ۱۰ مارچ شنبہ کو کارگزاری لدھیانہ سے مطلع فرما کر مسرور فرمایا، آپ ایسے کام کے لئے نکلے ہوئے ہیں جس کے اندر اسلام کی سرسبزی ہے اور بڑے خیر کی توقعات ہیں اس لئے آپ کے لئے ہر چیز دعاگو ہے۔

میں نے عرض کیا تھا کہ خانقاہوں اور علمی مراکز میں اپنے کام کی بہت مختصر سی کیفیت کے بعد دعا کی درخواست خط کے ذریعہ کرتے رہئے اس کا ضرور اہتمام کیا جائے۔ آپ کی جماعت میں جو افراد مراد آبادی یا غیر مراد آبادی اپنا وقت ختم کر کے واپس جائیں۔ ان سے ترغیب کے بعد یہ ضرور کہا جائے کہ باہر نکل کر جن چیزوں کی تم سے مشق کرائی گئی ہے اور جو ایک طرز کی زندگی تم نے دیکھی ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ اب اسی زندگی کو اپنے گھر رہتے ہوئے اختیار اور پیدا کیا جائے۔ ایسا نہ ہو کہ گھر جا کر اپنے مشاغل میں پہلے ہی کی طرح الجھ کر رہ جاؤ اور مقامی کام اور اس زندگی کو بالکل بھول جاؤ اور جو تاثرات ان میں پیدا ہوئے ہیں ان سے فائدہ اس طرح اٹھایا جائے کہ جانے والے کے ذہن میں یہ خوب بٹھا دیا جائے کہ اس نے جو وقت دیا وہ بہت کم ہے، اب اس کے بدل میں اور تاثر کو باقی رکھنے کے لئے زیادہ سے زیادہ افراد کو تیار کر کے بھیجے۔

والسلام بندہ محمد یوسف عفرلہ

(۵)

(رمضان ۱۳۸۱ھ میں ایک جماعت حجاج میں دینی کام کرنے کے لئے بمبئی گئی ہوئی تھی اس کے ذمہ داروں کو حضرت مولاناؒ نے ایک خط لکھا تھا، ذیل میں اس کا ایک اقتباس درج کیا جاتا ہے)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ حضرات کے خطوط موصول ہوئے۔ آج کل طبیعت پر بہت زیادہ فکر اس بات کی غالب ہے کہ یہ ہزاروں عازمین حج جو اپنی بنیادی اور ابتدائی زندگی سے بھی خالی ہیں۔ اگر ان کے اندر دینی جذبات کی پیداوار نہ کی گئی تو بلاشبہ سفر تو ہو جائے گا لیکن یہ ایک نادر موقع تھا کہ بیت اللہ کی طرف عاشقانہ طور پر جانے کی صورت پیدا ہوتی، مگر وہ ہماری کم ہمتی اور بے بضاعتی کی وجہ سے نہ ہوگی۔ اس کے لئے آپ جتنے بھی اس مقام پر پہنچ گئے ہیں اپنی انتہائی کوششوں میں کمی نہ کریں قلوب تو اللہ رب العزت کے ہاتھ میں ہیں نہ جانے کون سی ساعت کی محنت اللہ رب العزت کو پسند آجائے اور وہ اپنے الطاف سے کوئی رُخ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے زندہ ہونے کا پیدا فرمادیں۔

بندہ محمد یوسف غفرلہٗ

(۶)

[بمبئی میں مقیم حجاج میں کام کرنے والی ایک جماعت کی طرف سے حضرت مولانا کو صورتحال اور کارگزاری کی اطلاع دی گئی جس میں یہ بھی تھا کہ کچھ حجاج الحمد للہ اس پر آمادہ ہو گئے ہیں کہ وہ حجاز مقدس میں دین سیکھنے کے لئے اور دین کی فکر لے کر پیدل پھریں گے۔ حضرت مولانا نے اس کے جواب میں ذیل کا مکتوب لکھایا۔]

وفقنا اللہ وایاکم لما یحب ویرضیٰ۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، خطوط کے ذریعہ مساعی خیر وصلاح کی خبریں موصول ہو کر باعث مسرت ہوئیں۔ حق تعالیٰ شانہٗ محض اپنے لطف وکرم سے ان حقیر کوششوں کو اس اجتماعی طرز کے ایمان کے لئے جدوجہد اور نقل وحرکت کے منہاج محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام پر پورے عالم میں سرسبز ہو جانے کا ذریعہ فرمائیں۔ جس پر

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو چھوڑا تھا۔ سابقہ عمل کو اس کے مقابلہ میں ایک گناہ تصور کرتے ہوئے اس پر توبہ استغفار کی مقدار کا حق ادا کرکے آئندہ کے لئے اس سے زیادہ اونچی شکلوں کو سامنے رکھ کر اپنی بساط کے مطابق جہد و محنت بڑھانے کی کوشش کی جائے۔ جن حجاج کرام کو دین کی شکلوں کے سیکھنے پر اور صحابہ کرام کے طرز پر پیدل پھرنے پر آمادہ کرکے آپ حضرات نے بھیجا ہے سب کے طور پر اگر ان سے خط و کتابت کے ذریعہ تحریص و ترغیب و تاکید کا اجرا ہو سکے تو اس کو اختیار کرتے ہوئے ورنہ بغیر اس کے پوری طرح حق تعالیٰ شانہٗ سے گڑگڑا کر اور بلبلا کر ان کی راہ کے جو وعدے ہو چکے ہیں ان کے وجود میں آنے کے لئے حد سے زیادہ دعائیں کی جائیں اور مخصوص اکابر کی خدمات میں اس کی دعاؤں کے لئے لکھا جائے۔

ہمارے کام کرنے والوں کی اتنی زیادہ غیبوبت مناسب نہیں معلوم ہوتی، حافظ مسکین صاحب کو بمبئی گئے بہت دن ہو گئے۔ کچھ دن کے واسطے ضرور بالضرور انہیں یہاں بھیج دیا جائے۔

فقط والسلام۔ بندہ محمد یوسف غفرلہٗ

بقلم بشیر احمد عفی عنہٗ　　　　　۲۵ر شوال ۶۹ھ

(۷)

[مندرجہ ذیل مکتوب پاکستان کے دینی احباب اور رفقاء کے نام چند سال پہلے ماہ رمضان میں لکھا گیا تھا یہ ہم کو جناب مولانا عبدالعزیز صاحب کھلنوی سے حاصل ہوا جس کیلئے ہم مولانا موصوف کے بہت ممنون ہیں۔]

مکرمین و محترمین بندہ ادام اللہ مجدکم ووفقنا اللہ وایاکم لما یحب و یرضیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

حق تعالیٰ شانہٗ کا بہت ہی لطف و کرم ہے اپنے احباب پر کہ اس دور انحطاط میں جب کہ اللہ رب العزت کے اعمال کے ذریعہ ان کی ذات عالی سے استفادہ کی راہیں بند ہوتی جا رہی ہیں اور اس حقیر و فانی دنیا پر جانیں کھپا کر اس کے ذریعہ وقتی زندگی بنانے پر قناعت کا رواج پڑ چکا ہے ایسے عالی و افضل طریق گشت و مجاہدہ کی طرف رہبری فرمائی جس کی قدردانی کر لینے پر اور جان و مال کی حقیر سی پونجی جھونک دینے

صرف محنت ومجاہدہ کرنے والوں کے لئے ہی نہیں بلکہ عام امت مسلمہ محمدیہ علی صاحبہا الف الف صلوٰت وتحیہ اور عام انسانوں تک کے لئے ہدایت کے دروازے کھل جانے کی پوری توقعات اور امیدیں ہیں۔ میرے عزیز دوستو! دونوں جہان کی ساری نعمتوں اور کامل کامیابیوں کے حاصل کرنے کے لئے حق تعالیٰ شانہٗ جل جلالہٗ وعم نوالہ نے پورا دین عطا فرمایا ہے جس کا تعلق ہماری پوری زندگی کے سارے اعمال سے ہے۔ اب اگر حق تعالیٰ شانہٗ اپنے لطف وکرم سے ہدایت سے نواز دیں اور یہ بات جی میں پیوست ہو جائے کہ پرورش کرنے والے حالات میں تغیر وتبدل کرنے والے صرف رب العزت ہیں اور اس دنیا میں پھیلا ہوا سارا نقشہ اور چیزوں کی دنیا بھر میں پھیلی ہوئی شکلیں ان کے استعمال کرنے سے استعمال ہوتی ہیں، وہ ان سب سے جو چاہے کرکے دکھلادیں اور ان سب کے بغیر بھی جو چاہیں اپنی قدرت سے کر کے دکھلادیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقوں کو سیکھ کر کے اس کے مطابق اپنی زندگی گزارنے پر اللہ رب العزت اپنی قدرت سے جس طرح چاہیں گے زندگی کے حالات کو درست فرمادیں گے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقوں کے خلاف زندگی گزارنے پر جو بھی چاہے حاصل کرلیا جائے، اللہ رب العزت زندگی کے حالات کو بگاڑ دیں گے اور جس طرح چاہیں گے بگاڑ دیں گے، سو اگر یہ ہدایت نصیب ہو جائے تو پورا دین بہت ہی آسان اور محبوب بن جاتا ہے اور تھوڑی سی محنت سے زندگی میں چالو ہو جاتا ہے اور اگر خدانخواستہ اس ہدایت سے انسان کا دل خالی ہو جائے اور اپنی محنت اور مساعی اور اس دنیا کے دھوکے کے نقشوں اور شکل وصورت سے زندگی کے حالات سدھر جانے کا غلط اور بے بنیاد تصور دل میں بیٹھ جائے تو پھر دین پر چلنا اور اس کا سیکھنا مشکل ترین بن جاتا ہے۔ اب حق تعالیٰ شانہٗ نے اس عالی دولت کے حاصل کرنے کے لئے محنت بھی عطا فرمائی اور دعائیں بھی عطا فرمائیں اور ان اعمال کی محنت کے لئے جن کی حیات پر دعائیں قبول ہو کر ہدایت کی دولت نصیب ہو اور سارا دین آسان بنے مساجد بنائی گئیں اور بازاری نقشوں کے اختیار کرنے کو وہاں کے

تذکروں کو وہاں کے تصورات کو یہاں ممنوع قرار دیا گیا اور مساجد کی آبادی و تعمیر بازاری نقش و نگار اور ساز و سامان میں قرار نہیں دی گئی بلکہ گھنٹوں ایمان بالغیب والی مجالس میں بیٹھنا اور علم الٰہی کے حلقوں کا پابند بننا اور ذکر و دعا کی فضائیں قائم کرنا، نماز و عبادت کی فضا قائم کرنا اور امور اخرویہ پر رونا پیٹنا اور ایک دوسرے کی زندگی بنانے میں ہاتھ بٹانا وغیرہ امور کے مساجد میں وجود میں آجانے کو ان کی تعمیر قرار دیا گیا اور مساجد کو ان اعمال سے آباد کرنے والوں کے مومن ہونے کی خوشخبریاں سنائی گئیں اور انہیں کی دعاؤں کے قبول کرنے کے وعدے کئے گئے اور انہیں مبارک انسانوں کے لئے ہدایت دینے کے فیصلے کئے گئے، اب جو مبارک انسان اپنی جان و مال لے کر انھیں اور ان اعمال کے امت مرحومہ محمدیہ میں رواج پا جانے کے لئے ملک بملک اقلیم بہ اقلیم مارے مارے پھریں، اپنی کمائی اور پرورش کے ظاہری نظام میں تغیر و تبدل گوارا کریں اور ہر طرح کی تکالیف اپنی جان پر برداشت کریں سو ایسے مبارک انسان اس راہ کے خواص میں ہیں، ان کی دعائیں اپنے حق میں، اپنے متعلقین کے حق میں، عام امتِ محمدیہ کے حق میں اور سارے انسانوں کے حق میں اس طرح قبول ہوتی ہیں جس طرح انبیاء علیہم السّلام کی، عالم کے حالات میں اس طرح تغیر و تبدل آتا ہے جس طرح انبیاء علیہم السّلام کے زمانہ میں، اس مبارک راستہ کی ہر زمانہ میں بہت زیادہ قیمت ہے مگر بعض حالات اور زمانے ایسے ہوتے ہیں کہ راہ کی قیمت مالک الملک کی طرف سے بہت ہی زیادہ بڑھا دی جاتی ہے اور کام کرنے والوں کے لئے ترقیات کے بہت زیادہ دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، جن حالات انحطاط دین سے ہم گزر رہے ہیں اس میں محنت کی قیمت دین کے استقبال کے زمانہ کی محنت سے لاکھوں گنی زیادہ ہے، خصوصاً رمضان المبارک کے زمانہ میں جس زمانہ میں حق تعالیٰ شانہٗ کی طرف سے ہدایت کی تقسیم کا غیبی نظام قائم کیا جاتا ہے، شیاطین بند کر دیئے جاتے ہیں جو ہدایت سے ہٹانے والی غیبی طاقتیں ہیں، فرشتے پھیلا دئے جاتے ہیں جو ہدایت کی طرف بلانے والی غیبی طاقتیں ہیں، وہ مبارک روحانیت و نور والی وحی لانے والا فرشتہ جبرئیل علیہ السلام

جس کے گھوڑے کی ٹاپ تک کی روحانیت سے ریت پر سبزہ پیدا ہو جائے جن کی اس عالم میں آمد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بند ہو گئی اور ان کی والی برکت سے اہل عالم محروم ہو گئے۔ اس مبارک مہینے میں ان کی آمد بھی اس زمین پر کی جاتی ہے، گویا ان کی نسبت والی برکات کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور حوروں کو سجایا جاتا ہے اور دوزخ کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں، خیر کی طرف پکار اور شر سے روکنے کی آوازیں ہر طرف بلند کرائی جاتی ہیں اور تھوڑا سا بھی متوجہ ہونے والوں کو بھی ہدایت سے نواز دیا جاتا ہے، اب اگر اس محنت کے میدان کو جس پر ہدایت کا فیضان ہادی کی ذات عالی سے اپنی مخلوق کے لئے عمومی طور پر ہوتا ہے، ایسے مبارک مہینہ میں قائم کیا جائے جس میں ساری ہی امت محمدیہ مرحومہ کے لئے ہدایت کی تقسیم کا عام نظام قائم کیا جاتا ہے اور امت میں دین کی طرف رجوع کی عمومی شکلیں قائم کی جاتی ہیں تو معلوم نہیں کہ ہدایت والے اعمال کے ہدایت والے مکانات یعنی مساجد میں زندہ کرنے کے لئے ہدایت دلانے والی نقل و حرکت و ریاضت و مجاہدہ پر ہدایت والے مہینے میں کتنی ہدایت کا فیضان کتنی دین کی سرسبزی اور حالات دارین کی سرسبزی و فلاح کتنی مخلوق خدا کے لئے قائم ہو جائے اور یہ محنت کرنے والے کتنی خصوصیت کے حامل اور کتنے نہ تصور میں آنے والے درجات واجور و انعامات کے حاصل کرنے والے بن جائیں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے پیارے صحابہ کرام کی مساعی مبارکہ پر قدسی و غیبی طاقتوں کا نزول اسی مہینہ کی مبارک مساعی پر شروع ہوا یعنی غزوہ بدر والی ریاضت و مجاہدہ والا سفر اور اس پر اللہ رب العزت کی مدد یں اس مہینہ میں ہوئیں اور ایسی مساعی والے اسفار کی انتہا یعنی سارے عرب کے سارے قبائل کا اسلام میں داخلہ کرنے والا سفر یعنی فتح مکہ اسی مبارک مہینہ میں ہوا اس ماہ مبارک میں اللہ رب العزت کی راہ کی نقل و حرکت اور صحیح اصول کے اتباع تمام کے ساتھ محنت و مجاہدہ راتوں کی دردبھری دعائیں، عام قلوب کے حق و ہدایت کی طرف پلٹ جانے اور دین متین کے سرسبز ہو جانے کا اعلیٰ ترین سبب اکمل ترین ذریعہ ہے۔ آپ حضرات ہمت فرما کر اللہ رب العزت کے راستہ میں شوق و حوصلہ کیساتھ زیادہ سے زیادہ وقت کے لیے زیادہ سے زیادہ خرچ کیساتھ دور سے دور کیلئے

اپنی ذاتوں سے نکل کھڑے ہوں، دوسروں کو تیار کریں اور ہر طرف قریب و بعید میں چلوں اور تین چلوں کے لئے جماعتوں کو نکالیں کیا ہی اچھا ہو کہ اس مبارک زمانہ میں تین تین چلوں کے لئے تشکیلیں کر کے جماعتیں روانہ کی جائیں تاکہ ارکانِ اسلام کی حیات والی محنت کا حساب اس ماہ میں قائم ہو اور اس ماہ میں چلّہ کے لئے نکلنے کی برکت سے زیادہ وقت کے لئے اللہ ربّ العزت کے راستہ میں رواج پڑ جائے کیونکہ جو خیر کا عمل اس مبارک ماہ میں شروع کر دیا جاتا ہے وہ اس ماہ کی برکات سے چل پڑتا ہے، مقامی گشتوں کو بڑھائیں۔ روزانہ کی تعلیم کے حلقوں کو بڑھائیں اور ذکر و دعا کی مقدار بڑھائیں، حق تعالیٰ شانہٗ ہم کو آپ کو سب احباب کو اس راہ کی ترقیات حاصل کرنے کے لئے قبول فرماوے اور اپنے دین کو اپنی قدرت اور فضل و کرم سے چمکائیں اور اس کی برکات سے دارین میں ہمیں نوازیں۔ آمین یا ربّ العالمین آمین۔

بندہ محمد یوسف عفر لہٗ

۸

[حج کو جانے والوں میں دینی محنت کی ضرورت و اہمیت اور اس کا نظام]

۱۰ر شوال ۱۳۸۰ھ

مکرمین و محترمین بندہ ادام اللہ سعیکم وزادکم اللہ جہداً فی سبیلہٖ وتقبل عنا وعنکم وتجاوز عن سیئاتنا۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

انسانی زندگی کی دارین کی کامیابی یہاں حاصل کرنے کے لئے حق تعالیٰ شانہٗ نے طریقۂ زندگی عطا فرمایا جس کا تعلق انسان کی ۲۴ گھنٹہ کی زندگی سے ہے۔ اس کے لئے یقین بھی خاص تجویز فرمایا، علم بھی خاص عطا فرمایا، نیت بھی خاص عطا فرمائی، تاثرات بھی خاص تجویز کئے، جان خرچ کرنے کے لئے خاص طریقے بتلائے اور مال خرچ کرنے کے لئے بھی تفصیل تجویز کی۔ ان خصوصیات کو اپنی زندگی کے طریقوں میں حاصل کرنے کے لئے نماز عطا فرمائی

اور مساجد میں حاضری کا حکم دیا۔ تاکہ مساجد میں مجالس ایمانیہ کے ذریعہ یقین کی خصوصیت حاصل کریں، اور مجالس علمیہ کے ذریعہ جان و مال کے خرچ کرنے کے طریقوں کو اپنی زندگی کے شعبوں میں داخل کریں، اور ذکر کی مجالس کے ذریعہ اپنے تاثرات اور توجہات کو کائنات سے خالقِ کائنات کی طرف اور بازاری یقینوں سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے اعمال کی طرف جوڑ لیں، انہی خصوصیات کے حاصل کرنے کے لئے رمضان المبارک کا مہینہ عطا فرما کر رات دن اسی محنت کا مطالبہ فرمایا اسی کی مشق کے لئے زکوٰۃ کا فریضہ عطا فرمایا اور ان خصوصیات کی تکمیل کے لئے حج کا مبارک ترین عمل عطا فرمایا۔ اب جو انسان اعمال کے انہماک کے ذریعہ اپنی زندگی گزارتے ہیں ان خصوصیات کو حاصل کر لیں تو ان کے لئے دنیا اور آخرت میں حق تعالیٰ شانہٗ کی ذات عالی کے لامحدود بے نہایت خزانوں کے ہمیشہ کے لئے عطایات اور انعامات کے دروازے کھل جاتے ہیں اور بازار کے نقشوں سے اساس زندگی ہٹ کر دعاؤں پر آجاتی ہے اور بڑے سے بڑا اور مشکل سے مشکل مرحلہ خداوند قدوس کی قدرت کاملہ سے آسان سے آسان بن جاتا ہے اور دونوں جہاں کی کامیابیوں سے نواز دیا جاتا ہے۔

حق تعالیٰ شانہٗ نے جہاں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ خاص طرح کی عبادات عطا فرمائیں وہاں ان خصوصیات کے زندگیوں میں پیدا ہونے کے لئے محنت کے بھی خاص طریقے عطا فرمائے، جن کے اختیار کرنے پر اعمال کی خصوصیات زندہ ہو کر دعاؤں کی قبولیت کے عام دروازے کھل جاتے ہیں اور ان خاص محنت کرنے والوں کو دارین کی اعلیٰ نعمتوں اور رحمتوں سے نوازا جاتا ہے اور ان کی دعاؤں کی قبولیت میں انبیاء علیہم السلام کی دعوات کی قبولیت کی جھلک حق تعالیٰ شانہٗ نصیب فرما دیتے ہیں۔

میرے عزیز دوستو! فرائض خداوندیہ میں جو سا بھی فریضہ امت کی طرف متوجہ ہوتا ہے دو لائن کی محنت امت پر عائد ہوتی ہے۔ ایک اس فریضہ کو اپنی خصوصیات کے ساتھ اپنی ذات سے ادا کرنا۔ دوسرے اس فریضہ کے صحیح نوعیت کے ساتھ قائم ہونے کے لئے محنت کے میدان قائم کرنا

فریضہ کی صحیح نوعیت کے ساتھ ادائیگی ثمرہ کا درجہ رکھتی ہے۔ اور وہ محنت و مجاہدہ جس سے فریضہ کی صحیح نوعیت قائم ہو جڑ اور بنیاد کا درجہ رکھتی ہے اگر جڑ وجود میں نہ آئیگی ثمرہ کا ترتب نہیں ہوگا اور بقدر جڑ کے وجود میں آنے کے ثمرات کا ترتب ہوگا۔ حج کا فریضہ اور اس کی صحیح نوعیت قائم کرنے کے لئے محنت کا فریضہ امت کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ اب اگر ہمت کرکے جانے والے حجاج میں ان خصوصیات اعمال کے زندہ ہونے کی محنت کر لی جائے جو حج کے ثمرات کے مرتب ہونے کے لئے شرائط کا درجہ رکھتی ہیں تو جانے والے حجاج کی اور ان محنت کرنے والوں کی دعائیں اپنے اپنے درجہ کے مطابق قبول ہو کر رحمتہائے خداوندیہ اور نصرتہائے الٰہیہ کے دروازے کھلنے کی صورتیں پیدا ہوں۔ حج کے فریضہ کا تعلق صرف حج کرنے والوں سے نہیں بلکہ پوری امت کے دین اور محنت کا جائزہ خداوند قدوس اپنے اس گھر پر لیتے ہیں جس کے اثرات پورے نظام عالم پر پڑتے ہیں اور وہاں کی زندگی میں پاک طریقوں کے اختیار کرنے پر سارے عالم پر رحمت و انعامات کے اثرات پڑتے ہیں اور وہاں کی زندگیوں کی خرابییں سارے عالم پر پریشانیوں کے اثرات ڈلواتی ہیں۔ آپ حضرات ہمت فرما کر جانے والے حجاج کا تفقد کر کے ان کو نمازوں کا عادی بنائیں۔ مساجد میں ایمان کی مجلسوں میں بیٹھنے کی عادت ڈلوائیں، علم کے حلقوں میں کتابوں کے سننے اور سیکھنے سکھانے کا مزاج پیدا کریں، گشتوں کی اور دعوت دینے کی مشق کرائیں۔ اللہ رب العزت کے راستہ میں نکلنے اور دین کے لئے محنت کرنے پر آمادہ کریں اور اس کی عملی مشق جتنی کرا سکیں ضرور کرائیں۔ خدمت گزاری کی، تواضع کی، اکرام مسلم کی، ذکر و دعوت کے اہتمام کی پابندی پر خوب ابھاریں اور عملی مشق بھی جتنی کرا سکیں ضرور کرائیں، اپنے مقام پر بھی اس کی محنت کریں، ماحول میں بھی اس کے لئے جماعتیں بھیجیں، بندرگاہوں پر جماعتیں روانہ کرنے کی سعی کریں اور جہاں جہاں حجاج جمع ہو کر روانہ ہوتے ہیں، ان سب جگہوں کے لئے جماعتیں روانہ کریں تاکہ حجاج میں عمومی محنت کے ذریعہ حرمین مبارکین اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم و دیگر انبیاء کرام علیہم السلام اور صحابہ عظام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور اولیائے امت رحمہم اللہ کے پھرے ہوئے

علاقوں کے فیوض وبرکات امت میں عام ہوں۔ مساجد والے اعمال سرسبز ہوں اور امت کی روحانی ونورانی، ایمانی واخلاقی ترقیات زندہ ہوں اور بازاری پھسلنوں اور دھوکوں سے امت کی حفاظت ہو اور آپ حضرات کے لئے اس کے صلہ میں قرب خداوندی کے وہ درجات حاصل ہوں جو تصور میں نہ آسکیں۔

اللّٰھم وفقنا لما تحب وترضیٰ من القول والعمل والجھد والنیۃ والھدیٰ آمین یارب العالمین

بندہ محمد یوسف غفرلہ

(۹)

[حرمین پاک میں حجاج کو دین کی محنت پر لگانے کی اہمیت وترغیب اور اس کا نظام]

۷۸۶

مکرم ومحترم بندہ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ حضرات کے خطوط موصول ہو کر کاشف احوال ہوئے ــــ حجاج میں دینی زندگی کے زندہ ہو جانے کی جدوجہد کی شکلوں سے بہت مسرت ہوئی۔ حق تعالیٰ شانہ اس کو پورے عالم میں دین کی سرسبزی کے لئے جان کھپاتے ہوئے آنے اور جانے کے زندہ ہو جانے کا ذریعہ فرمائیں تاکہ آتے ہوئے دین کے لئے جان کھپانے کے ذریعہ حرمین کے فیوض سے استفادہ کی استعداد پیدا ہو اور واپسی کی جدوجہد میں حرمین کے افادہ کی شکلیں زندہ اور سرسبز ہوں۔

میرے عزیزو! اس عالی مقصد میں کامیاب ہونے کے لئے جتنے بھی اس عمل کے جذبات پیدا کر کے اس کی اجتماعی شکلوں پر قابو پالیا جائے اتنا ہی آنے والے دور میں حج کا معیار بلند ہو کر نہ معلوم اس وقت کے جان کھپانے والوں کے لئے کتنے بے نہایت اجور ودرجات

کے حصول کا ذریعہ ہوگا۔ جانے والے حجاج خصوصًا میوات کے حجاج میں اس بات کی پوری سعی ہو کر موجہ طریقہ پر جانے کے انتشار سے اپنی پوری طرح حفاظت کرتے ہوئے اس طریق سے حجاز میں سفر اختیار کیا جائے جس سے وہاں کے علاقہ میں دین کا شیوع و فروغ ہو اور جانے والوں کو وہاں کی ترقیات ایمانیہ و روحانیہ میں سے پورا حصہ نصیب ہو، پیدل اسفار کی عملی شکلیں قائم ہونے پر ابھی سے قابو پانے کی کوشش کی جائے۔ اپنے احباب پیدل کے لئے متعین کر کے ان کے رفقاء کے بڑھانے کی ابھی سے سعی ہو۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جہاں بھی تشریف لے گئے ان سب جگہوں کے لئے جماعتوں کے جانے کی تشکیلوں پر قابو پایا جائے، اور صحابہ کرامؓ نے جہاں دین کی حیات کے لئے ٹھوکریں کھائیں وہاں کے لئے بھی پوری طرح جماعتوں کے روانہ کرنے کی سعی کی جائے۔ تعلیم و تعلم و اذکار کے اہتمام پر پوری طرح آمادہ کیا جائے حجاج کرام و اہل عرب کے حقوق کی ادائیگی کی طرف پوری طرح متوجہ کیا جائے۔ ایک گروہ اللہ رب العزت کا مہمان ہے اور مہمان کے ساتھ کی ذرا سی بھی بے عنوانی ناگواری کا باعث بن جاتی ہے۔ اور دوسرا گروہ حرمین کا پڑوسی ہے ان کے ساتھ کی بے عنوانی بھی غضب الٰہی کی داعی ہے ــــ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کی مبارک زندگی کی تخریب و بربادی و موت کا منظر سارے عالم میں بکھرا ہوا ہے مگر حج کے موقع پر ساری امتِ محمدیہ کی زندگیوں کا طریقہ سمٹ کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقۂ حیات کی موت کا (عالمی) منظر سب کے سامنے آجاتا ہے۔ اب درد مند اور اللہ اور ان کے محبوب رسول کے ساتھ ذرا سا بھی تعلق رکھنے والوں کا اعلیٰ ترین تقرب و محبوبیت اور اطاعت و عبدیت کا عمل یہ ہے کہ اس منظر کی تبدیلی کے لئے اپنی جانوں کو پوری طرح جھونک دیں۔ دین کے لئے جان کھپانے کے اعمال پر ان کے ڈالنے کے لئے پوری طرح سعی کی جائے۔ ان کو اپنے ساتھ لے کر اس مبارک علاقہ میں ٹھوکریں کھانے کے ذریعہ اس کے اصولوں کے اخذ کی کوشش پوری طرح کی جائے۔ جزیرۂ عرب کو دین کی حیات کے لئے جان کھپانے کا مرکز قرار دے کر اس میں طریقۂ جہد کے سیکھنے اور سکھانے کا رواج ڈال کر ہر طرف دین کی حیات کے لئے ٹھوکریں

کھانے کے لئے مقامی احباب کے ساتھ مل کر روانہ کرنے کا رُخ ڈالا جائے، اگر میواتی حجاج میں سعی کے ذریعہ ان میں ان شکلوں پر عمل میں مسابقت پیدا کرلی جائے تو انشاء اللہ العزیز دوسرے علاقہ والے بھی ان شکلوں کو اختیار کرنے لگیں گے۔ اپنے احباب کو اس معاملہ میں پوری سعی کرنا انتہائی ضروری ہے۔ الحمد للہ یہاں تھوڑی سی عملی اجتماعی صورتیں پیدا کر لینے پر ان میں بہت ہی عالی جذبات پائے جارہے ہیں خدا کرے آپ کی مساعی اس کے ازدیاد و ترقی کا ذریعہ بنیں۔

میرے عزیز دوستو! اس وقت کے احوال کی درستگی کے لئے پوری طرح اس عمل کے لئے جانیں کھپاتے ہوئے گڑگڑا کر بلبلا کر مواقع اجابت میں دعاؤں کا پورا پورا اہتمام کیا جائے حق تعالیٰ شانہ نے طبعی اعمال کی فضاؤں سے آپ حضرات کو نکال کر عبدیت کے اعلیٰ ترین عمل کے لئے اعلیٰ ترین عمل کے موقع پر جمع فرما دیا۔ اب استعانت باللہ کی قوت کے بقدر ہی رحمت و انعامات و نصرت کے دروازے انشاء اللہ العزیز کھلیں گے جس کے سارے ہی اہل عالم خصوصاً امت محمدیہ مرحومہ اور اہلِ ہند آج پوری طرح محتاج ہیں آپ حضرات خصوصیت کے ساتھ عمل کے پورے انہماک کے ساتھ انتہائی دعوات کا اہتمام فرمائیں۔ مولوی داؤد و حافظ نصیب خاں و حاجی حنیف بھی انشاء اللہ آرہے ہیں۔ دوسروں کے بارے میں بھی گفتگوئیں اور مشورے جاری ہیں، البتہ اپنی آمد کے بارہ میں موجودہ احوال کی بنا پر اشکال ہے اور بظاہر امسال ناممکن ہے۔

بندہ محمد یوسف غفرلہٗ
۱۱ر شوال سنہ ھ

(۱۰)

[اللہ تعالیٰ پر اعتماد وتوکل اور اصول کی پابندی کی تلقین]

۱۸؍ شوال ۷۵ھ   ۲۹؍ مئی ۵۶ء

مکرمین ومحترمین زادکم اللہ وایانا جهداً وسعیاً فی سبیلہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ــــ آپ حضرات کے خطوط مسرت کے باعث ہوئے۔ حق تعالیٰ شانہٗ اپنے لطف وکرم سے آپ کی اپنی ترقیات کے ساتھ دین کی سرسبزی وفروغ کا آپکی مساعی اور اس سفر کو ذریعہ فرمادیں اور ہر طرح کی مددیں اور نصرتیں دونوں جہان میں شامل حال فرمادیں اور ہر موقع وحال کی حوائج کا اپنے فضل وکرم سے بندوبست فرمادیں۔

میرے عزیز! کرنے والے صرف اللہ رب العزت ہیں اور ان کے لئے کوئی سی بھی حالت سخت نہیں ہے۔ جونسی حالت ضلالت کو، جونسی حالت ہدایت کے ساتھ جس وقت چاہیں بدل دیں۔ بندوں کی محنت ومساعی صرف اختیار سبب کا درجہ رکھتی ہیں۔ اب سبب میں جتنی صفات قبولیت ہوں گی خداوند قدوس کی رحمت متوجہ ہوکر سخت سے سخت خراب احوال بہتر سے بہتر احوال سے منجانب اللہ تعالیٰ ان کے تصرفات خاص سے مبدل ہوجائیں گے، لہٰذا اپنے کام کرنے والے احباب کو ان احوال سے نہ متاثر ہونا چاہئے نہ ناامید ہونا چاہئے بلکہ اللہ رب العزت کی عظمت وقدرت وقوت کو سامنے رکھ کر ان سے مددیں حاصل کرنے کے لئے دین کی حیات وسرسبزی کے لئے جہد ونفر کے عالی اوامر کی تعمیل ان کی اعلیٰ شکلوں کے ساتھ کرتے ہوئے بارگاہ الٰہیہ میں گڑگڑا کر اور بلبلا کر دعاؤں کا اہتمام کرتے رہنے میں ہی ان سب احوال کی تبدیلی مضمر ہے۔ حق تعالیٰ شانہٗ محنت کی صحیح شکل اپنے کو اور اپنے سب احباب کو نصیب فرمائیں جماعت کے لانے کی بہت سعی فرمادیں۔ تین تین چلّہ کی جم کر دعوت دیں۔ تعلیم وتعلم کے حلقوں کے قیام کا پورا پورا اہتمام فرمائیں اگرچہ تھوڑی ہی مقدار میں ہوسکے۔ اللہ کے ذکر کی کثرت کریں، اصول کا مذاکرہ رکھیں، دنیا کے تعیش کی رغبت پر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سادہ زندگی کی اپنے میں

رغبت پیدا کرنے کی سعی کریں، ایک دوسرے کی خدمت گزاری کی عادت ڈالیں۔ اخلاق کے سیکھنے کو بہت اہم سمجھیں اور دعاؤں کا اپنے لئے اور ہمارے لئے بہت اہتمام فرمائیں اور غربا، و کس مپرس طبقات میں کام کا ضرور پھیر ڈالیں کہ ان میں کا کام بہت سے رذائل سے حفاظت کا اہم سبب ہے۔ سب احباب کی خدمت میں سلام مسنون عرض کر دیں۔

بندہ محمد یوسف عفرلہٗ

(۱۱)

[اصولوں کو مضبوطی سے پکڑنے اور رواجی طریقوں سے بچنے کی تاکید]

مکرم و محترم بندہ

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ ـــــ آپ صاحبان کے خطوط یکے بعد دیگرے تقریباً روزانہ ہی موصول ہوئے۔ وہاں کے کام سے جتنی خوشی حاصل ہوئی اسی قدر بے انتہا فکر بھی ہوئی جس کا اندازہ آپ حضرات کے خطوط سے بھی ہوتا رہا کہ آپ حضرات کو بھی حق تعالیٰ شانہٗ نے فکر عطا فرمائی ہے حقیقت میں یہ کام رواج کے بالکل خلاف ہونے کی بنا پر مشکل معلوم ہوتا ہے لیکن تھوڑی سی محنت اور مجاہدہ کے بعد اس کے سارے اصولوں کی رعایت کرنے پر بہت ہی آسان ہے بلکہ رواجی طریقوں سے کرنے پر بے انتہا مشکلات پیدا ہو جاتی ہیں اگرچہ بظاہر رواجی طریق میں سہولت نظر آتی ہے۔ اس بنا پر اس بات کی اجتماعی طریق سے پوری کوشش فرمائی جائے کہ کام منہاجِ نبوت سے ہٹنے نہ پائے اور اپنی سادگی کے ساتھ دن کی محنتوں اور رات کی دعاؤں کی مقدار بڑھتی چلی جائے۔ اس کام میں اجتماعات نہ بنیاد ہیں نہ مقصود۔ بلکہ اپنے نہج سے نہ ہونے کی بنا پر مضر ہیں اس لئے ماہانہ اجتماعات بالکل نہ کئے جائیں ہر جگہ مقامی اجتماعات ہفتہ واری اجتماعات اپنی نوعیت کے ساتھ یعنی پوری شب گزارتے ہوئے اور اوقات کا مطالبہ کرتے ہوئے کئے جائیں۔ اور جتنے آدمی اس وقت موجود ہیں ہر کام کو اجتماعی کریں حتیٰ کہ سفر میں بھی یکجا رہنے کی بھرپور کوشش کی جائے۔ جو لوگ ادھر (دہلی) ہو کر جا چکے ہیں ان سب کو جوڑنے کی کوشش کی جائے۔ غربا،

ومساکین میں کام کی مقدار بڑھائی جائے، اگرچہ شروع میں مشکلات سامنے آئیں اور محنتیں کرنی پڑیں۔ ڈینڈیگل میں زیادہ نہ ٹھہرا جائے بلکہ پوری جماعت خود نمبروں کی پابندی کرتے ہوئے غرباء کی بستیوں کا سفر کرے۔

فقط بندہ محمد یوسف عفی عنہ
۲ر رجب ۱۳۷۱ھ

(۱۲)

[مندرجہ ذیل مکتوب تبلیغی کام سے تعلق رکھنے والے گجرات کے ایک مولوی صاحب کو ان کے خط کے جواب میں لکھا گیا تھا۔ انھوں نے اپنے خط میں اپنے یہاں کے کام کے بارہ میں کچھ لکھا تھا، یہ ہم کو خود مکتوب الیہ نے بھیجا جس کے لئے ہم ان کے ممنون ہیں]

مکرم بندہ وفقنا اللہ وایاکم لما یحب ویرضیٰ۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ خط سے حالات وکوائف معلوم ہوئے جس سے از حد مسرت ہوئی اللہ تعالیٰ شانہٗ قبول فرمائے۔

میرے بھائی یہ کام بہت اونچا اور گہرا ہے اس میں ہزاروں اصول وقواعد ہیں اور اس کا ایک خاص نہج اور خاص مزاج ہے۔ اگر ان کو اپنا کر اس کام کو کیا گیا تو بہت زیادہ خیروں کی امید ہے اور دوسری صورت میں شرور وفتن کا خطرہ ہے اس لئے آپ جیسے کام کرنے والے حضرات کے لئے بہت زیادہ ضروری ہے کہ وہ اپنے علاقوں سے جماعتیں لے کر یہاں آئیں اور یہاں کے ساتھ اختلاط اور میل جول کے ذریعہ اس کام کو صحیح نہج کے ساتھ اپنائیں۔ اس سے آپ حضرات کے علاقہ میں صحیح اصولوں کے ساتھ کام چلے گا اور چمکے گا اور کام کرنے والے احباب خطرہ سے محفوظ امن میں رہیں گے اور لوگوں میں عمومی طور پر تواضع، کسر نفسی، دوسروں کے محاسن دیکھنا، اپنے عیوب پر نظر ڈالنا پیدا ہوگا، جس سے دل جڑیں گے اور محبت واتفاق پیدا ہوگا۔ جب تک یہاں نہ آسکیں اپنے حالات سے اطلاع دیتے رہیں۔

تمام احباب کو سلام مسنون، خدا تمام مدارس دینیہ کو ترقی نصیب فرمائے۔ والسلام

بندہ محمد یوسف عفی عنہ

(۱۳)

[شادیاں کس طرح کی جائیں اور زندگی کا یہ شعبہ دین کے فروغ کے لئے کس طرح استعمال ہو
ذیل کا مکتوب ایک صاحب کو لکھا گیا جنھوں نے اللہ کی توفیق سے سنت کے مطابق شادی کی تھی]

مکرم و محترم بندہ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کے اس مبارک جذبہ کو معلوم کر کے حد سے زیادہ مسرت ہوئی کہ آپ کے ہاں شادی سنت کے مطابق وجود میں آئی۔ حق تعالیٰ شانہ آپ کے اس مبارک عالی جذبہ کو پوری طرح قبول فرماتے ہوئے اپنے لطف وکرم وفضل سے اس میں برکتیں و رحمتیں پوری طرح شامل حال فرمائیں ۔ میرے بزرگ! اس شعبہ کا سنت کے مطابق ہونا بس اسی پر موقوف ہے کہ اس فعل پر جو پیسوں کے خرچ اور کھانے پینے کی مجلس پر اجتماع ختم ہو جاتا ہے اور مجالس کا موضوع کھانے پینے کی دلچسپیوں سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔ ان آنے والوں کو دین پر جان و مال خرچ کرنے اور تبلیغ کے ذریعہ دین سیکھنے کے لئے نکل کھڑے ہونے پر آمادہ کیا جائے اور اپنی جتنی رقم نکاح کی فضولیات پر آج خرچ کرنے کا رواج ہے اتنی مقدار ماں کو لیکر لڑکا لڑکی کے والد وغیرہ اللہ رب العزت کے راستہ میں دین کی سرسبزی کے لئے نکل کھڑے ہوں اور اپنے اس جذبہ و شوق کو جس کو وہ شادی پر خرچ کرتے اللہ کے دین کی سرسبزی کے لئے جد وجہد پر صرف کریں اور دوسرے شادی میں شریک ہونے والوں کو بھی اس بات پر آمادہ کیا جائے کہ مسلم کی جان و مال کا موضوع و مقصد خواہشات پر خرچ ہونا نہیں بلکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی حیات و سرسبزی پر خرچ ہونا ہے۔ جتنا ہماری جانوں اور مال کا خرچ دین کی حیات کے درد و فکر و جہد و سعی پر آتا چلا آئے گا دین کے سارے شعبے سنت کی شکل پر زندہ ہوتے چلے جائیں گے۔

آپ کے اس اقدام کو حق تعالیٰ شانہ پوری طرح قبول فرمائیں اور اس شعبہ کی اصلاح کا اس شادی کو ذریعہ فرما کر اس شعبہ سے متعلق رحمت و نصرت، انعامات و برکات کے دروازے جمیع اہل عالم کے لئے پوری طرح کشادہ فرمائیں۔ بندہ اس شادی کے مقبول بابرکت ہونے کے لئے پوری طرح دعاگو ہے۔

بندہ محمد یوسف عفی عنہ
۱۸ رجب ۱۳۸۱ھ

تقریریں

قارئین کرام آئندہ صفحات میں حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ کی تقریریں پڑھیں گے ــــ اجتماعات میں حضرت مولانا کی تقریریں سننے والوں نے خود آنکھوں سے دیکھا ہوگا کہ جب وہ تقریر فرماتے تھے تو ان کی تقریروں کو قلم بند کرنے کے لئے بہت سے قلم چلتے رہتے تھے ــــ جو ۵ تقریریں الفرقان کی اس اشاعت خاص میں درج کی جارہی ہیں ان میں سے آخری تو خود ناچیز مدیر الفرقان (محمد منظور نعمانی) کی لکھی ہوئی ہے، باقی چاروں تقریریں تبلیغی کام سے خصوصی تعلق رکھنے والے ایسے حضرات کی لکھی ہوئی ہیں جن پر اس معاملہ میں زیادہ سے زیادہ اعتماد کیا جاسکتا ہے۔

:نوٹ:

حضرت جی نمبر جو ۱۳۸۵ھ میں شائع ہوا تھا اس میں حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کی صرف تین تقریریں شامل تھیں۔ دو نہایت اہم تقریریں بعد میں دستیاب ہوئی تھیں جو "نمبر" کے ضمیمہ میں شامل کی گئی تھیں۔ اس ایڈیشن میں وہ دونوں تقریریں بھی شامل کردی گئی ہیں۔ (ادارہ)

الفرقان کی یہ خاص اشاعت جن حضرات تک پہنچے گی ان میں شاید ہی کچھ ایسے اصحاب ہوں جنھیں کبھی حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر سننے کا اتفاق نہ ہوا ہو ۔۔۔ حضرت مرحوم کا طرزِ بیان بالکل نرالا تھا بلکہ یہ کہنا بالکل صحیح ہوگا کہ ان کی تقریر کی ایک مستقل زبان تھی اور خاص اصطلاحی الفاظ تھے جن کے گویا وہ خود ہی موجد تھے۔ پچھلے صفحات میں ناظرین نے ان کے مکاتیب پڑھے ہیں بس جو زبان ان کے مکاتیب کی ہے قریب قریب وہی زبان ان کی تقریر و بیان کی تھی ۔۔۔ یہ واقعہ ہے کہ زبان و بیان کی جن خوبیوں کی وجہ سے کسی مقرر کی تقریر کامیاب سمجھی جاتی ہے مولانا مرحوم کی تقریروں میں ان میں سے ایک بات بھی نہیں ہوتی تھی، بلکہ سامعین کے بڑے طبقہ کے لئے ان کی تقریروں کا کافی حصہ نامفہوم ہوتا تھا اور اچھے پڑھے لکھوں اور سمجھنے والوں کے لئے بھی ان کے الفاظ اور ان کی ترکیبیں بالکل نامانوس ہوتی تھیں، لیکن کشش اور تاثیر کا یہ عالم ہوتا تھا کہ پچاس پچاس ہزار کا مجمع اس طرح ہمہ تن گوش ہوکر ان کا بیان سنتا تھا کہ گویا ہر لفظ ہر سننے والے کے دل میں اتر رہا ہے اور وہ اس سے بھرپور مستفید ہو رہا ہے یہ کشش اور یہ تاثیر دراصل اس قلبی کیفیت اور توجہ الی اللہ کی ہوتی تھی جس کے ساتھ وہ تقریر فرماتے تھے۔

خود راقم سطور نے اکثر محسوس کیا کہ وہ تقریر شروع فرمانے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ اور مراقب ہوتے تھے اور اس کے بعد تقریر شروع فرماتے تھے اور پھر ان کو خود اپنی بھی خبر نہیں رہتی تھی ۔۔۔ اب سے تقریباً ۸-۱۰ سال پہلے کا واقعہ ہے بھوپال میں اجتماع تھا ان دنوں حضرت مولانا مرحوم کی ران میں ایک بہت بڑا زخم تھا جس کا حال یہ تھا کہ حرکت کرنے سے اور

زور سے تقریر کرنے سے اس میں سے خون جاری ہو جاتا تھا، مولانا اسی حال میں بھوپال تشریف لائے اور اپنی عادت کے مطابق اجتماع میں تقریریں بھی فرمائیں زخم کی تکلیف کافی بڑھ گئی، بھوپال سے فارغ ہونے کے بعد وہاں سے ۴۰۔۵۰ میل کے فاصلہ پر ایک اور اجتماع طے تھا، حضرت مولانا وہاں بھی تشریف لے گئے، لیکن طے یہ ہوا کہ یہاں مولانا تقریر نہیں فرمائیں گے بلکہ فلاں ساتھی کی تقریر ہوگی۔ مگر ساتھی کی تقریر کے بعد جب مولانا نے دیکھا کہ دعوت قوت سے نہیں دی گئی تو اپنے اندرونی داعیہ سے مغلوب ہو کر خود تقریر کے لئے اصرار فرمایا اس دن بیٹھنے کے لائق بھی نہیں تھے۔ لیٹ کے فرمانا شروع کیا، زخم میں سے خون جاری ہو گیا اور حالت یہ ہوگئی کہ ایک کپڑا لگا دیا جاتا جب وہ بالکل تر بتر ہو جاتا تو دوسرا کپڑا لگا دیا جاتا، اس طرح کئی کپڑے خون سے بھر گئے اور مولانا نے عادت کے مطابق پوری تقریر فرمائی۔ اس ناچیز کا اندازہ ہے کہ اس تقریر کے دوران کم از کم آدھا سیر خون مولانا کے زخم سے ضرور نکل گیا ہوگا۔ لیکن اللہ کے اس بندے کو کچھ پتہ نہیں تھا کہ کیا ہو رہا ہے۔ بہرحال اس عاجز کے نزدیک ان کی تقریروں کی تاثیر کا راز ان کی اس قلبی کیفیت اور فنائیت میں تھا۔

——— محمد منظور نعمانی

①

کامیابی اور ناکامی کی حقیقی بنیاد

ذیل کی تقریر حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے آخری سفر میں خواص کے ایک اجتماع میں فرمائی تھی جس کو حضرت کے ایک خاص رفیق سفر نے قلم بند کیا تھا انہی کی عنایت سے یہ ہم کو حاصل ہوئی ہے ۔ ہم نے ناظرین کی سہولت فہم کے لئے کہیں کہیں لفظی تبدیلیاں کی ہیں ۔ (ادارہ)

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم

بھائیو دوستو! کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے اور ہوتا ہے اُس کے دو رُخ ہیں ایک رُخ ظاہر کا ہے اور وہ یہ ہے کہ چیزوں میں سے چیزیں نکل رہی ہیں اور چیزوں میں سے اثرات اور خواص ظاہر ہو رہے ہیں جیسے مٹی سے غلّہ، غلّہ سے غذا، غذا سے پیٹ کا بھرنا، پھر اس کا خون بننا، خون سے منی کا یعنی نطفہ کا بننا، پھر اس سے خون کا لوتھڑا بننا، پھر اس میں اعضاء کا اور شکل انسانی کا بننا (اور اسی پر قیاس کر لیجئے دنیا کی ساری چیزوں کو) ــــ یہ وہ رُخ ہے جو انسان پر حیثیت انسان ہونے کے کھولا گیا ہے یعنی ہر انسان اس کو دیکھ رہا ہے اور اس کا مشاہدہ کر رہا ہے ــــ دوسرا رخ یہ ہے کہ یہ سب کچھ اللہ کی قدرت سے اور اس کے حکم سے ہو رہا ہے اور یہ سب اللہ کا نظر نہ آنے والا ہاتھ کر رہا ہے ــــ یہ رُخ انسانوں پر حیثیت انسان ہونے کے نہیں کھولا گیا اس لئے ہر انسان اس کو دیکھ نہیں پاتا۔ بلکہ یہ رُخ انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ انسانوں پر کھولا گیا ہے، یعنی یہ بات انبیاء علیہم السلام نے بتائی ہے کہ جو کچھ چیزوں سے بنتا ہوا اور ظاہر ہوتا ہوا نظر آتا ہے یہ چیزوں سے نہیں بنتا بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم اور امر سے بنتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قادر ہیں کہ جس

شکل سے جو چیز چاہیں بنادیں یا بلا کسی شکل کے محض قدرت اور حکم سے چیز بنادیں اسی طرح وہ قادر ہیں کہ جس چیز سے جو اثر چاہیں ظاہر کر دیں۔ پانی سے چاہیں تو ڈبا دیں اور چاہیں تو ترا دیں، آگ سے چاہیں تو جلا دیں اور چاہیں تو نہ جلائیں، غذا سے چاہیں تو پیٹ بھریں اور چاہیں نہ بھریں، موت کی جگہ سے چاہیں تو زندگی نکال دیں اور زندگی کی جگہ سے چاہیں تو موت نکال دیں ___ معجزوں سے یہی بات ظاہر کی جاتی ہے کہ چیزوں میں کچھ نہیں ہے۔ اللہ جس چیز سے جو چاہے نکال سکتا ہے۔ وہ چاہے تو حکومتوں کی اسکیموں (اور منصوبوں) کو فیل کرے اور محکوموں کی اسکیمیں چلائے، اس لئے نمرود کی اسکیم کو فیل کر دیا اور ابراہیم علیہ السلام کی اسکیم چلا دی ___ فرعون کے ارادۂ قتل کے باوجود موسیٰ علیہ السلام کو خود اس کے گھر میں پلوا دیا اور اس کو سارے لاؤ لشکر سمیت سمندر میں ڈبا دیا۔ ابراہیم علیہ السلام سے بیوی بچہ کو ایسے میدان میں ڈلوا کر جہاں کوئی آبادی نہیں تھی، زندگی کا کوئی سامان نہیں تھا، پینے کے لئے پانی تک بھی نہیں تھا ان کی یہ اسکیم چلا دی کہ اس بچے کی اولاد یہاں والی ہدایت (کی دعوت) لے کر سارے عالم میں جاوے اور سارے عالم سے لوگ یہاں حج کو آویں، خود اسکیم والا وہاں تھا بھی نہیں ملک شام میں تھا لیکن اس کی اسکیم چل گئی اور جس بچہ کے کھانے پینے اور حفاظت کا کوئی بندوبست نہیں تھا اس کی اولاد اقیموا الصلوٰۃ کو لے کر دنیا میں جانے لگی اور ساری دنیا سے لوگ آج تک حج کو وہاں آرہے ہیں۔ ساری حکومتیں حج میں کتنے روڑے اٹکا رہی ہیں لیکن حج کی حرکت برابر بڑھ رہی ہے اور اس طرح حضرت ابراہیمؑ کی چلائی ہوئی اسکیم اب تک کیسے اور کب سے چل رہی ہے۔

آدمی سمجھتے ہیں کہ کھیتی اور باغات سے زندگی بنتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے قوم سبا کو کھیتی اور باغات کے باوجود ہلاک کر دیا اور اسماعیل علیہ السلام کو ایسے جنگل میں جہاں کھیتی اور باغات کا نشان بھی نہ تھا پال دیا ___ آج دنیا کا یقین فوج پر ہے اللہ تعالیٰ نے ابرہہ کی فوج کو حقیر پرندوں سے ہلاک کرا کے اس یقین کو غلط ثابت کر دیا۔ الغرض معجزات سے ظواہر کے عام انسانوں والے یقین کی پوری نفی ہوتی ہے۔ معجزات ظاہر کرتے ہیں کہ اللہ میں یہ قدرت ہے کہ وہ عصا کو اژدہا بنا دیں، نار کو باغ بنا دیں، ہاتھ میں روشنی اور چمک کی صفت پیدا کر دیں ___ دنیا کی ساری چیزیں اور ساری شکلیں گھاس کے

تنکوں سے لے کر ایٹم اور راکٹ تک اور اسی طرح ساری طاقتیں اور ساری حکومتیں قدرت خداوندی کے تحت ہیں ـــ یہ چیزیں خود قدرت نہیں ہیں بلکہ قدرت ان پر تصرف کرتی ہے یہ سب چیزیں فانی ہیں اور قدرت غیر متبدل اور غیر فانی ہے۔ اللہ تعالیٰ چیزوں سے زندگی بناتے بھی ہیں اور بگاڑتے بھی ہیں۔ کامیاب بھی کرتے ہیں اور ناکام بھی کرتے ہیں، غرض جو کچھ بھی ہوتا ہے چیزوں سے نہیں ہوتا اللہ کے حکم اور اس کی قدرت سے ہوتا ہے۔

کائنات کا یہ وہ رُخ ہے جو انبیاء علیہم السلام پر کھولا جاتا ہے اور انہی کے ذریعہ معلوم ہوتا ہے اور وہی قدرت کے اعتبار سے استفادے کے طریقے لے کر آتے ہیں۔

عالم کی چیزوں پر نظر رکھ کر اور ان میں نفع نقصان سمجھ کر ان کو استعمال کرنے یا ان میں اپنے کو لگانے کا طریقہ ہر شخص خود تجویز کر سکتا ہے کیونکہ چیزیں نظر آتی ہیں اور ہر شخص ان کو دیکھتا ہے لیکن اللہ کا حکم اور اس کی قدرت جو چیزوں میں کام کرتی ہے وہ کسی کو نظر نہیں آتی اس لئے اس سے استفادہ کا طریقہ انسان خود نہیں تجویز کر سکتا، یہ علم اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام پر کھولتے ہیں اس لئے اس سے فائدہ اٹھانے کے طریقے انہی سے معلوم ہو سکتے ہیں۔ انھوں نے انسانوں کو شکلوں اور چیزوں سے ہٹایا نہیں بلکہ یہ بتایا کہ اللہ کی قدرت اور اس کے حکم کو صل سمجھتے ہوئے ان چیزوں میں لگو اور یہ یقین بنالو کہ جب تم اللہ تعالیٰ کے تشریعی اوامر کی تابعداری کرتے ہوئے ان شعبوں میں لگو گے اور ان چیزوں کو استعمال کرو گے تو اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے انہی چیزوں سے تم کو نفع پہنچائے گا اور یہ نفع آخرت تک چلے گا بلکہ وہیں بھرپور حاصل ہوگا، یہی ہے "لاالٰہ الااللہ محمد رسول اللہ" کا منشا کہ اللہ کے سوا کسی سے کچھ نہیں ہوگا اور کچھ نہیں ملے گا بس اللہ ہی کے کرنے سے ہوگا اور ملے گا اور ان کا فضل و کرم جب ہوگا جب ہماری زندگی اور چیزوں میں ہمارا لگنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر ہوگا۔

اب دو کام ہیں ایک اپنے میں لاالٰہ الااللہ والے یقین کا پیدا کرنا اور دوسرا ہر عمل اور ہر شعبہ میں حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر چلنے کا عادی بننا اور اس کی مشق کرنا ـــ یہ دونوں باتیں

پیدا کرنے کے لئے نماز دی گئی اور ایک محنت دی گئی اور مسجد کو ان دونوں کا مرکز بنا دیا گیا۔

مسجد سے دن رات میں پانچ دفعہ اعلان کرایا جاتا ہے۔ جس میں سب سے پہلے چار دفعہ کہلوایا جاتا ہے۔ اللہ اکبر اللہ اکبر ۔ اللہ اکبر اللہ اکبر ۔ اس کائنات میں جو کچھ ہے وہ عناصر اربعہ سے یعنی مٹی، پانی، ہوا، اور آگ سے بنا ہے اور ان میں سے ہر ایک کا یہ حال کہ ان میں سے ایک ایک ساری دنیا کو ختم کرنے کے لئے کافی ہے۔ مٹی یعنی زمین اگر آدھے دن کے لئے زلزلے سے ہلا دی جائے تو ساری دنیا ختم ہو جائے ۔ اسی طرح اگر پانی چھوڑ دیا جائے تو نوح علیہ السلام کے زمانہ کی طرح ساری دنیا غرق ہو کر فنا ہو جائے ۔ اسی طرح اگر قوم عاد کی طرح آندھی چھوڑ دی جائے تو ساری دنیا کا خاتمہ ہو جائے ۔ اسی طرح اگر آگ کو جلا ڈالنے کا حکم ہو جائے تو ساری دنیا راکھ کا ڈھیر ہو جائے۔ تو اذان میں سب سے پہلے چار دفعہ کہا جاتا ہے "اللہ اکبر اللہ اکبر" اللہ سب سے بڑا ہے، آسمان و زمین اللہ کے سامنے کچھ بھی نہیں، عناصر اربعہ اور ان سے جو کچھ بنا ہے وہ سب اللہ کی مخلوق ہے، اللہ سب سے بڑا ہے، خدا کی ہستی کے سامنے ہر چیز حقیر اور بے حقیقت ہے۔ اللہ سب سے بڑا ہے۔ روس و امریکہ اور دنیا کی ساری طاقتوں اور حکومتوں کی اللہ کے سامنے کوئی حقیقت نہیں، اللہ کی ہستی سب سے بڑی ہے "اللہ اکبر اللہ اکبر"۔

اس کے بعد دوسری بات یہ کہلوائی جاتی ہے "اشہد ان لا الٰہ الا اللہ" بناؤ بگاڑ والا اللہ کے سوا کوئی نہیں، شکلوں اور چیزوں سے کچھ نہیں ہوگا اللہ ہی کے کرنے سے ہوگا "اشہد ان لا الٰہ الا اللہ" اس کے بعد کہلوایا جاتا ہے "اشہد ان محمد رسول اللہ" اللہ تعالیٰ جو سب سے بڑے ہیں اور جن کے ہاتھ میں بناؤ و بگاڑ اور کامیابی و ناکامی ہے ان کی قدرت سے استفادہ کا طریقہ ہم خود نہیں جانتے، ہم اس راستہ میں نابینا ہیں، اس کے راہ نما حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں وہ اللہ کے رسول ہیں، ان کے طریقہ پر چل کر ہی اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم حاصل کیا جا سکتا ہے "اشہد ان محمد رسول اللہ"۔

اس کے بعد کہلوایا جاتا ہے "حیَّ علی الصّلوٰۃ، حیَّ علی الفلاح" یہ باتیں اپنے اندر پیدا کرنے کے لئے اور اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور کامیابی حاصل کرنے کے لئے نماز کے لیے یہاں آؤ، کامیابی یہاں

والے اعمال سے ملے گی۔

اللہ والے اعمال میں (یعنی عبادات میں) کچھ تو وہ ہیں جن کے ساتھ چیزوں میں بھی لگ سکتے ہیں — چیزوں سے کلی انقطاع ضروری نہیں۔ حج، روزہ، زکوٰۃ کا حال یہی ہے۔ روزہ میں کھانا کھا تو نہیں سکتے مگر کھانا پکا سکتے ہیں، دوسروں کو کھلا سکتے ہیں۔ تجارت اور زراعت وغیرہ کے کام کر سکتے ان کی باتیں کر سکتے ہیں، اسی طرح زکوٰۃ دیتے وقت کھانا پینا دوسرے کاموں میں لگنا منع نہیں ہے۔ حج میں بھی دوسرے کاموں کی ممانعت نہیں ہے، یہاں تک کہ سلا کپڑا پہننے کی ممانعت ہے لیکن پہننے کے لئے کپڑا سینے کی ممانعت نہیں ہے — لیکن نماز وہ عبادت ہے جس میں آدمی تمام چیزوں سے کٹ کر لگتا ہے۔ نہ کھانا کھائیں گے۔ نہ کھلائیں گے، نہ پکائیں گے نہ کپڑا سئیں گے، نہ کسی سے کوئی بات کریں گے، دھیان بھی ہر چیز سے ہٹا کر اللہ پر لگانے کی کوشش کریں گے — تو اذان کے ذریعہ مسجد سے پہلے تو "اللہ اکبر اللہ اکبر" اور اشہد ان لا الٰہ الا اللہ اور اشہد ان محمد رسول اللہ کی آواز لگوا کر یقین درست کرنے کی دعوت دی جاتی ہے اس کے بعد نماز کے عمل کے لئے بلایا جاتا ہے جس میں چیزوں سے کٹ کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر اللہ تعالیٰ سے وابستگی کی مشق کی جاتی ہے اور اس میں کامیابی بتائی جاتی ہے۔

بھائی دوستو! جو کوئی مشین بناتا ہے وہی اس کے چلانے کا طریقہ اور بناؤ بگاڑ کی بات بھی جانتا ہے جو مشینیں باہر سے آتی ہیں اُن کے ساتھ بنانے والوں کی طرف سے چلانے کے طریقہ کے بارے میں ہدایات بھی آتی ہیں — انسان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے بنایا ہے، ماں کے پیٹ میں رکھ کر بنایا ہے جہاں کسی دوسرے کا ہاتھ بھی نہیں لگ سکتا، بلکہ نظر بھی نہیں جا سکتی، وہی اللہ جانتا ہے کہ انسان کی مشین کس طرح استعمال ہونے میں اس کا بناؤ اور تعمیر ہے اور کس طرح استعمال ہونے میں اس کا بگاڑ اور تخریب ہے۔ اس نے پیغمبروں کو یہی بتانے کے لئے بھیجا اور سب سے آخر میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا، اب جو کوئی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کے مطابق اپنے کو استعمال کرے گا وہ کامیاب ہوگا اور جو ان کے طریقہ کے خلاف اپنے کو استعمال کرے گا وہ ناکام ہوگا اور اس کی ناکامی پوری طرح آخرت میں ظاہر

ہو گی جو انسانوں کے لئے اصلی اور دائمی عالم ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو مختلف طبقوں میں بانٹ دیا ہے، حاکم، محکوم، امیر، غریب، کالے، گورے وغیرہ وغیرہ۔ اب ان کی تعمیر اور کامیابی ان مختلف طبقات کے جوڑ میں ہے، جوڑ والے طریقے قرآن مجید نے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائے ہیں اور یہ بھی بتایا ہے کہ اگر ساری دنیا کے خزانے خرچ کر کے کوئی جوڑ پیدا کرنا چاہے تو پیدا نہیں ہو سکتا اللہ والے اعمال میں لگنے سے اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے جوڑ پیدا کر دیتے ہیں لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰکِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَیْنَهُمْ (اے محمد آپ ساری دنیا کے خزانے خرچ کر کے ان کے دلوں کو نہیں جوڑ سکتے تھے ہم نے اپنی قدرت سے جوڑ دیا ہے)

انسان کا مزاج ہے جو اس سے فائدہ کھینچے اس سے کٹتا ہے اور جو اس کو فائدہ پہنچائے اس سے جڑتا ہے اللہ تعالیٰ نے اور اس کی طرف سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ طریقہ بتایا جس پر چل کر ہر ایک دوسرے کو فائدہ پہنچانے والا بنے کوئی کسی سے فائدہ کھینچنے والا نہ بنے۔ غریبوں کو بتایا کہ مال والوں کے پاس جو کچھ ہو اس سے فائدہ اٹھانے کا خیال وہ دل سے نکال دیں اور خود اپنی ذات سے ہر غریب و امیر کو فائدہ پہنچانے والے بن جاویں مثلاً وہ راستہ نہ جانتے ہوں تو خود چل کر اور تکلیف اٹھا کر ان کو راستہ بتا دیں، میت ہو جائے تو اس کے اٹھانے اور دفن وغیرہ میں مدد دیں خود قبر کھودنے میں لگ جائیں بیمار پڑ جائیں تو عیادت کریں، محض اللہ کے لئے ان کا بوجھ اٹھاویں اور اگر ان کے پڑے ہوئے پیسے کہیں مل جائیں تو پتہ چلا کر ان تک پہنچا دیں، کوئی خطرہ ہو تو ان کی حفاظت کریں، پہرہ دیں، راستہ میں اگر ان کی موٹر کہیں پھنس جائے تو نکالنے میں مدد کریں اور ضرورت ہو تو اپنے جھونپڑے میں ان کو ٹھہرائیں اور جو میسر ہو کھلائیں۔ اور جب وہ ان خدمتوں کے عوض میں پیسے دینے لگیں تو کہہ دیں کہ میں نے جو کچھ کیا تھا خدا کے راضی کرنے کے لئے اور اس سے ثواب لینے کے لئے کیا تم سے کچھ لینے کے لئے نہیں کیا تھا تمھارے پیسے تم کو مبارک ـــــ یہ غریبوں کو بتایا گیا ـــــ اور مال والوں کو بتایا گیا کہ اپنے مال کی ہر جنس اور ہر قسم غریبوں پر لگائیں، پیسے بھی خرچ کریں کھانے میں بھی ان کو شریک کریں کپڑے بھی ان کو لا کر دیں

اپنی موٹر اور سواری بھی ان کے استعمال کے لئے دیں اور جب اس کے عوض میں غریب اپنی جانیں خدمت کے لئے پیش کریں تو یہ مالداران سے کہدیں کہ ہم تم سے کوئی جزا نہیں چاہتے خدا سے لے لیں گے جب یہ طریقہ چالو ہوگا تو غریبوں سے امیر اور امیروں سے غریب جڑ جائیں گے۔

ایسے ہی حاکموں اور محکوموں کو بتایا گیا کہ وہ ایک دوسرے کو فائدہ پہنچانے والے بنیں فائدہ کھینچنے والے نہ بنیں۔ حاکموں سے کہا گیا کہ حکومت کے جو اختیارات اور جو وسائل ان کے پاس ہوں وہ ان سے محکوموں کو فائدہ پہنچائیں اور ان کو سہولتیں پہنچانے کی کوشش کریں، ان کی تجارتوں اور زراعتوں میں ان کی مدد کریں ان کے لئے قانونی مشکلیں پیدا نہ کریں، ان سے لینے اور کھینچنے والے نہیں بلکہ ان کو دینے والے اور نفع پہنچانے والے بنیں ــــ جب اہل حکومت ایسا کریں گے تو ملک کے عوام ان کو بدلنا ہی نہ چاہیں گے الیکشن کے ہنگاموں کی ضرورت ہی نہ ہوگی، اسی طرح محکوم عوام سے کہا گیا ہے کہ وہ حکومت والوں سے لینے کی نہ سوچیں بلکہ ان کو اپنے جان و مال سے فائدہ پہنچانے والے بنیں اور ان کے مسائل میں ان کی مدد کریں ان کے لئے مشکلات پیدا نہ کریں، ان سے اگر کوتاہیاں ہوں تو درگزر کریں اور اللہ کے حوالہ کریں۔

الغرض ہر طبقہ کو دوسروں کی نفع رسانی کے طریقہ پر لگایا گیا اور بتایا گیا کہ اپنے جان و مال اور درد و فکر کا زیادہ حصہ دوسرے کے بنانے پر لگاؤ ــــ یہ اسلام کا بتایا ہوا طریقہ ہے اگر اس پر چلا جائے تو ہر طبقہ کا دوسرے سے پورا جوڑ ہوگا اور ہر کام دیانتداری سے اور ٹھیک ٹھیک ہوگا، کوئی بے ایمانی سے روپیہ اور جائیداد پیدا کرنے کی فکر نہیں کرے گا اور اگر اس کے برعکس ذہن فائدہ اٹھانے کا ہوا تو پھوٹ ہی پھوٹ ہوگی اور لوگوں کی نیتیں خراب ہوں گی۔ پھر یہ ہوگا کہ پچاس لاکھ کے ٹھیکے والے پل پر صرف دس لاکھ کی لاگت لگائی جائے گی جس کی وجہ سے پل کمزور بنے گا، کوئی سڑک ٹھیک نہیں بنے گی، کوئی کام ٹھیک نہ ہوگا ــــ خوب سمجھ لو لینے والے ذہن سے کوئی تعمیر نہیں ہو سکتی، تعمیر نفع رسانی اور دوسروں کو دینے والے طریقہ سے ہو سکتی ہے ــــ اور نفع رسانی کا ذہن جب ہی بن سکتا ہے اور اپنے پاس والی چیز دوسروں پر لگانے کا طریقہ جب ہی چالو ہو سکتا ہے جب یہ یقین دل میں اتر جائے کہ دینے

والے تو بس اللہ ہیں، چیزوں سے کچھ نہیں ہوتا اللہ کے کرنے سے ہوتا ہے اور میں جب اس کی رضا کے مطابق استعمال ہوں گا تو اللہ میرے سب کام بنا دیں گے اور نعمتوں کے دروازے کھول دیں گے۔ اس کی مشق نماز میں ہوگی۔

آج کہتے ہیں کہ موجودہ زمانے میں اسلام چلنے والا نہیں ہے، صحیح ہے! لینے کا ذہن رکھنے والوں میں دینے کا طریقہ کیسے چلے، اسلام کو اپنی خواہش اور اپنی حالت کے مطابق بنا کے چلاؤ گے تو وہ اسلام رہے گا ہی نہیں وہ تو تمھاری بنائی ہوئی ایک نئی چیز ہو جائے گی۔

کسی نے اپنے بدن پر گودنے والے سے شیر کی تصویر بنوانی چاہی، جب وہ سوئی سے گودنے لگا اور تکلیف ہوئی تو گودنے والے سے کہا کہ کیا بنا رہے ہو؟ اس نے کہا کہ پہلے شیر کی دُم بنا رہا ہوں، اس آدمی نے کہا کہ دُم چھوڑ دو بے دُم کے بھی تو شیر کی تصویر بن سکتی ہے، اُس نے دُم چھوڑ دی اور دوسری طرف سے بنانا شروع کیا، اب اس نے کہا کہ اب کیا بنا رہے ہو، اس نے کہا کہ کان بنا رہا ہوں اس نے کہا کہ بے کان کے بھی شیر بن سکتا ہے تم کان نہ بناؤ بے کان کا شیر بنا دو ـــــ تو بھائی دوستو! یہی اسلام کے ساتھ ہو رہا ہے کہ اپنے مزاج کے بدل جانے کی وجہ سے اسلام پر چلنا مشکل ہو رہا ہے تو اسلام کی قطع برید کی جا رہی ہے اور اس کو اپنی خواہش کے مطابق بنایا جا رہا ہے اس لئے سب سے پہلا کام یہ ہے کہ اپنے مزاج کو اسلام کے مطابق بنالیا جائے اور یہ جب بنے گا جب اس بات کا یقین پیدا ہو جائے کہ کسی مخلوق سے کچھ نہیں ہوتا سب اللہ سے ہوتا ہے اور حالات کا بناؤ بگاڑ اور تعمیر و تخریب اور کامیابی ناکامی چیزوں کے ہونے نہ ہونے سے نہیں ہوتی بلکہ اللہ تعالیٰ کے فیصلہ سے ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ بنانے اور چمکانے کا فیصلہ جب کریں گے جب میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر آجاؤں گا ـــــ تو اس راستہ پر چلنے کے لئے خارجی نہیں بلکہ داخلی دولتیں چاہئیں، خدا کا یقین ہو، خدا کا دھیان ہو، خدا کا خوف ہو ـــــ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر خدا کے خزانوں سے ملنے کا اور نعمتوں کے دروازے کھلنے کا یقین ہو ـــــ ان اندرونی تبدیلیوں کے لئے کچھ کرنا پڑے گا چیزوں سے کامیابی کا یقین ہٹانے کے لئے اور اللہ سے کامیابی کا یقین جمانے کے لئے کچھ مدت کے لئے

چیزوں میں سے نکلنا ہوگا، ایمان کی مجلسوں میں بیٹھ کر ایمان کی باتیں سننا سنانا ہوگا، نماز کے فضائل اور اس کے برکات معلوم کر کے اس یقین کے ساتھ نماز میں لگنا ہوگا کہ ہم خدا میں لگیں گے تو خدا ہم کو نوازیں گے، اسی طرح اذکار و تسبیحات کے فضائل معلوم کر کے ان کے یقین کے ساتھ ان میں لگنا ہوگا دوسروں کے ساتھ اچھے سلوک اور خدمت کی مشق اس یقین کے ساتھ کرنی ہوگی کہ ہم جتنا اچھا سلوک اللہ کے بندوں کے ساتھ کریں گے ویسا ہی اچھا سلوک اللہ تعالیٰ اپنی شان عالی کے مطابق ہمارے ساتھ کریں گے۔ خاص کر ایمان کی نسبت سے ہر مسلم کے اکرام کی اور اپنے کو حقیر و کمتر سمجھنے کی مشق کرنی ہوگی۔ ان باتوں کی دوسروں کو بھی دعوت اپنی حاجت سمجھ کر اس یقین کے ساتھ دینی ہوگی کہ جب میں اللہ کے دوسرے بندوں میں اس کے لئے کوشش اور محنت کروں گا اور اس راستہ میں تکلیفیں اور ذلتیں اٹھاؤں گا تو اللہ تعالیٰ مجھے ان چیزوں سے محروم نہ رکھیں گے ــــ اس کی بھی مشق کرنی ہوگی کہ یہ سارے کام صرف اللہ کی رضا کے لئے ہوں ــــ اس طرح کچھ مشق کر لینے سے انشاء اللہ سب طبقوں میں جوڑ کی شکل پیدا ہو جائے گی۔

امریکہ والوں نے سب کچھ بنا لیا لیکن کالوں اور گوروں کو جوڑنے میں وہ بالکل ناکام رہے اسی طرح انھوں نے شراب بند کرنے کے لئے کروڑوں روپیہ خرچ کر ڈالا اور ساری کوششیں کرلیں لیکن بجائے کمی کے اس میں اور زیادتی ہوئی، الحمدللہ اس تبلیغ کے عمل سے لاکھوں ایسے آدمیوں کے جرائم چھوٹ گئے جن کا جرائم چھوڑنا ناممکن معلوم ہوتا تھا۔

الحمدللہ اس کام میں سارے ہی طبقات لگ رہے ہیں جو طبقہ اس پر محنت کرے گا اور یہ باتیں اپنے اندر پیدا کرلے گا اس سے سب لوگ جڑ جائیں گے، ہم اگر اپنے ہی ساتھ جوڑنا چاہتے تو جوڑنے کی یہ ترکیب آپ کو نہ بتاتے۔ ہم چاہتے ہیں کہ آپ سب اس طریقہ پر کچھ محنت کریں پھر دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ آپ ہی کے ذریعہ کتنی آسانی سے سب طبقوں کو جوڑتا ہے۔

آج ہر طبقہ میں ہر جگہ جو ٹوٹنا چل رہا ہے اور مسائل بگڑتے چلے جا رہے ہیں۔ اس کا علاج صرف حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ میں ہے ــــ جو جتنا کرے گا اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ اتنا

پالے گا۔

ہم نے اس کام کے لئے کوئی انجمن نہیں بنائی نہ اس کا کوئی دفتر ہے نہ رجسٹر ہے نہ فنڈ ہے۔ یہ سارے ہی مسلمانوں کا کام ہے۔ ہم نے مروجہ طریقہ پر کوئی علٰحدہ جماعت بھی نہیں بنائی ہے ــــ جس طرح مسجد میں نماز کے عمل پر مختلف طبقوں اور مشغلوں والے مسلمان آکر جڑ جاتے ہیں، اور نماز سے فارغ ہو کر اپنے اپنے گھروں اور مشغلوں میں چلے جاتے ہیں اس طرح ہم آپ سب سے کہتے ہیں کہ کچھ وقت کے لئے اپنے گھروں اور مشغلوں سے نکل کر یہ محنت اور مشق کر لیجئے اور پھر اپنے گھروں اور مشغلوں میں آکر ان اصولوں کے مطابق لگ جائیے ــــ آپ نے اگر یہ چیز محنت کر کے حاصل کر لی تو دنیا بھر کے سائنس والے آپ سے یہ طریقہ سیکھنے آئیں گے اور خدا نے چاہا تو آپ دنیا کے امام ہوں گے۔

عہد نبویؐ میں دینی محنت کا نقشہ

دینی محنت کرنے والے رفقاء سے حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک خطاب

عطیہ افتخار فریدی صاحب (مراد آباد)

یوں سمجھئے کہ ایک دینی محنت ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے ایک خاص نقشے کے ساتھ کی ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ اس محنت کو ان کے طریقے پر سیکھیں اور کریں۔

الحمد للہ احباب نے چند مقامات میں تھوڑا تھوڑا اس محنت کو سیکھنا شروع کیا ہے لیکن کسی جگہ کی محنت کامل نہیں ہے بلکہ ابتدائی درجوں میں ہے۔ اب اگر ہر جگہ کے محنت کرنے والے یہ سمجھیں کہ پوری محنت یہی ہے جو ہو رہی ہے تو اصل شکل پر کوئی نہیں پہنچ پائے گا۔ اب جو انسان بھی محنت شروع کرے وہ یوں سمجھے کہ میری محنت ابتدائی شکل پر ہے اس کو کرتے کرتے اس شکل پر پہنچنا ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ کے ساتھیوں نے کی تھی جب وہ اصل محنت ہے تو انسان اپنی محنت کو اس کے مقابلہ میں بالکل ادنیٰ سمجھے۔ لہٰذا اصل محنت کو سامنے رکھ کر نیت کرے کہ انشاء اللہ مجھے ترقی کر کے انتہا تک پہنچانا ہے۔

اب ایک تو یہ سوچنا ہے کہ اس محنت کا فائدہ کیا ہے؟ دوسرے یہ سمجھنا ہے کہ وہ محنت کیا ہے؟

اس محنت کا فائدہ یہ ہے کہ محنت کرنے والوں کو اور ساتھ ہی ساتھ دوسرے انسانوں کو ہدایت مل جائے اور انسان دین پر اتنا ہی چلیں گے جتنی خدا کی طرف سے ہدایت ملے گی۔

تو اب محنت کی سطح جتنی بلند ہوتی جائے گی اتنی ہی خدا کی طرف سے ہدایت کی تقسیم عام ہوتی جائے گی۔ وہ محنت جب ختم ہو جاتی ہے تو ہدایت مسلمانوں میں سے نکلنا شروع ہو جاتی ہے۔ پہلے ہدایت کاروبار اور معاشرت میں سے نکلتی ہے کہ کاروبار میں جو دین کے احکامات ہیں ان کو چھوڑ کر دوسرے طریقوں سے کاروبار چلانے لگتے ہیں پھر فرائض نکلتے ہیں اور پھر مختلف برائیاں داخل ہونے لگتی ہیں حتیٰ کہ مسلمان دین سے نکلنے لگتے ہیں اور جب دین کی محنت کی جاتی ہے تو ہدایت خدا کی طرف سے آنی شروع ہوتی ہے۔ پھر جس درجے میں محنت ترقی کرتی جائے گی ہدایت پھیلتی جائے گی۔

ہدایت کی ایک سطح یہ ہے کہ نماز پڑھنے لگیں۔ دوسری یہ ہے کہ روزے زکوٰۃ حج ادا کرنے لگیں تیسرے یہ کہ مال کمانے اور خرچ کرنے میں احکامات شرعیہ کی تعمیل ہونے لگے۔ اس سے آگے یہ ہوتا ہے کہ خدا تمام انسانوں کو ہدایت دینے لگے۔ ہدایت کے بقدر دین زندہ ہوگا اور ہدایت محنت کے بقدر آئے گی۔ تو اب ہم جو یہ دیکھتے ہیں کہ لوگ دین پر نہیں چل رہے ہیں بلکہ اس سے نکل کر بے دینی میں داخل ہو رہے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ محنت نکل چکی ہے۔ اب بھی جہاں کے بندوں نے دین کی محنت شروع کر دی ہے اتنی خدائے پاک نے ہدایت دینی شروع کر دی ہے اور بقدر ہدایت کے دین زندہ ہونا شروع ہو گیا ہے۔ جہاں نمازی نہیں تھے وہاں کچھ نمازی ہو گئے، جہاں روزے نہیں تھے وہاں کچھ روزے زندہ ہو گئے، جہاں حج نہیں تھا وہاں کچھ حج قائم ہو گئے جہاں تعلیم کا رواج نہ تھا وہاں تعلیم ہونے لگی لیکن ہدایت اس سطح کی ابھی نہیں ملی کہ کمائیوں کے اندر کے احکام پورے کریں اور کھانے پینے، مکان بنانے میں اور لین دین میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم والی راہ اختیار کریں تو ابھی ہم مسلمان بھی اس کے محتاج ہیں کہ محنت کی سطح بلند ہو تاکہ پوری زندگی میں اسلام پر چلنے کی سعادت حاصل ہو اور دوسرے انسانوں کو بھی اسلام کے سمجھنے کی ہدایت ملے۔ اب اس محنت میں دو نوعیتیں ہیں۔ ایک تو محنت کرنے والوں کی تعداد بڑھانا، دوسرے یہ محنت جو لوگ کر رہے ہیں ان کا مقدار محنت کی شکلوں میں بڑھنا۔ یہ دو علیحدہ لائنیں ہیں۔ اگر لاکھوں محنت کرنے والے بن جائیں مگر محنت تھوڑی تھوڑی کریں تو ہدایت تھوڑی تھوڑی آئے گی۔ اگر خدا ایسی صورت کر دے کہ جو محنت

کررہے ہیں ان کی مقدار محنت بڑھ جائے تو مسلمانوں کو بھی ہدایت ملے گی اور تمام انسانوں کو بھی ملے گی۔

ابھی تک جو ہماری محنت کی نوعیت ہے وہ یہ ہے کہ مشغول لوگ اپنی مشغولیتوں میں سے تھوڑا تھوڑا وقت اس طرح نکال رہے ہیں کہ ان کے دنیوی مشاغل میں فرق نہ پڑے۔ حق تعالیٰ شانہ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھیوں سے دین کے لئے قربانیاں دلوائی ہیں تو اب محنت کرنے والوں میں جتنی حضور والی قربانی پیدا ہوگی محنت کی سطح بلند ہوگی۔ اب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھیوں کی محنت بتلانا چاہتا ہوں جس سے ابھی ہم بہت دور ہیں لیکن اگر اس محنت کو سامنے رکھ کر چلتے رہیں گے تو خدا وہاں تک پہنچا دے گا۔ تو ہر کام کرنے والے کو محنت کے اس انتہائی نقشہ کو سامنے رکھ کر وہاں تک پہنچنے کی نیت کرنی چاہئے۔ یہ بات تو آپ لوگ جانتے ہیں کہ سارے عرب میں مدینہ والوں کی محنت سے دین پھیلا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کا عرب کا رقبہ چھوٹا نہیں تھا، ہندوستان کے برابر نہیں تو اس سے بہت کم بھی نہ تھا۔ اس وقت دنیا میں کمائیوں کے جو طریقے رواج پذیر تھے وہ بھی نہ تھے۔ پورے ملک میں کوئی حکومت قائم نہ تھی جس کے دفاتر وغیرہ کی نوکریوں کے ذریعہ بھی رزق کی سہولت حاصل نہیں تھی۔ اس زمانے میں بیت اللہ پر آنے والے حجاج سے بھی وہاں کچھ وصول نہیں کیا جاتا تھا بلکہ حجاج کی مدارات میں ہر ایک کچھ خرچ کرتا تھا، لہٰذا حج کا شعبہ بھی اس زمانے میں کمائی کا شعبہ نہیں تھا۔ کھیت اور باغات بھی گویا نہیں تھے، تجارتی نظام بھی مکہ معظمہ وغیرہ کے علاوہ نہ تھا۔ کہیں کہیں کھجور، انگور اور انار کے کچھ باغات تھے۔ چند مقامات تھے جہاں چھوٹے پیمانہ پر تجارت ہوتی تھی۔ غرض کہ پورا عرب عام طور سے ننگا بھوکا پیاسا عرب تھا۔ نہ سب کے پاس کپڑے تھے نہ مکانات تھے پانی اور کھانا بھی پورے عرب کو نہیں ملتا تھا۔ بھوک کی شدت میں کیڑے مکوڑے بھی کھا جاتے تھے۔ یہاں تک کہ زمین پر پڑا ہوا خون بغیر تحقیق کے کہ کس چیز کا ہے، کس جگہ کا ہے چاٹ جاتے تھے، اکثر علاقے کمائی سے خالی اور بھوک سے بھرے ہوئے تھے۔ بادشاہوں تک کی ہمت نہیں تھی کہ اس ملک پر حکومت کریں۔ حکومت کرنے کیلئے

بھی اخراجات کی ضرورت ہے، اس وقت نہ پٹرول تھا نہ سونا، عرب کے کنارے پر قیصر و کسریٰ کی حکومتیں فوجی نظام رکھتی تھیں کہ عرب ان پر کسی وقت بھی چڑھائی نہ کر دیں۔ ورنہ کوئی نظام حکومت پورے عرب بھر میں نہ تھا، تو جس ملک میں نظام چلانے کے لئے حکومتوں تک کی ہمت نہ پڑتی ہو اس ملک میں حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے محنت کی۔ یہ جو مقامات تجارت و زراعت کے مراکز تھے وہ سب ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں آئے سوائے مدینہ پاک کے آدمیوں کے سارے ملک کے خوشحال قبائل مخالف تھے۔ سارا عرب منتظر تھا کہ مکے والے اسلام لائیں تو ہم بھی لائیں اور مکہ والوں نے آپؐ کی زندگی کے آخری دور تک مقابلہ کیا۔ اب ایسے حالات میں جتنا کام ہوا تمام کا تمام مدینہ کی بستی سے ہوا، جہاں بھی کوئی ایمان لاتا اسے مدینہ بلا لیا جاتا تو مدینہ ایسی بستی بن گیا جہاں لوگ خاندان اور برادریاں چھوڑ چھوڑ کر آکر بستے رہے۔ اور جب قوم سے نکل کر آتے تھے تو اپنا مال بھی لے کر نہیں آسکتے تھے۔ مدینہ والوں کو ان کے رہنے کھانے پینے کا انتظام کرنا پڑتا تھا۔ اب یہ ایسی بستی بن گئی جہاں مہاجر اور مقامی برابر ہو گئے۔

آنے والوں میں کچھ تو تھے ہی فقیر، کچھ کے روزگار ٹوٹ گئے، کچھ کے اموال مقام والوں نے چھین لئے۔ غرضیکہ مدینہ میں آنے والے سب ہی فقیر بن کر آئے۔ ان فقیروں اور مدینہ کے انصار کو لے کر آپؐ نے دین کی محنت کا کام شروع کیا۔ باہر سے آنے والوں کو کاروبار کرنے سے نہیں روکا گیا جب تک کمائی کی شکلیں وجود میں آئیں مقامیوں نے سب کی ضروریات مہیا کیں، غرضیکہ مدینہ میں بسنے والوں پر اتنا بوجھ پڑ گیا تھا اور ان کے حالات ایسے ہو گئے تھے کہ کم از کم دس سال تک اپنے کاروبار جمانے یا زیادہ اخراجات مہیا کرنے کے سبب ان کو کہیں باہر نہیں نکلنا چاہیے تھا، کمائی والے نظام کا یہی تقاضا تھا، انصار پر چونکہ سب آنے والوں کا خرچ بھی پڑ گیا تھا اس لئے کھیتوں اور باغات کے کام میں بھی زیادہ انہماک کی اور زیادہ وقت لگانے کی ضرورت تھی تاکہ آنے والوں کے اخراجات پورے کر سکیں کیونکہ مدینہ کے انصار کے بہت سے گھروں پر کئی کئی خاندان ٹھہرے ہوئے تھے۔ الغرض ان ضرورتوں کے اعتبار سے باہر نکلنے کا بالکل موقع نہیں تھا۔ لیکن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ والوں کو کمائی کی چھٹی دینے کے بجائے دین کی پوری محنت اسی دس سال میں کی اور کرائی اور دین کی محنت کا ایک نقشہ قائم کیا کہ انسانی زندگی میں جو تقاضے

ہیں گھر والوں کی پرورش (دیکھ بھال) مال و دولت کمانے کا عمل، ان دونوں عملوں کو بار بار چھڑا کر دین کی محنت کے عمل کو آگے بڑھایا اور صحابہ کرام کو ایسی تربیت دی کہ جس وقت اللہ کے راستے میں نکلنے کو کہا جائے اور جتنوں کو کہا جائے اور جہاں کے لئے کہا جائے سب تقاضوں کو چھوڑ کر نکل جائیں۔ یہاں تک کہ جن کو مغرب کے وقت نکلنے کو کہا انہیں مدینہ میں سونے نہیں دیا جس طرح پکے نمازی اذان کی آواز سن کر تمام کام چھوڑ کر نماز کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح مدینہ والے خدا کے راستہ میں نکلنے کی آواز پر کھڑے ہو جاتے تھے۔ جس وقت اللہ کے راستے میں ایمان و دین کے تقاضوں پر آواز لگتی، یہ آواز سودے خریدتے وقت سنیں یا دوکان کھولتے وقت کان میں آئے، یا خرید و فروخت کے انتہائی انہماک کے وقت سنی جائے، یہ آواز کھجور کے باغوں میں کھجوروں کے توڑنے کے وقت لگے۔ نکاح ہونے کے وقت لگے یا رخصتی ہونے کے وقت لگے عورتوں کے بچہ پیدا ہونے کے وقت لگے یا بیماری کے وقت لگے یا عزیزوں اور گھر والوں کی موت کے وقت لگے اس کی مشق کر لی تھی کہ جس وقت آواز سنیں سب چھوڑ چھاڑ کر نکل جائیں جو پاس ہو لے لیں، جہاں ضرورت ہو چلے جائیں، جتنے وقت کا تقاضا ہو وہاں گزاریں جو جان پر بیتے اسے جھیلیں۔ یہ مزاج بن گیا تھا خدا کے راستے میں نکلنے والوں کا ___ مدینہ پاک کے دس سال کے قیام میں ڈیڑھ سو جماعتیں نکالیں جن میں سے ۲۵ سفروں میں آپ خود تشریف لے گئے۔ کسی میں دس ہزار آدمی نکلے، کسی میں پچاس ہزار نکلے کسی میں تیس یا چالیس ہزار نکلے، کسی میں تین سو تیرہ نکلے، کسی میں دس کسی میں پندرہ، کسی میں سات یا آٹھ نکلے، مدت کے اعتبار سے کسی میں دو ماہ خرچ ہوئے کسی میں تین ماہ، کسی میں بیس دن کسی میں پندرہ دن خرچ ہوئے۔ بقیہ جو سوا سو جماعتیں نکالیں انمیں بھی ہزار نکلے، پانچ سو اور چھ سو بھی کم و بیش سب طرح کے نکلتے رہے مدت بھی چھ ماہ چار ماہ سب طرح کا وقت لگا۔ اب حساب لگاؤ کہ ہر آدمی کے حصے میں باہر گزارنے کا کتنا وقت پڑا اور سال میں کتنے سفر کئے اگر سب سفروں کو جوڑ کر تخمینہ کرو گے تو سال میں چھ ماہ یا سات ماہ ہر آدمی کے حصہ میں آئیں گے اب اس نقل و حرکت کی کوشش سے مختلف مقامات کے انسانوں کو مدینہ آنے کی دعوتیں ملیں کہ اسلام مدینہ میں آکر سیکھو۔ چونکہ اسلامی زندگی کا ماحول سے

آئے گی۔ اس زندگی کا ماحول صرف مدینہ میں تھا تو باہر نکلنے والوں کو مدینہ منورہ کے قیام کے زمانے میں باہر سے آنے والوں کو دین سکھانا پڑتا تھا۔ پھر مدینہ والوں کو اپنے لئے بھی علم حاصل کرنے کے لئے وقت نکالنا پڑتا تھا۔ مدینہ میں قیام کے زمانہ میں مسجدوں کے لئے وقت مانگا جاتا تھا۔ تاکہ سیکھنے سکھانے کا نظام مسجدوں میں قائم رہے اور آنے والوں کو سنبھالا جا سکے۔ جب ان لوگوں نے روزانہ کی زندگی ایسی بنالی کہ اگر دو آدمیوں نے مل کر تجارت شروع کی تو باری لگالی۔ ایک ایک دن کی کوئی کسی وقت کوئی کسی وقت کوئی کما کر پہنچ جاتا کوئی شام کو پہنچتا اور رات کو رہتا، عشاء بعد سے عبادت میں لگا رہتا پھر سوتا۔ کچھ عشاء پڑھتے ہی سو جاتے اور پچھلے وقت میں تہجد ادا کرتے۔ اس طرح چوبیس گھنٹے مسجد میں مقامی مسلمان موجود رہتے۔ اب جو باہر سے جس وقت پہنچتے آدمی مسجد میں ان کو سنبھالنے کو موجود ملتے کبھی تعلیم کے حلقے ہو رہے ہیں تو آنے والوں کو اس میں بٹھاتے۔ نماز ہو رہی ہے تو اس میں شامل کر رہے ہیں۔ ذکر اذکار جس وقت ہو رہا ہے اس میں جوڑ رہے ہیں۔ اس طرح آنے والے بھی اپنے کو خالی کسی وقت نہیں سمجھیں گے۔ اب حساب لگاؤ چھ سات ماہ تو باہر خرچ ہوئے مسجدوں کی باری میں بھی دو ڈھائی ماہ نکل گئے۔ اب دنیاوی ضرورتوں کے لئے کتنا وقت رہ گیا۔ ہر شخص کا وقت بیرونی نقل و حرکت میں بہت سا لگ گیا اور کافی وقت مدینہ آنے والوں کے سنبھالنے میں لگ گیا۔ ذرائع آمدنی تو عام حالات سے بھی کم ہو گئے اور اخراجات کئی گنا زیادہ بڑھ گئے۔ باہر کی نقل و حرکت کا خرچ، اپنا اور گھر والوں کا خرچ جو دوسرے باہر سے مدینہ میں آئیں تو ان کا خرچ، جو مدینہ کے غربا باہر نکل رہے ہیں ان کا سفر خرچ، سواری لباس، کھانا، باہر والے خوشحال آئیں، ان کی بھی دعوتیں کرنا، پھر جن علاقوں میں قحط ہوتا وہ بھی مدینہ پاک آتے، ان کی بھی مدد کرنا، غرضیکہ خرچ تو نقل و حرکت کے زمانے میں بھی اور قیام کے زمانہ میں بھی بہت بڑھ گیا اور کمائی کی شکلیں ٹوٹ گئیں نتیجہ یہ ہوا کہ باہر بھی اور مقام پر بھی فاقے جھیلنے پڑے۔ سردی بھی سہنی پڑی، گرمی بھی برداشت کرنی پڑی غرضیکہ ہر قسم کی تکلیفیں اٹھانی پڑیں۔ اپنا پیٹ کاٹ کاٹ کر مقامی اور بیرونی خاکوں کو چلایا۔ تو جب ایمان کا کام کرنے والوں نے ایمان کے تقاضوں کو کمائیوں اور گھر کے تقاضوں پر مقدم کر دیا تو حق تعالیٰ شانہٗ نے اس نقشہ سے خوش ہو کر تمام عرب

کی بسنے والی قوموں کو اسلام میں داخل کر دیا اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کی قربانی کی برکت سے ان تمام انسانوں کی تربیت ہو گئی جن کی تربیت کی حکومتوں کو بھی ہمت نہیں ہوتی تھی۔ آپ ایسی حالت میں دنیا سے تشریف لے گئے جب سارا عرب اسلام سے منور ہو چکا تھا اور مدینہ کا ایک ایک گھر مال سے خالی ہو چکا تھا۔ پھر حق تعالیٰ شانہٗ نے قیامت تک آنے والوں کو یہ دکھانے کے لئے کہ اسلام ذات محمدی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی محنت سے پھیلا ہے۔ آپؐ کے تشریف لے جانے کے بعد اکثر عرب قبائل کو پھر مرتد بنا دیا تاکہ قیامت تک کے آنے والوں کو پتہ چل جائے کہ جب بھی ہم اس محنت کو لے کر اٹھیں گے تو سارے عالم کے خاکے درست ہو جائیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوتے ہی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہٗ نے مدینہ منورہ کے مسلمانوں کو بیٹھنے نہیں دیا بلکہ ایک دم سب کو خدا کے راستے نکال دیا۔ اسی بھوک اور پیاس میں اسی غم کی حالت میں نکالا ــــ یہاں تک کہ تین دن اور تین راتیں مدینہ پر ایسی گزریں کہ ہر وقت حملے کا خطرہ تھا اور مدینہ پاک بالغ مردوں سے گویا بالکل خالی تھا اکثر تو ملک شام کے رخ پر جیش اسامہ میں بھیجے گئے۔ بقیہ ڈیڑھ سو قرب و جوار میں نکلے۔ ظاہر کے اعتبار سے نکلنے کا موقع بالکل نہ تھا۔ محض حکم کی تعمیل کے جذبے سے نکلے۔ اللہ رب العزت نے اس محنت کی پوری دنیا کو قیمت دکھائی۔ ایک قلیل عرصہ میں سارا عرب اسی نقشہ پر آگیا، ایک عرب گھرانہ بھی اسلام سے باہر نہیں رہا اور اس میں صرف ایک ماہ لگا۔ صرف یہی نہیں کہ مسلمان بن گئے، بلکہ ایمان کی پوری محنت پر لوٹ آئے۔

تو اصل ایمان کی محنت کا نقشہ یہ ہے کہ ایسی فضا پیدا ہو جائے کہ جس کو جس وقت جہاں کیلئے کہا جائے سب مشاغل چھوڑ کر راہ خدا میں چلا جائے اور جب باہر کے آدمی دین سیکھنے کے لئے اس کے مقام پر آئیں تو یہاں بھی ان کے ساتھ لگ جائے تو اب آپ غور کیجئے کہ آج کی محنتوں میں اور اس محنت میں کتنا فرق ہے۔ تو اصل سمجھو اس نقشے کو اور یہ سمجھو کہ ہماری والی محنتیں ابتدائی ہیں اور ہمیں ان جیسی محنت کرنے والا بننا ہے۔ پوری پوری جان لگانے والا بننا ہے۔

مختصر سی زندگی ہے۔ اس میں تھوڑا سا وقت ضروریات کے لئے کمانے پر لگائیں گے اور بقیہ تمام

وقت دین کی محنت پر صرف کریں گے۔ اب ذہن میں یہ رکھیں کہ چونکہ یہ قربانی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کے اندرون سے نکلی ہے اس لئے ان کے بدن اور روح کے انوار اس قربانی میں موجود ہیں۔ لہذا جتنی قربانیاں کام کرنے والوں میں بڑھیں گی اتنی ہی ہدایت حق تعالیٰ شانہٗ کی جانب سے آئے گی۔

دین مالوں سے نہیں پھیلے گا بلکہ دین کی محنت سے کمائیوں کے نقشے میں جو نقصانات اور کمیاں آئیں گی اس قربانی سے پھیلے گا اور جب یہ قربانیاں کمال تک پہنچیں گی تو ان قوموں کو آپ کے ذریعہ ہدایت ملے گی جو آسمان پر اڑ رہی ہیں اور ہم غریبوں کی طرف دیکھتی بھی نہیں اور وہ مسلمان جو زندگی کے کسی شعبے میں اسلام کی بات سننے کو تیار نہیں وہ اپنے تمام کاموں کو اسلام کے احکامات کے موافق بنا لے گا اور آپ حضرات کی قربانیوں کا بدلہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حوض کوثر پر کھڑے ہو کر دلوائیں گے جہاں آپ نے انصار سے ملنے اور ان کی قربانیوں کا صلہ دلوانے کا وعدہ فرمایا ہے۔ بشرطیکہ یہ طے کر لو کہ خدا جو کچھ ان محنتوں کے بعد دے گا وہ حاصل کر کے دوسروں کو دیں گے اور خود نہ لیں گے۔ ایسا کرنے میں حضورؐ کی جھلک پائی جائے گی کیونکہ آپ قربانیوں کے دور میں صحابہ کرام کے ساتھ تھے اور جب نعمتیں ملنے کا وقت آیا تو آپ تشریف لے گئے اس طرح جو حضرات اپنی جان و مال کی قربانی کریں گے اور دنیا میں جو کچھ لینا نہیں چاہیں گے اور صرف آخرت پر نگاہ رکھیں گے وہی حضرات آخرت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سب سے زیادہ قریب ہوں گے۔ انشاء اللہ۔

سارے انفرادی و اجتماعی مسائل کا ایک حل

حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ کی ایک تقریر

{یہ تقریر میاں جی محمد عیسیٰ کی اس بیاض سے لفظ بہ لفظ نقل کی گئی ہے جس کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے}

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم

بھائی دوستو! بڑی دقت کی بات یہ ہے کہ اپنی غلط کاری کی بنا پر ہمارا ذہن انفرادی بن چکا، دین کے بارہ میں بھی اور دنیا کے بارہ میں بھی، یہاں کے بارہ میں بھی اور آخرت کے بارہ میں بھی۔ ذہن یہ بن گیا کہ بس اپنی ذات والے حال میں لگا رہے، خواہ دین کا حال ہے یا دنیا کا اس سے اپنا مسئلہ درست ہو جاوے گا، حالانکہ شخصی احوال پر طاقت خرچ کرنے سے بلا و مصیبت کم نہیں ہوتی بلکہ اضافہ ہی ہوتا ہے، اجتماعی احوال کو جب تک ٹھیک نہ بنایا جاوے اس وقت تک شخصی حالات کا درست ہونا مشکل ہے اگر اجتماعی زندگی کی خرابی پر کوئی اجتماعی مصیبت آپڑے تو پھر ہر کسی کی شخصی بھی بگڑتی چلی جاوے گی اور اس کے برعکس اگر اجتماعی زندگی کو بہتر بنانے کی سعی کی جا رہی ہو گی تو ایک ایک شخص کا انفرادی مسئلہ بھی بہتر ہوتا چلا آوے گا، جب کسی قوم، ملک یا امت کا اجتماعی مسئلہ بگڑا ہوا اور طاقت اس کی درستگی پر لگائی جاوے تو وہ اجتماعی بھی درست ہو جاتا ہے اور ہر کسی کا شخصی بھی درست ہو جاتا ہے۔ ہمیں غلط فہمی ہوتی ہے کہ فلاں تدبیر کے نہ کرنے کی وجہ سے معاملہ بگڑا ہے، حالانکہ ہمارے ایک ایک مسئلہ کا بگڑنا اور بننا اجتماعی مسئلہ کے ساتھ ہے۔ ہاں اگر تھوڑے سے آدمی اجتماعی مسئلہ پر طاقت لگا دیں تو سب کے مسائل اجتماعی اور انفرادی درست ہو جاویں گے اور اگر کچھ لوگ بھی پوری قوم میں سے اس کا

فکر رکھنے والے نہ ہوئے تو اجتماعی کے ساتھ ہر کسی کا شخصی مسئلہ بھی بگڑ جائے گا اور سوائے حسرت و یاس کے کچھ حاصل نہ ہوگا ـــــ اجتماعی مسئلہ کے بگڑنے کی صورت میں اگر قوم کے اولیاء اللہ اس کے سدھار کے لئے راتوں کو رو رو کر بھی دعائیں کریں گے تو ان کی دعائیں بھی حالات کو بہتر نہیں بنا سکتیں۔ اگر خدا تعالیٰ کے ہاں سے فیصلہ ہو جاوے کہ کسی ملک کے انسان بھوکے مریں تو اگر بھوک سے بچنے کے لئے ایک ایک شخص پوری طرح جان بھی کھپا رہا ہو گا تب بھی ایک ایک کر کے بھوک سے ہلاک ہو جاویں گے۔ اپنی ذات کے مسئلہ میں لگ جانا ہی تو اجتماعی کے بگاڑ کا ذریعہ ہے۔ جوں جوں اپنی ذات کے لئے جان کھپاوے گا اسی قدر اجتماعی حالات بگڑتے جائیں گے اور یہاں تک بگڑیں گے کہ احادیث میں آتا ہے کہ لوگ قبروں پر سے گزرتے ہوئے حسرت کریں گے کہ کاش ہم بھی قبروں میں ہوتے، آدمی آدمی کو کاٹ کر کھا جاوے گا، یہ جب ہوگا کہ ہر کسی کا جذبہ جانوروں کی طرح صرف اپنی ہی ذات کے لئے ہو، ایسے انسان انسانوں کے جامہ میں درندے ہوتے ہیں، ساری پریشانی اس وجہ سے ہے کہ وقت تو اجتماعی مسائل کے لئے قربانی دینے کا ہے اور کوشش اس بات کی کر رہے ہیں کہ اچھا جب تک دوکان چلتی رہے چلاؤ یا زمین میں لگا جاوے لگے رہو۔ محض اپنے لگنے سے مسائل درست نہیں ہوتے بلکہ اللہ پاک ہی بگاڑتے ہیں اور وہ ہی بناتے ہیں۔

یقین اس بات پر جمانا ہے کہ جس چیز پر اللہ پاک طاقت لگوانا چاہتے ہیں اس میں لگنے سے تو مسائل ٹھیک ہوتے ہیں اور جن مخلوقات پر انسان از خود طاقت خرچ کرتا ہے اس سے مسائل بگڑتے ہیں۔ انفرادی بھی بگڑتے ہیں اور اجتماعی بھی۔ طاقتیں جب مخلوق پر خرچ ہونے لگیں تو خدا کا غضب نازل ہوتا ہے اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جو ایک دوسرے کے ہمدرد ہوتے ہیں وہ جان لیوا ہو جاتے ہیں۔ جس طرح چیزیں اللہ کی مخلوق ہیں اسی طرح حالات بھی اللہ کی مخلوق ہیں، سورج مخلوق ہے، چاند مخلوق ہے، زمین و آسمان مخلوق ہیں، اور سارے جانور بھی مخلوق ہیں، حالات چیزوں کی مخلوق نہیں ہیں، حالات مستقل طور پر اللہ کی مخلوق ہیں، یہ بات نہیں کہ اگر کسی نے چاہا تو امن کر دیا اور چاہا تو فساد کر دیا۔ نہیں بلکہ یہ احوال اللہ پاک کے لانے سے ظاہر ہوتے ہیں۔ جس طرح سورج اللہ کی مخلوق ہے

اسی طرح وہ روشنی جو اس میں سے نکل رہی ہے وہ بھی اس کی مخلوق ہے۔ جب چاہتے ہیں سورج سے روشنی نکالتے ہیں اور جب چاہتے ہیں سلب فرما لیتے ہیں، کسی ہتھیار سے آدمی نہیں مرجاتا بلکہ جس طرح وہ آدمی اللہ کی مخلوق ہے اسی طرح اس کی موت بھی اللہ کی مخلوق ہے، جب اللہ پاک مارنا چاہتے ہیں تو موت وقوع میں آتی ہے، اسی طرح عزت و ذلت، فقر و فاقہ وغیرہ سب اللہ پاک ہی کی مخلوق ہیں، ہمیں غلہ سے پیٹ کا بھرنا نظر آتا ہے اور اسی طرح سے دوسری چیزوں میں ہم غلط طور پر احوال کو دیکھنے کے عادی ہوگئے ہیں اور غلط تخیل قائم کرتے ہیں، حالانکہ قرآن پاک میں صاف صاف ارشاد ہے کہ پانی ہم اتارتے ہیں کھیتی ہم اگاتے ہیں، ایک عورت اگر خدا کی مخلوق ہے تو اس کے اندر میں جو بچہ ہے وہ بھی اللہ ہی کی مخلوق ہے، مخلوق کسی وقت خالق نہیں بن جاتی، جو اول چیز کو بنانے والا ہے دوسری کو بھی وہی بناوے گا، کسی مخلوق کو مخلوق میں (سے ظاہر ہوتا) دیکھ کر (اس مخلوق پر) طاقت خرچ ہوگی تو مسئلہ بگڑے گا۔ روٹی کھانے میں پیٹ بھرنا (یعنی پیٹ بھرنے کی لازمی خاصیت) نہیں ہے۔ حضرت معاویہ رضؓ فرماتے تھے کہ کبھی میری یہ حالت تھی کہ روٹی کھاتے کھاتے میرا جبڑا دکھ جاتا تھا اور پیٹ نہیں بھرتا تھا۔

جو کچھ بھی ہے زمین سے لے کر آسمان تک اور جو اس وقت موجود ہے اور جو آگے آنے والا ہے ساری ہی چیزیں اللہ کی مخلوق ہیں اور سارے احوال بھی اس کے مخلوق ہیں تو بس جب کچھ لینا ہو اس کے لینے کے لئے اللہ ہی پر طاقت صرف کی جائے، اگر خوف سے گھبراہٹ ہے تو بھی رابطہ اللہ پاک سے ہی پیدا کیا جاوے، جس خوف کو اللہ پاک سے ہٹواؤ گے وہ ہمیشہ کے لئے ہٹ جاوے گا۔ اگر مخلوق پر طاقت صرف کرکے کوئی چیز حاصل کی تو وجود تو اس کا بھی اللہ ہی کے پیدا کرنے سے ہوگا تاہم مخلوق کے واسطہ سے آنے کی صورت میں وہ فانی ہوگی، جو شخص اللہ سے نہ لے بلکہ مخلوق سے لے تو بہت ہی پچھتانا پڑے گا۔ اس لئے کہ جو مخلوق مخلوق میں سے آئے گی وہ فانی ہوگی اور اس کے فنا پر حسرت و افسوس ہوگا اور جو چیز اللہ سے آئے گی وہ ہمیشہ کے لئے ہوگی۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کا مطلب یہی ہے کہ تمام مسائل کو ایک ذات باری تعالیٰ سے ہی حل کرانا ہے، لہٰذا وہ تدبیر اختیار کرو جو اس سے لینے کی ہیں۔

اگر خدا تعالیٰ سے لینے کی تدابیر اختیار کی جائیں گی تو دنیا میں بھی ملے گا اور آخرت میں بھی۔ غیر خدا

پر طاقت لگا کر ہم جو سمجھ رہے ہیں کہ چیزوں سے کچھ پیدا ہو رہا ہے تو اس میں شرک کی بو آتی ہے۔ کوئی مخلوق اللہ پاک کے حکم کے بغیر کچھ دے نہیں سکتی۔ قرآن پاک میں جگہ جگہ بتلایا گیا ہے کہ مخلوقات میں کچھ نہ سمجھے بلکہ عقیدہ رکھے کہ اللہ ہی کرنے والے ہیں۔ اسی کو توحید کہتے ہیں جس طرح مخلوق سے فائدہ اٹھانے کی تدابیر ہیں اسی طرح خدا تعالیٰ سے لینے کی بھی تدابیر ہیں۔ سارے احکامات بعد کو آتے ہیں۔ پہلا حکم یہ ہے کہ اللہ پاک پر یقین پیدا ہو جائے اور اسی کے پیدا کرنے کے لئے انسانوں میں کوشش کی جاوے۔ اس سلسلہ میں اگر تھوڑا سا یہاں خوف برداشت کر لیا جائے گا تو ہمیشہ کے خوف سے چھٹکارا ہو جائے گا، تھوڑی سی بھوک و پیاس برداشت کر لی جائے گی تو ہمیشہ کی بھوک سے نجات مل جاوے گی، تھوڑا وقت بیوی بچوں کی جدائی میں گزر گیا تو ہمیشہ کا ساتھ نصیب ہوگا۔ حضرات صحابہ کرامؓ نے تھوڑے دن بھوک پیاس برداشت کی تو اس دنیا میں بھی بڑی بڑی سلطنتوں کے دبے ہوئے خزانے تک ان کے پیروں میں آ پڑے۔ ضرورت ہے کہ ذاتی تاثر کسی چیز کا نہ رہے تب ہی ملک و مال کے فتنوں سے بچاؤ ہو سکتا ہے اور اللہ کیلئے ہر کسی سے معاملہ کرنا آجاوے، جب روپیہ نہ ہو تو بھی متاثر نہ ہو اور جب روپیہ آجائے تو اس سے بھی متاثر نہ ہو۔ ایسے ہی لوگ صالح ہیں جو مخلوق کا تاثر ختم کر دیں۔ غرض یہ کہ اس وقت کے بگاڑ کی وجہ صرف یہی ہے کہ ہم سب جو اللہ پاک کے حکموں پر جان کھپانے والے ہوتے وہ مخلوق پر جان کھپانے اور اسی سے لینے کے غلط تصور کے عادی ہو گئے، اللہ پاک کے حکموں پر جان کھپانے پر جس قدر اللہ کی مددوں کا یقین ہوگا اسی قدر غیب سے دروازے کھلتے جاویں گے، اگر خدا کے دین کے لئے جان کھپانے والوں کی مقدار بڑھے اور اس پر یقین ہو تو چونکہ ساری مخلوقات اللہ کی ذات سے وابستہ ہے۔ ہماری مرغوبات ہوں یا مکروہات اللہ ہی کی طرف سے ہیں۔ جب یہ بات ہے تو دنوں کو پوری طرح مخلوق میں اللہ پاک کا یقین پیدا کرنے کے لئے ٹھوکریں کھائیں اور راتوں کو اس کی جناب میں پوری طرح گریہ زاری سے دعائیں مانگیں تو انشاء اللہ ہر طرح اجتماعی و انفرادی احوال درست اور موافق ہو جائیں گے۔

مسلمانوں کو امت بننے کی دعوت

{ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے وصال سے تین دن پہلے یعنی ۲۶ ر ذیقعدہ (مطابق ۳۰ ر مارچ) منگل کے دن، بعد نماز فجر رائیونڈ (ضلع لاہور) میں ایک اہم تقریر فرمائی تھی (یہ آپ کی زندگی کی اہم آخری تقریر تھی۔ ہمیں تقریر مولانا عبدالعزیز صاحب گھلنوی کے ذریعہ حاصل ہوئی ہے) یہ پوری تقریر ۲۶ صفحہ کی تھی، صفحات میں گنجائش کی کمی اور ناظرین کی سہولت فہم کے لئے ہم کسی قدر اختصار اور لفظی ترمیم کے ساتھ اس کو ذیل میں درج کر رہے ہیں۔ ہم نے اس کی کوشش کی ہے کہ اس کا کوئی اہم حصہ چھوٹنے نہ پائے۔ حضرت مولانا مرحوم نے حمد و صلوٰۃ کے بعد خلاف عادت تقریر اس طرح شروع فرمائی }

"دیکھو میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے، ساری رات مجھے نیند نہیں آئی۔ اس کے باوجود ضروری سمجھ کے بول رہا ہوں، جو سمجھ کے عمل کرے گا اللہ تعالیٰ اسے چمکائے گا ورنہ اپنے پاؤں پہ کلہاڑی مارے گا۔"

اس کے بعد فرمایا۔

"یہ امت بڑی مشقت سے بنی ہے اس کو امت بنانے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ نے بڑی مشقتیں اٹھائی ہیں اور ان کے دشمنوں یہود و نصاریٰ نے ہمیشہ اس کی کوششیں کی ہیں کہ مسلمان ایک امت نہ رہیں بلکہ ٹکڑے ٹکڑے ہوں، اب مسلمان اپنا امت پنا (یعنی امت ہونے کی صفت) کھو چکے ہیں، جب تک یہ امت بنے ہوئے تھے چند لاکھ ساری دنیا پر بھاری تھے، ایک پکا مکان نہیں تھا،

مسجد تک بجلی نہیں تھی، مسجد میں چراغ تک نہیں جلتا تھا، مسجد نبوی ؐ میں ہجرت کے نویں سال چراغ جلا ہے سب سے پہلا چراغ جلانے والے تمیم داری ؓ ہیں وہ ۹ھ میں اسلام لائے ہیں ___ اور ۹ھ تک قریب قریب سارا عرب اسلام میں داخل ہو چکا تھا مختلف قومیں، مختلف زبانیں، مختلف قبیلے ایک امت بن چکے تھے تو جب یہ سب کچھ ہو گیا۔ اس وقت مسجد نبوی میں چراغ جلا لیکن حضور ؐ جو نور ہدایت لے کر تشریف لائے تھے وہ پورے عرب میں بلکہ اس کے باہر بھی پھیل چکا تھا اور امت بن چکی تھی، پھر یہ امت دنیا میں اٹھی جدھر کو نکلی ملک کے ملک پیروں میں گرے..... یہ امت اس طرح بنی تھی کہ ان کا کوئی آدمی اپنے خاندان، اپنی برادری، اپنی پارٹی، اپنی قوم، اپنے وطن، اپنی زبان کا حامی نہ تھا، مال و جائیداد اور بیوی بچوں کی طرف دیکھنے والا بھی نہ تھا بلکہ ہر آدمی صرف یہ دیکھتا تھا کہ اللہ و رسول کیا فرماتے ہیں، امت جب ہی بنتی ہے جب اللہ و رسول کے حکم کے مقابلہ میں سارے رشتے اور سارے تعلقات کٹ جائیں۔ جب مسلمان ایک امت تھے تو ایک مسلمان کے کہیں قتل ہو جانے سے ساری امت ہل جاتی تھی۔ اب ہزاروں لاکھوں کے گلے کٹتے ہیں اور کانوں پہ جوں نہیں رینگتی۔

سلسلۂ بیان جاری رکھتے ہوئے آگے آپ نے فرمایا۔

امت کسی ایک قوم اور علاقہ کے رہنے والوں کا نام نہیں ہے بلکہ سیکڑوں ہزاروں قوموں اور علاقوں سے جڑ کر امت بنتی ہے جو کوئی کسی ایک قوم یا ایک علاقہ کو اپنا سمجھتا ہے اور دوسروں کو غیر سمجھتا ہے وہ امت کو ذبح کرتا ہے اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کرتا ہے اور حضور ؐ کی اور صحابہ ؓ کی محنتوں پر پانی پھیرتا ہے ___ امت کو ٹکڑے ٹکڑے ہو کر پہلے خود ہم نے ذبح کیا ہے۔ یہود و نصاریٰ نے تو اس کے بعد کٹی کٹائی امت کو کاٹا ہے ___ اگر مسلمان اب پھر امت بن جائیں تو دنیا کی ساری طاقتیں مل کر بھی ان کا بال بیکا نہیں کر سکیں گی۔ ایٹم بم اور راکٹ ان کو ختم نہیں کر سکیں گے لیکن اگر وہ قومی اور علاقائی عصبیتوں کی وجہ سے باہم امت کے ٹکڑے کرتے رہے تو خدا کی قسم تمہارے ہتھیار اور تمہاری فوجیں تم کو نہیں بچا سکیں گی۔

سلسلۂ تقریر جاری رکھتے ہوئے آگے آپ نے فرمایا۔

مسلمان ساری دنیا میں اس لئے پٹ رہا اور مر رہا ہے کہ اُس نے اُمت پنے کو ختم کر کے حضورؐ کی قربانی پر پانی پھیر دیا ہے۔ میں یہ دل کے غم کی باتیں کہہ رہا ہوں، ساری تباہی اس وجہ سے ہے کہ امت اُمت نہ رہی بلکہ یہ بھی بھول گئے کہ اُمت کیا ہے اور حضورؐ نے کس طرح امت بنائی تھی۔

امت ہونے کے لئے اور مسلمانوں کے ساتھ خدائی مدد ہونے کے لئے صرف یہ کافی نہیں ہے کہ مسلمانوں میں نماز ہو، ذکر ہو، مدرسہ ہو، مدرّس کی تعلیم ہو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قاتل ابن ملجم ایسا نمازی اور ایسا ذاکر تھا کہ جب اس کو قتل کرتے وقت غصہ میں بھرے لوگوں نے اس کی زبان کاٹنی چاہی تو اس نے کہا سب کچھ کرلو لیکن میری زبان مت کاٹو تاکہ زندگی کے آخری سانس تک میں اس سے اللہ کا ذکر کرتا رہوں۔ اس کے باوجود حضورؐ نے فرمایا ہے کہ علی کا قاتل میری امت کا سب سے زیادہ شقی اور بدبخت ترین آدمی ہوگا، اور مدرسہ کی تعلیم تو ابوالفضل فیضی نے بھی حاصل کی تھی اور ایسی حاصل کی تھی کہ قرآن پاک کی تفسیر بے نقط لکھ دی، حالانکہ انھوں نے ہی اکبر کو گمراہ کر کے دین کو برباد کیا تھا۔ تو جو باتیں ابن ملجم اور ابوالفضل فیضی میں تھیں وہ امت بننے کے لئے اور خدا کی غیبی نصرت کے لئے کیسے کافی ہو سکتی ہیں۔

سلسلۂ تقریر جاری رکھتے ہوئے آگے حضرت مولانا نے فرمایا۔

حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ اور حضرت سید احمد شہیدؒ اور ان کے ساتھی دینداری کے لحاظ سے بہترین مجموعہ تھے، وہ جب سرحدی علاقے میں پہنچے اور وہاں کے لوگوں نے ان کو اپنا بڑا بنا لیا تو شیطان نے وہاں کے کچھ مسلمانوں کے دلوں میں یہ بات ڈالی کہ یہ دوسرے علاقے کے لوگ اِن کی بات یہاں کیوں چلے۔ انھوں نے ان کے خلاف بغاوت کرائی، ان کے کتنے ہی ساتھی شہید کر دیے گئے اور اس طرح خود مسلمانوں نے علاقائی بنیاد پر امت پنے کو توڑ دیا، اللہ نے اس کی سزا میں انگریزوں کو مسلط کیا، یہ خدا کا عذاب تھا۔

یاد رکھو میری قوم اور میرا علاقہ اور میری برادری یہ سب امت کو توڑنے والی باتیں ہیں اور اللہ تعالیٰ کو یہ باتیں اتنی ناپسند ہیں کہ حضرت سعدؓ بن عبادہ جیسے بڑے صحابی سے اس بارہ میں جو غلطی ہوئی (جو اگر دب نہ گئی ہوتی تو اس کے نتیجہ میں انصار اور مہاجرین میں تفریق ہو جاتی۔) اس کا نتیجہ حضرت سعد کو دنیا ہی میں بھگتنا پڑتا۔ روایات میں یہ ہے کہ ان کو جنات نے قتل کر دیا اور مدینہ میں یہ آواز سنائی دی اور بولنے والا

کوئی نظر نہ آیا۔

قتلنا سید الخزرج سعد بن عبادہ [1]

رمیناہ بسہم فلم یخط فوادہ

اس واقعہ نے مثال قائم کردی اور سبق دیا کہ اچھے سے اچھا آدمی بھی اگر قومیت یا علاقہ کی بنیاد پر اُمت بننے کو توڑے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو توڑ کے رکھ دے گا۔

اُمت جب بنے گی جب امت کے سب طبقے بلاتفریق اس کام میں لگ جائیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم دے گئے ہیں اور یاد رکھو اُمت بننے کو توڑنے والی چیزیں معاملات اور معاشرت کی خرابیاں ہیں، ایک فرد یا طبقہ جب دوسرے کے ساتھ ناانصافی اور ظلم کرتا ہے اور اس کا پورا حق اس کو نہیں دیتا یا اس کو تکلیف پہنچاتا ہے یا اس کی تحقیر اور بے عزتی کرتا ہے تو تفریق پیدا ہوتی ہے اور اُمت بنا ٹوٹتا ہے، اس لئے میں کہتا ہوں کہ صرف کلمہ اور تسبیح سے امت نہیں بنے گی، امت معاملات اور معاشرت کی اصلاح سے اور سب کا حق ادا کرنے اور سب کا اکرام کرنے سے بنے گی بلکہ جب بنے گی جب دوسروں کے لئے اپنا حق اور اپنا مفاد قربان کیا جائے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے اپنا سب کچھ قربان کرکے اور اپنے پر تکلیفیں جھیل کے اس امت کو امت بنایا تھا ــــ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ایک دن لاکھوں کروڑوں روپے آئے اُن کی تقسیم کا مشورہ ہوا۔ اس وقت امت بنی ہوئی تھی، یہ مشورہ کرنے والے کسی ایک ہی قبیلہ یا ایک ہی قبیلہ یا ایک ہی طبقہ کے نہ تھے بلکہ مختلف طبقوں اور قبیلوں کے وہ لوگ تھے جو حضورؐ کی صحبت کے اعتبار سے بڑے اور خواص سمجھے جاتے تھے، انھوں نے مشورہ سے باہم طے کیا کہ تقسیم اس طرح پر ہو کہ سب سے زیادہ حضورؐ کے قبیلہ والوں کو دیا جائے۔ اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ کے قبیلہ والوں کو، پھر حضرت عمرؓ کے قبیلہ والوں کو، اس طرح حضرت عمرؓ کے اقارب تیسرے نمبر پر آتے ــــ جب یہ بات حضرت عمرؓ کے سامنے رکھی گئی تو آپ نے اس مشورہ کو قبول نہیں کیا اور فرمایا کہ اس امت کو جو کچھ ملا ہے اور مل رہا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے اور آپ کے صدقے میں مل رہا ہے، اس لئے بس حضورؐ ہی کے تعلق کو معیار بنایا جائے جو نسب میں آپ سے

[1] ہم نے قبیلۂ خزرج کے سردار سعد بن عبادہ کو ہلاک کردیا ہم نے اس کو تیر کا نشانہ بنایا جو ٹھیک اس کے دل پر لگا۔

زیادہ قریب ہوں اُن کو زیادہ دیا جائے جو دوم سوم چہارم نمبر پر ہوں ان کو اسی نمبر پر رکھا جائے، اس طرح سب سے زیادہ بنی ہاشم کو دیا جائے اس کے بعد بنی عبد مناف کو پھر قصی کی اولاد کو، پھر کلاب کی، پھر کعب کو، پھر مرہ کی اولاد کو، اس حساب سے حضرت عمرؓ کا قبیلہ بہت پیچھے پڑ جاتا تھا اور اس کا حصہ بہت کم ہو جاتا تھا، مگر حضرت عمرؓ نے یہی فیصلہ کیا اور مال کی تقسیم میں اپنے قبیلہ کو اتنے پیچھے ڈال دیا ـــــ اس طرح بنی تھی یہ اُمت ۔

اسی سلسلہ میں آگے فرمایا ۔

اُمّت بننے کے لئے یہ ضروری ہے کہ سب کی یہ کوشش ہو کہ آپس میں جوڑ ہو پھوٹ نہ پڑے ۔ حضورؐ کی ایک حدیث کا مضمون ہے کہ قیامت میں ایک آدمی لایا جائے گا جس نے دنیا میں نماز، روزہ، حج تبلیغ سب کچھ کیا ہو گا مگر وہ عذاب میں ڈالا جائے گا، کیونکہ اس کی کسی بات نے امت میں تفرقہ ڈالی ہو گی، اُس سے کہا جائے گا پہلے اپنے اس ایک لفظ کی سزا بھگت لے جس کی وجہ سے اُمت کو نقصان پہنچا، اور ایک دوسرا آدمی ہو گا جس کے پاس نماز روزہ، حج وغیرہ کی بہت کمی ہو گی اور خدا کے عذاب سے بہت ڈرتا ہو گا، مگر اس کو بہت ثواب سے نوازا جائے گا، وہ خود پوچھے گا کہ یہ کرم میرے کس عمل کی وجہ سے ہے اسکو بتایا جائے گا کہ تو نے فلاں موقع پر ایک بات کہی تھی جس سے امت میں پیدا ہونے والا فساد رُک گیا اور بجائے توڑ کے جوڑ پیدا ہو گیا۔ یہ سب تیرے اسی لفظ کا صلہ اور ثواب ہے ۔

اُمّت کے بنانے اور بگاڑنے میں جوڑنے اور توڑنے میں سب سے زیادہ دخل زبان کا ہوتا ہے، یہ زبان دلوں کو جوڑتی بھی ہے اور پھاڑتی بھی ہے زبان سے ایک بات غلط اور فساد کی نکل جاتی ہے اور اس پر لاٹھی چل جاتی ہے اور پورا فساد کھڑا ہو جاتا ہے اور ایک ہی بات جوڑ پیدا کر دیتی ہے اور پھٹے ہوئے دلوں کو ملا دیتی ہے ـــــ اس لئے سب سے زیادہ ضرورت اس کی ہے کہ زبانوں پر قابو ہو اور یہ جب ہو سکتا ہے جب بندہ ہر وقت اس کا خیال رکھے کہ خدا ہر وقت اور ہر جگہ اس کے ساتھ ہے اور اس کی ہر بات کو سن رہا ہے ۔

اسی سلسلہ میں آگے فرمایا کہ ۔

مدینہ میں انصار کے دو قبیلے تھے اوس اور خزرج، ان میں پشتوں سے عداوت اور لڑائی چلی آرہی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت فرما کر مدینہ پہنچے اور انصار کو اسلام کی توفیق ملی تو حضورؐ کی اور اسلام کی برکت سے ان کی پشتوں کی لڑائیاں ختم ہوگئیں اور اوس و خزرج شیر و شکر ہوگئے۔ یہ دیکھ کر یہودیوں نے اسکیم بنائی کہ کسی طرح ان کو پھر سے لڑایا جائے۔ ایک مجلس میں جس میں دونوں قبیلوں کے آدمی موجود تھے، ایک سازشی آدمی نے اُن کی پُرانی لڑائیوں سے متعلق کچھ شعر پڑھ کے اشتعال پیدا کر دیا۔ پہلے تو زبانیں ایک دوسرے کے خلاف چلیں، پھر دونوں طرف سے ہتھیار نکل آئے۔ حضورؐ سے کسی نے جا کر کہا، آپؐ فوراً تشریف لائے اور فرمایا کہ میرے ہوتے ہوئے تم آپس میں خون خرابہ کروگے، آپ نے بہت مختصر مگر درد سے بھرا ہوا خطبہ دیا، دونوں فریقوں نے محسوس کر لیا کہ ہمیں شیطان نے ورغلایا۔ دونوں روئے اور گلے ملے اور یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُم مُّسْلِمُونَ ۝ ___ الخ"

اے مسلمانو! خدا سے ڈرو جیسا اس سے ڈرنا چاہیے اور مرتے دم تک پورے پورے مسلم اور خدا کے فرمانبردار بندے بنے رہو ___ جب آدمی ہر وقت خدا کا خیال رکھے گا، اس کے قہر و عذاب سے ڈرتا رہے گا اور ہر دم اس کی تابعداری کرے گا تو شیطان بھی اسے نہیں بہکا سکے گا ___ اور اُمت پھوٹ سے اور ساری خرابیوں سے محفوظ رہے گی۔

آگے فرمایا۔

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُم بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا وَكُنتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَأَنقَذَكُم مِّنْهَا

اور اللہ کی رسّی کو یعنی اس کی کتاب پاک اور اس کے دین کو سب مل کر مضبوطی سے تھامے رہو، یعنی پوری اجتماعیت کے ساتھ اور امت ہونے کی صفت کے ساتھ سب مِل جُل کر دین کی رسّی کو تھامے رہو اور اس میں لگے رہو اور قوم کی بنیاد پر یا علاقہ کی بنیاد پر یا زبان کی بنیاد پر ___ یا کسی اور کی بنیاد پر ٹکڑے ٹکڑے نہ ہو اور اللہ کے اس احسان کو نہ بھولو کہ اس نے تمھارے دلوں کی وہ عداوت اور دشمنی ختم

کر کے جو پشتوں سے تم میں چلی آرہی تھی تمہارے دلوں میں الفت پیدا کر دی اور تمہیں باہم بھائی بھائی بنا دیا اور تم آپس میں لڑتے وقت دوزخ کے کنارے پر کھڑے تھے پس گرنے ہی والے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو تھام لیا اور دوزخ سے بچالیا۔

اس کے آگے فرمایا کہ۔

شیطان تمہارے ساتھ ہے، اس کا علاج یہ ہے کہ تم میں ایک گروہ ایسا ہو جس کا موضوع ہی بھلائی کی اور نیکی کی طرف بلانا اور ہر برائی اور فساد سے روکنا ہو۔ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝

امت میں ایک گروہ وہ ہو جس کا کام اور موضوع ہی یہ ہو کہ وہ دین کی طرف اور ہر قسم کے خیر کی طرف بلائے۔ ایمان کے لئے اور خیر اور نیکی کے راستہ پر چلنے کے لئے محنت کرتا رہے، نمازوں پر محنت کرے ذکر پر محنت کرے، حضورؐ کے لائے ہوئے علم پر محنت کرے، برائیوں اور معصیتوں سے بچانے کے لئے محنت کرے اور ان محنتوں کی وجہ سے اُمّت ایک اُمّت بنی رہے ــــ آگے فرمایا۔

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ۚ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ــــ جو لوگ ان ہدایتوں کے بعد بھی شیطان کی پیروی کر کے اور الگ الگ راہوں پہ چل کے اختلاف پیدا کریں گے اور امت کے امت بنے کو توڑیں گے تو ان پر خدا کی سخت مار پڑے گی (اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝)

دین کی ساری تعلیم اور ساری چیزیں جوڑنے والی اور جوڑنے کے لئے ہیں۔ نماز میں جوڑ ہے روزہ میں جوڑ ہے، حج میں قوموں اور ملکوں اور مختلف زبان والوں کا جوڑ ہے، تعلیم کے حلقے جوڑنے والے ہیں، مسلمانوں کا اکرام اور باہم محبت اور تحفہ تحائف کا لین دین، یہ سب جوڑنے والی اور جنت میں لے جانے والی چیزیں ہیں اور قیامت میں ان اعمال کے لئے محنتیں کرنے والوں کے چہرے نورانی ہوں گے اور ان کے برخلاف باہم بغض و حسد، غیبت، چغل خوری، توہین و تحقیر اور دل آزاری یہ سب پھوٹ ڈالنے والے اور توڑنے والے اور دوزخ میں لے جانے والے اعمال ہیں اور ان اعمال والے آخرت میں روسیاہ ہوں گے

يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ فَأَمَّا الَّذِينَ اسْوَدَّتْ وُجُوهُهُمْ أَكَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ۝ وَأَمَّا الَّذِينَ ابْيَضَّتْ وُجُوهُهُمْ فَفِي رَحْمَةِ اللَّهِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝

جنھوں نے پھوٹ ڈال کے اور پھوٹ والے اعمال کر کے امت کو توڑا ہوگا۔ وہ قیامت کے دن قبروں سے کالے منہ اٹھیں گے اور ان سے کہا جائے گا کہ تم نے ایمان و اسلام کے بعد کفر والوں کا طریقہ اختیار کیا، اب تم یہاں دوزخ کا عذاب چکھو اور جو ٹھیک راستے پر چلتے رہے ہوں گے، ان کے چہرے نورانی اور چمکتے ہوئے ہوں گے اور وہ ہمیشہ اللہ کی رحمت میں اور جنت میں رہیں گے۔

میرے بھائیو دوستو! یہ سب آیتیں اس وقت اتری تھیں جب یہودیوں نے انصار میں پھوٹ ڈالنے کی کوشش کی تھی اور ان کے دو قبیلوں کو ایک دوسرے کے مقابل کھڑا کر دیا تھا۔ ان آیتوں میں مسلمانوں کی باہمی پھوٹ اور لڑائی کو کفر کی بات کہا گیا ہے اور آخرت کے عذاب سے ڈرایا گیا ہے ـــــ آج ساری دنیا میں امت پنا توڑنے کی محنت چل رہی ہے اس کا علاج اور توڑ یہی ہے کہ تم اپنے کو حضورؐ والی محنت میں لگا دو، مسلمانوں کو مسجدوں میں لاؤ، وہاں ایمان کی باتیں ہوں، تعلیم اور ذکر کے حلقے ہوں، دین کی محنت کے مشورے ہوں، مختلف طبقوں کے اور مختلف برادریوں کے اور مختلف زبانوں والے لوگ مسجد نبوی کے طریقہ پر ان کاموں میں جڑیں۔ جب امت پنا آئے گا، ان باتوں سے بچیں جن سے شیطان کو پھوٹ ڈالنے کا موقع ملے۔ جب تین بیٹھیں تو اس کا خیال رکھیں کہ چوتھا ہمارے ساتھ اللہ ہے، چار پانچ بیٹھیں تو ہمیشہ یاد رکھیں کہ پانچواں یا چھٹواں اللہ ہمارے ساتھ ہی موجود ہے اور وہ ہماری بات سن رہا ہے اور دیکھ رہا ہے کہ ہم امت بنانے کی بات کر رہے ہیں یا امت پنا توڑنے کی۔ ہم کسی کی غیبت اور چغل خوری تو نہیں کر رہے، کسی کے خلاف سازش تو نہیں کر رہے ـــــ یہ امت حضورؐ کے خون اور فاقوں سے بنی تھی، اب ہم اپنی معمولی معمولی باتوں پر امت کو توڑ رہے ہیں یاد رکھو نماز جمعہ چھوڑنے پر بھی اتنی پکڑ نہیں ہوگی جتنی امت کے توڑنے پر ہوگی ـــــ اگر مسلمانوں میں امت پنا آجائے تو وہ دنیا میں ہرگز ذلیل

نہ ہوں گے، روس اور امریکہ کی طاقتیں بھی ان کے سامنے جھکیں گی، اور امت بنا جب آئے گا جب "اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ" پر مسلمانوں کا عمل ہو، یعنی ہر مسلمان دوسرے مسلمان کے مقابلہ میں چھوٹا بننے اور ذلت و تواضع اختیار کرنے کو اپنائے تبلیغ میں اسی کی مشق کرنی ہے، جب مسلمانوں میں "اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ" والی صفت آجائے گی تو وہ دنیا میں "اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ" یعنی کافروں کے مقابلہ میں زبردست اور غالب ضرور ہوں گے چاہے وہ کافر یورپ کے ہوں یا ایشیا کے۔

میرے بھائیو دوستو! اللہ ورسول نے اُن باتوں سے شدت اور سختی سے منع فرمایا ہے جن سے دلوں میں فرق پڑے اور پھوٹ کا خطرہ بھی ہو، دو دو چار چار الگ کاناپوسی کریں۔ اس سے شیطان دلوں میں بدگمانی پیدا کر سکتا ہے اس سے منع فرمایا گیا اور اس کو شیطانی کام بتایا گیا "اِنَّمَا النَّجْوٰى مِنَ الشَّيْطٰنِ لِيَحْزُنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيْسَ بِضَآرِّهِمْ شَيْئًا اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ" اسی طرح تحقیر اور استہزا اور تمسخر سے منع فرمایا گیا۔ "لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ" اس سے بھی منع فرمایا گیا کہ دوسرے کی کوئی برائی جو معلوم نہ ہو اس کو تجسس کر کے معلوم کیا جائے اور جو برائی کسی کو معلوم ہو گئی ہو اس کو دوسروں کے سامنے ذکر کرنے سے منع فرمایا گیا، اور غیبت کو حرام کیا گیا غیبت اس کا نام ہے کہ جو واقعی برائی کسی کو معلوم ہو اس کا ذکر کسی سے کیا جائے۔ "وَلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا" یہ تحقیر اور تمسخر اور تجسس اور غیبت سب وہ چیزیں ہیں جو آپس میں تفرقہ پیدا کر کے امت بننے کو توڑتی ہیں، ان سب کو حرام قرار دیا گیا ___ اور ایک دوسرے کا اکرام و احترام کرنا جس سے اُمت جڑتی بنتی ہے اس کی تاکید فرمائی گئی اور دوسرون سے اپنا اکرام چاہنے سے منع کیا گیا، کیونکہ اس سے امت بنتی نہیں بگڑتی ہے۔ امت جب بنے گی جب ہر آدمی یہ طے کرے کہ میں عزت کے قابل نہیں ہوں اس لئے مجھے عزت لینی نہیں بلکہ دوسروں کی عزت کرنی ہے اور دوسرے سب لوگ اس قابل ہیں کہ میں ان کی عزت کروں، ان کا اکرام کروں۔

اپنے نفسوں اور اپنی ذاتوں کو قربان کیا جائے گا تو امت بنے گی اور امت بنے گی تو عزت ملے گی، عزت اور ذلت روس اور امریکہ تک کے نقشوں میں نہیں ہے بلکہ خدا کے ہاتھ میں ہے اور

اُس کے ہاں اُصول اور ضابطہ ہے۔ جو شخص یا قوم، خاندان، طبقہ چمکانے والے اصول اور اعمال لاوے گا اس کو چمکا دیں گے جو مٹنے والے کام کرے گا اس کو مٹا دیں گے۔ یہود نبیوں کی اولاد ہیں، اصول توڑے تو اللہ نے ٹھوکر مار کے اُن کو توڑ دیا۔ صحابہ کرامؓ بُت پرستوں کی اولاد تھے، انھوں نے چمکانے والے اصول اختیار کئے تو اللہ نے ان کو چمکا دیا، اللہ کی رشتہ داری کسی سے نہیں ہے اس کے ہاں اصول اور ضابطہ ہے۔

دوستو! اپنے کو اس محنت پر جھونک دو کہ حضور کی امت میں امت پنا آجائے، اس میں یقین وایمان آجائے، یہ ذکر و تسبیح اور تعلیم والی، خدا کے سامنے جھکنے والی، خدمت کرنے والی، برداشت کرنے والی، دوسروں کا اعزاز واکرام کرنے والی امت بن جائے، نجویٰ نہ کرنے والی، نافرمانی نہ کرنے والی، اپنے بھائیوں اور ساتھیوں کی تحقیر و تمسخر اور تجسس و غیبت نہ کرنے والی امت بن جائے ــــ اگر کسی ایک علاقہ میں بھی یہ محنت اس طرح ہونے لگے جس طرح ہونی چاہئے تو ساری دنیا میں بات چل پڑے۔

اب اس کا اہتمام کرو کہ مختلف قوموں، علاقوں اور طبقوں اور مختلف زبان والوں کو جوڑ جوڑ کر جماعتوں میں بھیجو اور اصول کی پابندی کراؤ، پھر انشاء اللہ امت بننے والا کام ہوگا۔ اور شیطان اور نفس خدا نے چاہا تو کچھ بھی نہ بگاڑ سکیں گے۔

اس کے بعد حضرت مولانا نے دیہات میں محنت کرنے اور فضا بنانے پر خصوصیت کے ساتھ زور دیا ــــ اور حسب معمول دُعا پر تقریر ختم ہوئی۔

مولانا کا طرزِ فکر

چند جھلکیاں

[اس عاجز کے پاس حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ کی مختلف تقریروں کے کچھ منتشر نوٹس تھے۔ یہ سارے نوٹس صرف اشارات میں تھے جو در اصل خود اپنے استفادہ اور اپنی یادداشت کے لئے نوٹ کئے گئے تھے۔ ان میں سے چند ٹکڑے مرتب کر کے ذیل میں درج کئے جارہے ہیں۔ ہر ٹکڑے کے مضمون کے متعلق پورا اطمینان ہے کہ وہ حضرت مولانا ہی کا ہے لیکن الفاظ کی ذمہ داری تمامتر اس عاجز پر ہے۔ اسی طرح آیات قرآنی کے جو ترجمے کئے گئے ہیں ان کا ذمہ دار بھی یہ ناچیز ہی ہے۔

یہ مختلف تقریروں کے الگ الگ اجزا ہیں، اب یہ بھی پتہ نہیں کہ ان میں کون تقریر کس زمانہ میں کی گئی تھی، جن لوگوں نے مولانا کی تقریریں سنی ہیں اور ان کی دینی دعوت کو بنیادی طور پر سمجھا ہے۔ امید ہے کہ یہ ٹکڑے انھیں بہت کچھ یاد دلائیں گے اور وہ ان میں اپنے لئے رہنمائی کا کافی سامان پائیں گے۔]

---

(۱)

یہ خیال غلط ہے ملک و مال ہاتھ میں آجانے سے اسلام چمکے گا، ملک و مال والے تو اسلام کو زندہ درگور کر رہے ہیں۔ آج جن کے ہاتھوں میں حکومت اور اس کے خزانے ہیں وہ ابوبکرؓ و عمرؓ کے نمائندے نہیں ہیں بلکہ قیصر و کسریٰ اور شداد و قارون کے نمائندے ہیں۔ ان سے حیات اسلامی کی توقع بالکل

غلط ہے ان کے ہاتھوں اسلام کا جو حال ہے اس کو دیکھ کے تو دل کہتا ہے کہ۔ "اَنّٰی یُحْیِیْ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا"۔ (اللہ اس مردے میں اب کیسے جان ڈالے گا)

اسلام جب بھی چمکا ہے قربانیوں سے چمکا ہے آج بھی قربانیوں ہی سے چمکے گا۔ اسلام کے لئے اگر قربانیاں ہوں تو یہ دشمنوں کے گھیرے میں بھی چمکتا ہے اور جب قربانیاں نہ ہوں تو اپنی بادشاہت میں مٹ جاتا ہے۔

جو لوگ اخلاص کے ساتھ قربانیاں دیتے رہیں گے، ان کی طرف ملک و مال والے ایک دن خود رجوع ہوں گے، وہ وقت بڑی آزمائش کا ہوگا۔ اگر نظر ان کی حکومت اور دولت پر ہو گئی اور یہ سمجھا گیا کہ اب ان کی دولت اور حکومت سے دین کا کام چلے گا تو سب کیا دھرا برباد ہو جائے گا اور اگر ان کے ملک و مال سے نظر ہٹا کے ان کو بھی قربانی کے راستہ پر لگایا گیا تو پھر ان سے بھی بڑے آئیں گے ان کے ساتھ بھی یہی کرنا ہوگا یہاں تک کہ حکومتوں کے صدور اور وزرائے اعظم آئیں گے ان کو بھی اسی راستہ پر لگانا ہوگا۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ دعوت اور قربانی کا راستہ ہے ملک و مال کا راستہ نہیں ہے۔

ایسوں کی ضرورت ہے جو روس اور امریکہ کی مادی فضاؤں میں بھی اسی یقین پر جمے رہیں کہ دین صرف دعوت کے راستہ کی قربانیوں سے اور قربانیوں کے بعد دعاؤں سے چمکے گا اور اس یقین پر دعوت کے راستہ میں قربانیاں دیتے رہیں، اور اللہ تعالیٰ کی قدرت قاہرہ اور کن فیکونی شان پر نگاہ رکھتے ہوئے امید و یقین کے ساتھ ہدایت کی اور جن کے دلوں پر مہر لگ چکی ہے اور ان کی وجہ سے ہدایت کا راستہ رکا ہے ان کی بربادی کی دعائیں کریں۔ پھر یا تو ہدایت کے دروازے کھلیں گے یا وہ ہوگا جو شداد و نمرود اور فرعون وہامان کے ساتھ ہوا۔

(۲)

تم دنیا میں سورج کی طرح نور کے ساتھ پھرو گے تو تم سے دنیا میں نور پھیلے گا اور نور تمہارے اندر ایمان سے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم والے اعمال واخلاق سے اور اخلاص کے ساتھ دین کی

دعوت سے آڑے گا ـــــ سورج میں تین باتیں ہیں۔ ایک یہ کہ وہ نور کے ساتھ پھرتا ہے، دوسرے مسلسل پھرتا ہے، تیسرے یہ کہ جن کو روشنی پہنچاتا ہے ان سے خود کوئی فائدہ نہیں اٹھاتا۔ تمھارا حال بھی یہی ہونا چاہیئے، نور کے ساتھ پھرو، مسلسل پھرو اور "لَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا ؕ" کو اپنا اصول بناؤ، دعوت کے عمل سے کوئی فائدہ نہ اٹھاؤ۔

(۳)

آج دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے اور جو ترقیاں نظر آرہی ہیں وہ مادہ پر محنت کا نتیجہ ہے، انبیاء علیہم السلام کا راستہ روح پر محنت اور روحانی ترقی کا راستہ تھا۔ وہ اللہ کی رضا والے اعمال پر محنت کر کے اور قربانیاں دے کے اللہ کی طاقت سے اپنے مسائل حل کراتے تھے ـــــ فرعون کے پاس فوج تھی، لشکر تھا اور ہر قسم کی مادی طاقت تھی۔ موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو بس روح کی ترقی والے اور اللہ کی رضا والے اعمال کے لئے تیار کیا، ان سے فرمایا کہ اے میری قوم اگر تم نے ایمان والا راستہ اختیار کیا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ پر اعتماد اور بھروسہ کرو اور پورے ایمان و یقین اور اعتماد کے ساتھ اس سے مدد مانگو (یٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَیْهِ تَوَكَّلُوْۤا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِیْنَ ۝)

قوم نے کہا ہم نے آپ کی بات مان لی اور اللہ پر یقین و توکل کا راستہ اختیار کر لیا اور ہم اپنے اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ فرعون اور فرعونی حکومت کے ظلم و ستم سے ہماری حفاظت فرمائے اور اس کافر قوم کی غلامی کی مصیبت سے ہمیں نجات دلائے۔ (رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ۝ وَ نَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِیْنَ ۝)

اس کے بعد قرآن مجید میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ و ہارونؑ کو حکم دیا کہ اپنی قوم کی ایمانی تربیت کے لئے مصر میں خاص مرکز اور عبادت خانے قائم کرو اور اقامت صلوٰۃ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے ان کا تعلق جوڑو اور ان کی زندگی کو اللہ کی فرماں برداری والی زندگی بناؤ اور ساتھ ہی فرمایا گیا کہ جب یہ باتیں عمل میں آجائیں تو قوم کو بشارت سنادو کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی

دعا قبول کرلی اور اللہ کا فیصلہ ان کے حق میں ہوگیا۔ (وَاَوۡحَیۡنَاۤ اِلٰی مُوۡسٰی وَاَخِیۡہِ اَنۡ تَبَوَّاٰ لِقَوۡمِکُمَا بِمِصۡرَ بُیُوۡتًا وَّاجۡعَلُوۡا بُیُوۡتَکُمۡ قِبۡلَۃً وَّاَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ ؕ وَبَشِّرِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ۝)

حضرت موسیٰؑ وہارونؑ اللہ کے حکم کے مطابق بنی اسرائیل کی تربیت میں لگ گئے، اور بنی اسرائیل نے اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق اقامت صلوٰۃ کا عمل اور تبدیلی کی محنت شروع کردی تو حضرت موسیٰ اور ہارون نے دعا کی کہ خداوندا تو نے فرعون اور فرعونیوں کو دنیا کے جو سازوسامان دے رکھے ہیں وہ ان کے ذریعہ تیرے بندوں کو گمراہ کر رہے ہیں۔ اے مالک تو ان کے مال و دولت کو ملیامیٹ کردے اور جھاڑ و پھیر دے (وَقَالَ مُوۡسٰی رَبَّنَاۤ اِنَّکَ اٰتَیۡتَ فِرۡعَوۡنَ وَمَلَاَہٗ زِیۡنَۃً وَّاَمۡوَالًا فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا ۙ رَبَّنَا لِیُضِلُّوۡا عَنۡ سَبِیۡلِکَ ۚ رَبَّنَا اطۡمِسۡ عَلٰۤی اَمۡوَالِہِمۡ وَاشۡدُدۡ عَلٰی قُلُوۡبِہِمۡ فَلَا یُؤۡمِنُوۡا حَتّٰی یَرَوُا الۡعَذَابَ الۡاَلِیۡمَ ۝)

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ وہارون کی دعا قبول فرمائی۔ ان کو حکم ہوا کہ بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے نکل جاؤ وہ نکل گئے۔ اللہ نے ان کے لئے سمندر میں راستہ بنا دیا جس سے وہ صحیح سلامت پار ہوگئے۔ فرعون نے اپنے پورے لاؤ لشکر کے ساتھ ان کا تعاقب کیا اور وہ اپنے پورے لشکر کے ساتھ غرق کردیا گیا۔ یہ جو کچھ ہوا براہ راست اللہ کی طاقت سے ہوا۔

انبیاء علیہم السلام کا راستہ یہی ہے۔ وہ اپنے کو اور اپنے ساتھیوں کو بس اللہ کے حکموں پر ڈال دیتے ہیں اور اللہ کے راستے میں تکلیفیں اٹھاتے ہیں، قربانیاں دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنی طاقت سے ان کے مسائل حل کرتا ہے ___ قرآن پاک میں اس کو "سنۃ اللہ" کہا گیا ہے اور فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ازلی ابدی قانون ہے۔

فلن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا ولن تجد لسنۃ اللہ تحویلا

(۴)

آج کل اس دنیا میں چیزوں کے حاصل کرنے کے لئے براہ راست چیزوں پر محنت کرنے کا رواج ہے، کھیت والے کھیت سے غلہ حاصل کرنے کے لئے بس کھیت ہی پر محنت کرتے ہیں تجارت

اور سوداگری والے اور کارخانوں والے بس دوکانوں اور کارخانوں پر محنت کرتے ہیں، یہی محنت آج کل عام ہے۔ دوسرا راستہ یہ ہے کہ محنت ومجاہدہ کر کے اپنے اندر تقویٰ پیدا کیا جائے اور پھر اللہ تعالیٰ انعام کے طور پر اپنے خزانۂ غیب سے چیزیں نصیب فرمائے اور برکت فرمائے، قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے۔

وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ۔	اور جو اللہ کا تقویٰ اختیار کرے تو اللہ تعالیٰ اسکے واسطے راستے پیدا کریں گے اسکو وہاں سے رزق عطا فرمائیں گے جہاں سے اسے وہم و گمان کبھی نہ ہوگا۔

اور فرمایا گیا ہے۔

وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا۔	اور جو تقویٰ اختیار کرے گا اللہ اس کے کاموں کو آسان کر دیں گے۔

اور ایک دوسرے موقع پر فرمایا گیا ہے۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ	اور اگر ان لوگوں میں ایمان اور تقویٰ کی صفات ہوتیں تو ہم ان پر زمین و آسمان سے برکتوں کے دروازے کھول دیتے۔

ان آیتوں میں تقویٰ پر جو کچھ وعدہ فرمایا گیا ہے اس کا تعلق اسی دنیا سے ہے۔

اور یہ بات کہ تقویٰ کیا ہے اس کی تفصیل اس آیت سے معلوم ہوگی۔ اس آیت میں تقویٰ کی ساری شرطیں بیان کر دی گئی ہیں۔

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَ	نیکی کا معیار یہ نہیں ہے کہ تم مشرق کی طرح کر دیا مغرب کی طرف بلکہ اصل نیکی ان کی ہے (اور اللہ کی نگاہ میں نیک وہ ہیں) جو ایمان رکھتے ہوں اللہ پر اور فرشتوں پر اور اللہ

الْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ وَاٰتَى	کی کتاب پر اور اس کے نبیوں پر اور دلویں
الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى	اپنا مال اسکی چاہت کے باوجود اہل قرابت
وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ	کو اور یتیموں مسکینوں کو اور (ضرورتمند)
السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي	مسافروں کو اور سائلوں کو اور غلاموں
الرِّقَابِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ	کو آزادی دلانے کے لئے اور قائم کریں
وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَالْمُوْفُوْنَ	نماز اور ادا کریں زکوٰۃ اور وفا کرنے
بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا وَ	والے اپنے عہد کے جب عہد کریں اور صبر
الصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ	وبرداشت سے کام لینے والے تنگی اور
وَحِيْنَ الْبَاْسِ ط اُولٰٓئِكَ	تکلیف میں اور ثابت قدم رہنے
الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَاُولٰٓئِكَ	والے جنگ کے وقت یہی بندے ہیں
هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ٥	سچے اور تقویٰ والے ہیں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ کسی کے متقی ہونے کے لئے یہ چند باتیں ضروری ہیں :۔

ایکؔ ایمان باللہ۔ یعنی اس حقیقت کا پورا یقین کہ سب کچھ اللہ کی ذات سے ہوتا ہے، اللہ کے سوا کسی سے کچھ نہیں ہوتا۔ اس لئے بس اسی کو راضی کرنے کی فکر کرنی چاہئے اور اسی کے لئے مرنا مٹنا چاہئے۔

دوسرؔے ایمان بالیوم الآخر۔ یعنی اس حقیقت کا یقین کہ یہ زندگی اصل زندگی نہیں ہے بلکہ اس زندگی کے خاتمہ کے بعد ایک دوسری زندگی اور دوسرا عالم ہے اور وہی اصل عالم اور اصل زندگی ہے اور یہ چند روزہ زندگی بس اس کی تیاری کے لئے ہے اور انسانوں کی کامیابی اور ناکامی کا دارومدار اُسی اُخروی زندگی کی کامیابی اور ناکامی پر ہے۔

تیسرؔے ایمان بالملائکہ۔ یعنی اس بات کا یقین کہ یہ عالم جن ظاہری اسباب سے چلتا ہوا نظر آتا ہے دراصل ان اسباب سے نہیں چل رہا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کے باطنی نظام کے ذریعہ اس

سارے ظاہری نظام کو چلا رہا ہے۔ مثلاً ہمیں نظر آتا ہے کہ بارش بادلوں سے اور ہواؤں سے ہوتی ہے اور زمین کی چیزیں بارش کے پانی سے اگتی ہیں۔ ملائکہ پر ایمان کا مطلب یہ ہے کہ ہم اس بات کا یقین کریں کہ اللہ تعالیٰ یہ سارے کام در اصل فرشتوں سے کرا رہا ہے۔ گویا ان ظاہری اسباب کے پیچھے فرشتوں کا نظر نہ آنے والا انظام ہے، اور اس کے پیچھے اللہ کی ذات اور اس کا حکم اور اس کی مشیت ہے۔

چوتھے ایمان بالکتاب والنبیین۔ یعنی اللہ کی نازل کی ہوئی کتابوں اور اس کے بھیجے ہوئے نبیوں کے بارہ میں یقین کہ حقیقی علم وہی ہے جو اللہ کی کتابوں میں ہے اور جو نبیوں کے ذریعہ انسانوں کو ملا ہے۔ اس کے سوا جو کچھ ہے وہ غیر حقیقی ہے اور ناقص ہے۔ مثلاً انسانوں کی فلاح اور کامیابی کا راستہ وہی ہے جو اللہ کے نبیوں نے اور اللہ کی نازل کی ہوئی کتابوں نے بتایا ہے، اگر دنیا بھر کے فلسفی اور دنیا بھر کے لیڈر اس کے خلاف کہتے ہیں اور سوچتے ہیں تو غلط ہے اور ان کا جہل ہے۔

یہ چار باتیں ایمان و یقین کی لائن کی تھیں یعنی متقی ہونے کی پہلی شرط یہ بتلائی گئی کہ ان چار باتوں کے بارہ میں یقین صحیح ہو۔ اس کے بعد فرمایا گیا "وَاٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّهٖ ذَوِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ وَالسَّآئِلِیْنَ وَفِی الرِّقَابِ" یعنی ایمان و یقین کی درستی کے ساتھ وہ مالیات کو بھی اس یقین کے مطابق بنائیں، مال کی طبعی چاہت اور اس سے دلچسپی اور محبت کے باوجود اپنا کمایا ہوا مال وہ اللہ کی رضا کے لئے اللہ کے نبیوں اور کتابوں کی تعلیم کے مطابق اپنے ماحول کے ضرورتمندوں پر خرچ کریں۔ قرابت داروں پر خرچ کریں، یتیموں مسکینوں پر خرچ کریں، بے چارے پردیسیوں کا بندوبست کریں، حاجتمندوں، سائلوں کو دیں غلاموں کو آزاد کرانے خرچ کریں، غرض اپنی کمائی دوسروں پر لگائیں اور اس سے دوسروں کو آرام اور نفع پہنچائیں

اس کے بعد تیسری شرط تقویٰ کی یہ بتائی گئی کہ نماز قائم کریں جس کا مطلب یہ ہے کہ پورے اہتمام سے اچھی سے اچھی نماز پڑھنے کی کوشش کریں۔

چوتھی شرط یہ بتائی گئی کہ زکوٰۃ بھی اہتمام سے ادا کریں۔

آخر میں اخلاقیات کی درستی کی شرط بیان کی گئی "وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عَاهَدُوْا" اور "وَالصَّابِرِيْنَ فِي الْبَاْسَاءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ۔" یعنی ان میں وفائے عہد ہو وہ اپنی ذمہ داریوں کو پوری طرح ادا کریں اور تنگیوں اور تکلیفوں میں اور جنگ اور قربانی کے میدانوں میں صبر اور برداشت سے کام لینے والے ہوں، حالات کیسے ہی مخالف ہوں مگر ان کے پاؤں میں لغزش نہ آئے۔

اس سب کے بعد فرمایا گیا ہے کہ "اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ٥" کہ یہی اللہ کے سچے بندے ہیں اور یہی لوگ متقی ہیں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اپنے اندر تقوی پیدا کرنے کے لئے ان سب رخوں پر محنت کرنی ہوگی ایمان ویقین کے لئے محنت، مالیات کے درست کرنے پر محنت، نماز پر محنت، زکوۃ پر محنت، اخلاق کی درستی پر محنت، جب یہ سب چیزیں صحیح ہو جائیں گی اس وقت آدمی متقی ہو گا اور پھر اس پر اللہ تعالیٰ کے خاص انعامات ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ غیب سے اس کے مسائل حل کرے گا، اس کے لئے برکتوں کے دروازے کھلیں گے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے تقویٰ پر جو انعامات اس دنیا میں ہوتے ہیں اور متقی بندوں کے مسائل جو حل کئے جاتے ہیں ان کی شکلیں مختلف ہوتی ہیں۔

اکثر تو ایسا ہوتا ہے کسی متقی بندے کو کسی چیز کی ضرورت پیش آئی، اللہ تعالیٰ نے اپنے کسی بندے کے دل میں ڈالا اور اس نے وہی چیز ہدیہ کے طور پر پیش کر دی، یہ بہت عام اور متعارف طریقہ ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ضرورت پیش آئی اور اللہ تعالیٰ نے بغیر کسی واسطہ سے اپنے فضل سے اس کو حل فرما دیا۔ مثلاً ایک بندہ بیمار ہوا، اسے بیماری کی تکلیف شروع ہوئی اس نے اللہ سے شفا کی دعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے بغیر حکیم، ڈاکٹر اور بغیر دوا کے شفا عطا فرما دی۔

کبھی کسی بندہ کی ضرورت کے بارہ میں اللہ تعالیٰ اپنے کسی دوسرے بندہ کو خواب میں بھی مطلع فرماتے ہیں۔ حسن ابن سفیان ایک بزرگ ہیں، ان کا واقعہ لکھا ہے کہ وہ اور ان کے دو ساتھی

علم حدیث اور دین کی طلب میں نکلے۔ ایک شہر میں قیام کیا، جو تھوڑا بہت اپنے پاس تھا۔ سب ختم ہو گیا، اس کے بعد جب فاقوں پر فاقے آنے لگے تو انھوں نے طے کیا کہ اب ہم ایسی حالت میں ہیں کہ ہمارے لئے سوال جائز ہے۔ مشورہ سے طے ہوا کہ حسن ابن سفیان جائیں اور کسی سے کچھ مانگ کے لائیں، یہ بے چارے نکلے لیکن انھیں شرم آئی کہ کسی مخلوق سے سوال کریں تنہائی کا کوئی گوشہ تلاش کیا اور صلوٰۃ حاجت پڑھ کر اللہ سے دعا کی اور واپس آ گئے اور ساتھیوں سے کہا کہ میں تو کسی سے سوال نہیں کر سکا۔ میں نے بھی دعا کی ہے اور تم بھی بس اللہ سے دعا کرو۔ اسی رات کو شہر کے امیر نے خواب میں دیکھا کہ کوئی شخص اس کو آسمان کی طرف سے بڑے جلال کے انداز میں پکار رہا ہے نگاہ اٹھا کے دیکھا تو نظر آیا کہ ایک شخص غصہ میں بھرا ہوا ہے اور نیزہ اس کے ہاتھ میں ہے اور وہ نیزے کا رخ امیر کی طرف کر کے ڈانٹ کے کہہ رہا ہے۔

ادرك الحسن بن سفیان — حسن ابن سفیان اور انکے ساتھیوں کی خبر

واصحابہ قبل ان یموتوا۔ — لے قبل اس کے کہ ان بیچاروں کا خاتمہ ہو جائے۔

خواب ہی میں یہ بھی اشارہ ملا کہ وہ شہر کی کسی مسجد میں ہیں۔ امیر نے اٹھتے ہی شہر میں ان کی تلاش شروع کرائی اور جب حکومت کے بعض کارندوں نے ان لوگوں کو تلاش کر لیا اور پا لیا اور امیر کی طرف سے کچھ اشرفیاں ان کو پہنچائیں اور ان سے کہا کہ امیر آپ سے ملنا چاہتے ہیں تو یہ اللہ کے بندے خاموشی کے ساتھ شہر سے غائب ہو گئے تا کہ لوگوں پر ان کا راز نہ کھلے —— تو اللہ تعالیٰ اپنے متقی بندوں کے مسائل کبھی اس طرح بھی حل کراتا ہے۔

اور سب سے زیادہ عجیب واقعہ تو مشہور صحابی حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کا ہے جو حدیث کی کتابوں میں مروی ہے۔ واقعہ یوں روایت کیا گیا ہے کہ وہ اور ان کے گھر والے سخت فقر و فاقہ کی حالت میں تھے گھر میں کچھ نہ تھا، بس اللہ سے دعائیں کرتے تھے، اسی حال میں ایک چوہا حضرت مقداد کے سامنے سے گزرا، آپ نے اس پر اپنی چادر ڈال کر یا کسی طرح اس کو پکڑ کر بند کر لیا، تھوڑی دیر میں اس کا جوڑا آیا اس نے اپنے ساتھی کو گرفتار دیکھا وہ اپنے بل میں گیا اور ایک دینار اپنے منہ میں لے کر آیا اور

حضرت مقدادؓ کے سامنے ڈال دیا اور دور بیٹھا دیکھتا رہا۔ کچھ دیر کے بعد پھر بل میں گیا اور ایک دینار اور اسی طرح لاکر اس نے سامنے ڈال دیا اس طرح یکے بعد دیگرے سولہ دینار اس نے بل سے نکال کے حضرت مقداد کے سامنے ڈال دئیے وہ گویا اپنے اس طرز عمل سے اور زبان حال سے حضرت مقداد سے عرض کرتا تھا کہ یہ اشرفیاں بطور فدیہ کے قبول کرلو اور میرے ساتھی کو چھوڑ دو۔ آخر میں وہ ایک دینار اور لایا اور اس کے ساتھ ایک پھٹا ہوا کپڑا بھی بل میں سے لایا، اس طرح گویا اس نے حضرت مقداد کو بتایا کہ اب کچھ نہیں رہا جو کچھ تھا وہ سب میں نے حاضر کر دیا۔ حضرت مقداد نے اس چوہے کو چھوڑ دیا اور دونوں چوہے خوشی خوشی اچھلتے کودتے اپنے بل میں چلے گئے اور ان سترہ اشرفیوں کو حضرت مقداد نے اللہ تعالیٰ کا عطیہ سمجھا اور اپنی ضرورتوں میں ان کو استعمال کیا۔ تو کبھی ایسے غیر معمولی اور حیرت انگیز طریقوں سے بھی متقی بندوں کی مدد کی جاتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے فضل کے طریقے بے شمار ہیں۔ اللہ کے سوا ان کو کوئی جانتا بھی نہیں۔

اب دنیا میں صرف مادہ پر اور مادی چیزوں پر محنت کا رواج ہے۔ تقویٰ پیدا کر کے اور اللہ تعالیٰ سے صحیح تعلق قائم کر کے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے لینے کا راستہ لوگ بالکل بھول گئے ہیں۔ حالانکہ یہی راستہ ہے جس کی دعا ہر نماز کی ہر رکعت میں کی جاتی ہے۔

ہر رکعت میں سورہ فاتحہ پڑھی جاتی ہے، اس میں سب سے پہلے اس یقین کو تازہ کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ رب العالمین ہے، وہی سب کا پروردگار اور کارساز ہے، وہ رحمٰن اور رحیم ہے دنیا کے علاوہ عالم آخرت کا مالک بھی وہی ہے، اور اس کی ذات وصفات سے اور اس کی ربوبیت اور رحمت سے استفادہ کا طریقہ یہ ہے کہ " ایاك نعبد وایاك نستعین " کہ بس اس کی عبادت ہو اور اس سے دعا ہو، یہی صراط مستقیم ہے جو انبیاء اور صدیقین، شہداء، اور صالحین کا راستہ ہے۔ حضرت نوحؑ نے اپنے دشمنوں کی بے پناہ اکثریت کے مقابلہ میں جو کامیابی حاصل کی، اسی راستہ سے حاصل کی، حضرت ابراہیمؑ کو جو کامیابی نمرود کی حکومت کے مقابلہ میں حاصل ہوئی اسی راستہ سے حاصل ہوئی۔ حضرت موسیٰؑ اور ان کی قوم کو فرعون اور اس کی فوج کے مقابلہ میں جو کامیابی حاصل ہوئی وہ اسی " ایاك نعبدُ

وایاك نستعین" کے راستہ سے حاصل ہوئی۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کا راستہ بھی یہی تھا۔ اسی راستہ کی ہدایت کی دعا ہر نماز کی ہر رکعت میں اس طرح کی جاتی ہے" اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین ٥"

بہرحال اللہ کے سارے نبیوں، رسولوں اور ان کی راہ پر چلنے والے سب مقبول بندوں کا راستہ یہی ہے۔ اور اس کے برعکس جو لوگ اللہ کی ہدایت سے محروم ہیں اور جن پر خدا کا غضب ہے ان کا راستہ یہ ہے کہ وہ اللہ کی ذات وصفات کے یقین اور عبادت واستعانت سے بالکل بے پروا اور بے فکر ہو کر صرف مادی لائنوں پر محنت کرتے ہیں"۔

(۵)

انبیاء علیہم السلام کا پیغام اور تجربہ یہ ہے کہ مسئلوں کا حل اور کامیابی نہ مال میں ہے نہ حکومت میں، نہ اکثریت میں، بلکہ اللہ کے امر سے وابستہ ہو جانے میں اور اس کی راہ میں مجاہدہ کرنے میں ہے۔ قرآن مجید میں انبیاء علیہم السلام کے جو واقعات بیان فرمائے گئے ہیں۔ ان سب کا حاصل اور خلاصہ یہی ہے۔ حضرت نوحؑ اور ان کی قوم کا واقعہ، حضرت ابراہیمؑ اور ان کی قوم اور نمرود کا واقعہ، اسی طرح حضرت موسیٰؑ اور فرعون وقارون کا واقعہ قرآن مجید میں پڑھئے اور غور کیجئے۔ ان سب واقعات کی روح یہی ہے کہ اکثریت اور دولت اور حکومت کچھ نہیں اصل چیز اللہ کا فیصلہ اور اس کی مدد ہے اور وہ ان بندوں کے ساتھ ہے جو اس کے ہو جائیں اور اس کی راہ میں قربانیاں دیں۔

(۶)

اللہ تعالیٰ کی مدد ذاتوں اور شخصیتوں کی وجہ سے نہیں آتی بلکہ ان کے اعمال اور اخلاق اور اوصاف کی وجہ سے آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو مدد فرمائی، اسی طرح آپ کے صحابہ کرام اور بعد میں اولیاء کرام پر اللہ تعالیٰ کے جو انعامات ہوئے اور ان کی جو مددیں فرمائی گئیں وہ ان کی شخصیتوں کی وجہ سے نہیں بلکہ ان کے اعمال اور خاص کر اللہ کے لئے انکی

قربانیوں اور دین کے راستہ کی ان کی محنتوں کی وجہ سے فرمائی گئیں، آج بھی جو کوئی اللہ کی مدد دیکھنا چاہے وہ ان کے والے اعمال اور ان کی والی قربانی اور محنتوں کے راستہ پر پڑ جائے وہ اللہ کی مددوں کو آتا ہوا خود آنکھوں سے دیکھ لے گا۔

اللہ کی نصرت اور غیبی مدد کا استحقاق اسی وقت تک رہتا ہے جب تک نظر بس اللہ پر ہو اور یقین ہو کہ ہم سے یا کسی سے کچھ نہ ہو سکے گا، جو کچھ ہوگا صرف اللہ کی مدد اور اس کے کرم سے ہوگا۔ غزوۂ بدر اور خندق میں مسلمانوں کا حال یہ تھا کہ اللہ کے سوا کوئی سہارا اور کوئی پناہ کی جگہ ان کے سامنے نہیں تھی، اپنی کسی چیز پر ذرا بھی اعتماد نہیں تھا اس لئے نظر صرف اللہ کے کرم اور اس کی نصرت پر تھی، تو پوری نصرت اور بھرپور مدد ہوئی، اور اس کے برخلاف غزوۂ احد اور غزوۂ حنین میں جب اپنی تعداد اور تیاریوں پر بھی کچھ "اعتماد" پیدا ہو گیا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد کا ہاتھ کھینچ لیا گیا۔

(۷)

مسلمانوں میں دین کی رسم اور صورت موجود ہے۔ اس تبلیغی جدوجہد کا مقصد یہ ہے کہ ان میں دین کی روح اور حقیقت آجائے۔ ان میں دین کے منتشر اجزاء موجود ہیں۔ تبلیغ کا مقصد یہ ہے کہ ان میں پورا دین اپنی صحیح ترتیب کے ساتھ آجائے ـــــ یہ چھ نمبر جن پر تبلیغ میں زور دیا جاتا ہے اور جن کی مشق کرائی جاتی ہے ان کا مقصد یہ ہے کہ مسلمان صحیح ترتیب کے ساتھ دین پر پڑ جائیں اور اللہ تعالیٰ کے احکام اور آخرت کے ثواب و عذاب پر نظر رکھ کے زندگی گزارنا ان کا مزاج بن جائے۔

(۸)

آج دین کے جن احکام پر مسلمان عمل نہیں کر رہے ہیں خواہ وہ احکام کسی شعبہ کے ہوں ان پر عمل کرنے سے یا تو مسلمانوں کے مال پر زد پڑتی ہے یا جان و جسم پر، یا خواہشات پر، اس لئے ان احکام پر عمل کرنا ان کے لئے سخت مشکل ہو رہا ہے اور وہ اسلام کے ماننے کے باوجود اس کے احکام کے خلاف زندگیاں گذار رہے ہیں ـــــ ہماری یہ جدوجہد جس کا نام تبلیغ ہے اور اس کے چھ نمبر بس اس مشکل کو حل کرنے کا ایک ذریعہ ہیں۔ اصل مقصد یہ ہے کہ ان نمبروں میں مسلسل مشغولیت اور

ان کی مشق کے ذریعہ مسلمانوں کی زندگی کا رُخ ان چیزوں کی طرف سے مُڑ کر جن کی طرف پڑ گیا ہے اللہ کے اوامر اور احکام کی طرف ہو جائے اور پھر وہ اس کی راہ میں ہر قسم کی قربانیاں تکلیفیں اور نقصانات برداشت کرنے کے قابل ہو جائیں۔

(۹)

ہمارے اس تبلیغی کام کا مقصد یہ ہے کہ مسلمان اللہ کے احکام کی پابندی والی زندگی گزارنے لگیں، چھ نمبروں کی پابندی اور مشق سے ان میں یہ بات آسکتی ہے ____ لیکن ان نمبروں کے الفاظ سے جو مطلب عام لوگ سمجھتے ہیں اس سے یہ مقصد پورا نہیں ہو سکتا۔ بلکہ ان کا جو مطلب ہم سمجھتے ہیں اور بتاتے ہیں اس کے مطابق کرنے اور لگنے سے انشاء اللہ وہ بات پیدا ہو جائیگی کہ جسمانی تکلیفوں اور مالی نقصانوں کے باوجود اور نفس کی خواہشات کے خلاف ہونے کے باوجود لوگ اللہ کے احکام پر چلیں گے۔

(۱۰)

اسلام میں جن اعمال کا حکم دیا گیا ہے اور جن کے عوض ثواب کا اور جنت کا وعدہ کیا گیا ہے وہ چار قسم کے ہیں۔ ایک وہ جن میں اللہ تعالیٰ کی نیابت ہے مثلاً رحم کا حکم ہے، احسان کا حکم ہے سخاوت اور فیاضی کا حکم ہے، عدل وانصاف کا حکم ہے، مجرموں کو سزا دینے کا حکم ہے۔ ان اعمال اور اخلاق کی حیثیت یہ ہے کہ دراصل یہ اللہ تعالیٰ کی صفات اور اس کے افعال ہیں اور بندوں کو بھی حکم ہے کہ وہ اپنی حیثیت کے مطابق یہ اعمال کریں اور یہ صفات برتیں۔ (تخلقوا باخلاق اللہ)

دوسری قسم کے وہ اعمال ہیں جو دراصل نبیوں کے کرنے کے ہیں اور امتی ان کو پیغمبروں کی نیابت میں کرتے ہیں، جیسے دین کی دعوت و تبلیغ، تعلیم و تربیت، امر بالمعروف و نہی عن المنکر اعلاء کلمۃ اللہ کی کوششیں اور اس کے راستہ میں قربانی وغیرہ وغیرہ۔ یہ دراصل نبیوں والے اعمال ہیں اور نبی ان ہی کاموں کے لئے بھیجے جاتے ہیں۔ امتی ان کاموں کو کر کے نبی کے مقصد کی خدمت کرتے ہیں اور ان ہی کی نصرت اور نیابت میں ان راستوں پر محنت کرتے ہیں۔

تیسری قسم وہ اعمال ہیں، جو اللہ تعالیٰ کے حضور میں اپنی عبدیت اور بندگی ظاہر کرنے کے لئے اور اس کے ذریعہ اللہ کا قرب اور اس کی رضا حاصل کرنے کے لئے کئے جاتے ہیں۔ یہ شان عبادات کی ہے۔ نماز، روزہ، حج، قربانی، ذکر و تلاوت وغیرہ عبادات اس قسم کے اعمال ہیں۔

چوتھی قسم وہ اعمال ہیں جو دراصل اپنی خواہشات اور بشری تقاضوں کے لئے کئے جاتے ہیں لیکن ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے احکام دیئے ہیں کہ ان کو اس طرح کرو، اس لئے یہ بھی دینی اعمال ہوگئے۔ مثلاً نکاح کرنا، بیوی بچوں کو کھلانا پلانا، کپڑے پہنانا، ان کو پیار کرنا، یا خرید و فروخت، اسی طرح کاشت کاری یا کارخانہ داری، یا محنت مزدوری یہ سب وہ چیزیں ہیں جن کا تعلق دراصل ہماری خواہشات اور بشری ضروریات سے ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق احکام دیئے کہ ان کو اس طرح کیا جائے اور ان میں بھی ثواب رکھ دیا، اب یہ بھی دینی اعمال ہوگئے لیکن ان کے دینی اعمال اور قابل ثواب ہونے کی ایک شرط تو یہ ہے کہ یہ اللہ کے دیئے ہوئے احکام اور اس کے مقرر کئے ہوئے ضابطوں کے مطابق ہوں اور دوسری شرط یہ ہے کہ ان کی وجہ سے وہ اعمال ضائع نہ ہوں جو ان سے مقدم اور زیادہ اہم ہیں، اب اگر ایک شخص اپنے کاروبار میں اور بیوی بچوں میں اس طرح مشغول ہوتا ہے کہ اس مشغولیت کی وجہ سے دین سیکھنے کے لئے اور ایمان و یقین حاصل کرنے کے لئے اور اپنی نماز کو حقیقی نماز بنانے کے لئے اور خدا سے اپنے تعلق کو صحیح کرنے کے لئے وقت نہیں نکال سکتا تو اس کا بیوی بچوں کو پالنا اور کاروبار میں مشغول رہنا ہرگز دینی عمل نہیں ہے بلکہ سراسر وبال ہے اور "اِنَّمَا اَمْوَالُکُمْ وَاَوْلَادُکُمْ فِتْنَۃٌ" کا مصداق ہے۔

(۱۱)

محنت کے دو میدان ہیں۔ ایک زمین اور زمین سے پیدا ہونے والی چیزیں، دوسرے ایمان اور ایمان والے اعمال۔

پہلی محنت کا معاوضہ دنیا میں ملتا ہے لیکن ایسا نہیں ملتا کہ محنت کرنے والے اس پر خوش

اور مطمئن ہوں۔

دوسری محنت کا معاضہ دینا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ بھرپور دے گا۔

یہاں جو کچھ نظر آتا ہے وہ بہت ناقص ہے، بیچاری آنکھ کا حال یہ ہے کہ وہ ہر چیز کی صرف صورت کو دیکھ سکتی ہے حقیقت کو نہیں، کسی جسمانی چیز کی صرف اوپر سے نظر آنے والی سطح اور شکل کو دیکھ سکتی ہے اس کی روح کو نہیں دیکھ سکتی، حد یہ ہے کہ خود اپنے کو نہیں دیکھ سکتی، اللہ کا غیبی نظام جو نظر نہیں آتا وہ لاکھوں کروروں درجہ زیادہ وسیع ہے، ــــ پھر آنکھ نہ کسی چیز کا اول دیکھتی ہے نہ آخر صرف اس کا حال دیکھتی ہے، ہر چیز شروع میں مٹی تھی آخر میں پھر اس کو مٹی ہونا ہے۔ آنکھ نے نہ اس وقت کو دیکھا جبکہ وہ پہلے مٹی تھی نہ وہ اس وقت کو دیکھ رہی ہے جب وہ پھر مٹی ہوگی، بلکہ صرف اس کو موجودہ شکل میں دیکھا ہے۔ جب کسی چیز کو دیکھو تو سوچو کہ کچھ نہیں، یہ پہلے مٹی تھی اللہ کی قدرت سے اس کی یہ شکل بن گئی ہے اور پھر ایک دن اس کو مٹی ہو جانا ہے۔ اپنے بارہ میں بھی یہی سوچو۔

قرآن شریف میں فرمایا گیا ہے "مِنۡهَا خَلَقۡنَاكُمۡ وَفِيۡهَا نُعِيۡدُكُمۡ وَمِنۡهَا نُخۡرِجُكُمۡ تَارَةً اُخۡرٰى"۔

نماز کی ہر رکعت میں دو سجدے رکھے گئے ہیں، اس کی یہ بھی ایک حکمت ہے کہ جب پہلے سجدے میں جائے تو یاد کرے کہ میں اسی زمین کی مٹی سے بنایا گیا ہوں، پھر دوسرے سجدے میں یاد کرے کہ زندگی کی میعاد ختم کر کے مجھے پھر اسی زمین کا پیوند ہو جانا ہے اور پھر اس سے اٹھ کر اللہ کے حضور میں پیش ہونا ہے اور اپنی زندگی کا حساب دینا ہے۔

راہِ خدا میں نکلنے والے قافلوں کے لیے

حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ کی ہدایات

محمد منظور نعمانی

[تبلیغی اجتماعات کا پروگرام عموماً یہ ہوتا ہے کہ پہلے ایک دو دن پورے زور و قوت کے ساتھ حاضرین کو اس کی دعوت اور ترغیب دی جاتی ہے کہ وہ ایمان و یقین اور ایمان والے اعمال اپنے اندر پیدا کرنے کے لئے کچھ مدت کے لئے اپنے ماحول اور روزمرہ کے مشاغل سے نکلیں اور دوسرے بندگانِ خدا کو بھی ان کی دعوت دینے کے لئے ایک خاص پروگرام کے مطابق وہ محنت و مجاہدہ کریں ــــ اللہ کے جو بندے اس دعوت کو قبول کر لیتے ہیں ان کی جماعتیں ترتیب دے دی جاتی ہیں اور اجتماع کے اختتام پر ان کو ہدایات دے کر اور دعا کر کے رخصت کر دیا جاتا ہے ــــ اپریل ۶۲ء میں کلکتہ کے قریب مگراہاٹ میں ایک اجتماع ہوا تھا، راقم سطور بھی اس میں شریک تھا، پہلے دو دن کی دعوت و ترغیب کے نتیجہ میں ایک ہزار سے کچھ اوپر بندگان خدا نے اپنے نام لکھائے جن کو قریباً سو جماعتوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ آخری دن حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ نے جماعتوں کو رخصت کرتے وقت جو تقریر فرمائی تھی وہ اس عاجز نے اشارات میں قلمبند کر لی تھی۔ وہی ذیل میں درج کی جا رہی ہے۔ اس میں جو کچھ ہے وہ مضمون کی حد تک حضرت مولانا مرحوم کا ہے، لیکن الفاظ کے بارہ میں یہ بات نہیں کہی جا سکتی۔]

خطبۂ مسنونہ کے بعد مولانا نے فرمایا:۔

آفتاب نورانی ہے۔ اس کے اندر نور ہے۔ وہ اپنے اس نور کے ساتھ چکر لگاتا ہے تو دنیا۔

میں نور پھیلاتا ہے۔ اگر بجائے نورانی کے وہ خود ظلماتی ہوتا اور اس میں نور کے بجائے ظلمت ہوتی تو وہ دنیا میں ظلمت پھیلنے کا ذریعہ بنتا ــــ آپ لوگ اپنے گھر چھوڑ کر نکل رہے ہیں اور دور قریب کی دنیا میں پھریں گے۔ اگر آپ میں نور ہوگا تو آپ کے ذریعہ نور پھیلے گا۔ اور اگر آپ کے اندر ظلمت ہوگی تو وہی ظلمت پھیلے گی، اس لئے آپ کو کوشش کرنی ہے کہ آپ کے اندر نور ہو اور آپ خود نورانی بنیں ــــ کسی انسان کی ذات میں نور نہیں ہے، نور والے اعمال سے انسان میں نور آتا ہے اس لئے آپ لوگوں کو نور والے اعمال کرنے ہیں تاکہ آپ کے اندر نور آئے اور آپ کے ذریعہ نور پھیلے اور ظلمت والے اعمال سے اپنے آپ کو بچانا ہے تاکہ آپ ظلمت پھیلنے کا ذریعہ نہ بنیں۔

نور والے اعمال وہ محمدی اعمال ہیں جو اللہ کی رضا کے لئے کئے جائیں، ان اعمال کو اتنی کثرت سے اور تسلسل اور یکسوئی کے ساتھ کرنے کی ضرورت ہے کہ آپ ان کے نورانی رنگ میں رنگ جائیں ــــ وہ نورانی اعمال یہ ہیں:۔

(۱) اخلاص کے ساتھ ایمان ویقین حاصل کرنے کی دعوت جو انبیاء علیہم السلام کی خاص میراث اور اللہ کی مخلوق کے ساتھ سب سے بڑی خیر خواہی ہے۔

(۲) نماز اور جملہ عبادات جس میں ذکر وتلاوت، دعا واستغفار سب شامل ہیں۔

(۳) علم میں مشغولیت، خاص کر وہ علم جس میں انسانوں کے اعمال وافعال کے آخرت میں ظاہر ہونے والے نتائج کا بیان ہو۔ یعنی ترغیب وترہیب۔

(۴) اچھے اخلاق جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق تھے اور جن کی آپ نے تعلیم دی۔ جس کا خلاصہ اور حاصل ہے اللہ کی رضا کے لئے اس کی مخلوق کی خدمت اور اس کے ساتھ اچھا برتاؤ۔

یہ ہیں وہ نورانی اعمال جن کے مسلسل اور کثرت سے کرنے سے نور پیدا ہوتا ہے، اور زندگی نورانی بنتی ہے، آپ کو انہی اعمال میں مشغول رہتے ہوئے پھرنا ہے۔

یاد رکھئے آپ صرف اپنے گھر، اپنے گھر والوں، اور اپنے خاص ماحول کو چھوڑ کر جارہے ہیں نفس اور شیطان کو چھوڑ کر نہیں جارہے ہیں۔ یہ دونوں دشمن ہر قدم پر اور دن رات آپ کے ساتھ

رہیں گے، آپ کی بری عادتیں بھی آپ کے ساتھ جارہی ہیں، یہ سب چیزیں آپ کو ان اعمال کی طرف کھینچیں گی جن سے آپ میں ظلمت آئے اور آپ خدا سے دور اور اس کی رضا سے محروم ہوں، آپ ان دشمنوں کے شر سے صرف اس طرح بچ سکتے ہیں کہ اس بات کا پورا اہتمام کریں کہ سونے کے چھ سات گھنٹوں کے علاوہ دن رات کے تمام اوقات میں اپنے کو ان نورانی اعمال میں مشغول رکھیں۔ یا آپ ایمان کی اور ایمان والے اعمال کی دعوت دیتے ہوں، یا نماز اور ذکر و تلاوت وغیرہ کسی عبادت میں مشغول ہوں، یا تعلیم اور تعلّم میں لگے ہوں، یا کوئی خدمت والا کام انجام دے رہے ہوں۔

نفس اور شیطان کے شر سے بچنے کی صرف یہی صورت ہے کہ آپ کا وقت ان کاموں سے فارغ اور خالی نہ ہو۔ "خانۂ خالی را دیو می گیرند"۔

پھر یہ اعمال بھی نور حاصل ہونے کا ذریعہ اسی صورت میں بنیں گے جب کہ صرف اللہ کی رضا کے لئے اور آخرت کے ثواب پر نگاہ رکھتے ہوئے کئے جائیں، اگر خدانخواستہ نیت خالص نہ رہی تو یہی اعمال جہنم میں کھینچ لے جائیں گے ـــــ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مشہور حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت میں سب سے پہلے تین آدمیوں کے بارہ میں جہنم کا فیصلہ کیا جائے گا، اور جہنم میں سب سے پہلے انہی کو جھونکا جائے گا، ان میں ایک وہ عالمِ دین اور عالمِ قرآن ہوگا جو عمر بھر قرآن سیکھنے سکھانے میں مشغول رہا۔ دوسرا ایک دولت مند سخی ہوگا جس کو دنیا میں اللہ نے خوب دولت سے نوازا تھا اور وہ اللہ کی دی ہوئی دولت نیکی کے کاموں میں خوب کشادہ دستی سے خرچ کرتا تھا اور تیسرا شخص ایک شہید ہوگا جو جہاد کے میدان میں دشمن کی تلواروں سے شہید ہوا ہوگا ـــــ لیکن ان تینوں آدمیوں نے یہ اعمال خالصاً لوجہ اللہ نہیں کئے تھے بلکہ دنیا میں ناموری اور شہرت و عزت حاصل کرنے کے لئے کئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن جب یہ تینوں قسم کے آدمی اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیش ہوں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ ہم دلوں اور نیتوں کا حال جانتے ہیں۔ تم لوگوں نے یہ اچھے اور نورانی اعمال ہماری رضا کے لئے نہیں کئے تھے، بلکہ دنیا میں ناموری اور شہرت کے لئے کئے تھے اور یہ چیز تمہیں دنیا میں مل چکی، اب

تمھارے لئے یہاں کچھ نہیں۔ اس کے بعد ان کو ان کے انہی اعمال کی وجہ سے گھسیٹ کے جہنم میں پھکوا دیا جائے گا، بلکہ حدیث میں یہ بھی ہے کہ یہ پہلے وہ جہنمی ہوں گے جن کے لئے سب سے پہلے جہنم کا فیصلہ کیا جائے گا۔ (العیاذ باللہ)

سوچئے تو کس قدر لرزا دینے والی ہے یہ حدیث، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اس حدیث کو روایت فرماتے تو کبھی کبھی مارے خوف کے ان کی چیخیں نکل جاتیں اور ان پر بیہوشی کا دورہ پڑ جاتا تھا۔ اور ایک دفعہ جب تابعی نے یہی حدیث حضرت ابوہریرہؓ سے سن کر حضرت معاویہؓ کے سامنے نقل کی تو حضرت امیر معاویہ اتنے روئے کہ لوگوں کو ان کی جان کا خطرہ ہو گیا۔ بہت دیر کے بعد ان کی حالت ٹھیک ہوئی۔ اور انھوں نے فرمایا۔

صَدَقَ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ مَنْ کَانَ یُرِیْدُ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا وَزِیْنَتَھَا نُوَفِّ اِلَیْھِمْ اَعْمَالَھُمْ فِیْھَا وَھُمْ فِیْھَا لَا یُبْخَسُوْنَ ۝ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ لَیْسَ لَھُمْ فِی الْاٰخِرَۃِ اِلَّا النَّارُ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِیْھَا وَبَاطِلٌ مَّا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۝

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں سچ فرمایا ہے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی طرف سے بالکل صحیح پہنچایا ہے کہ "جو کوئی اپنے اعمال سے دنیا اور دنیا کی زیب و زینت چاہتا ہے اس کو اس کے اعمال کا پورا نتیجہ دنیا میں ہم دے دیں گے اور ان کے لئے اس میں بالکل کمی نہیں کی جائیگی۔ ان لوگوں کیلئے آخرت میں سوائے دوزخ کی آگ کے اور کچھ نہ ہو گا اور جو عمل انھوں نے کئے تھے وہ ضائع جائیں گے اور بے کار و لاحاصل ہونگے ان کے اعمال"۔

بہرحال نورانی اعمال نور پیدا کرنے کا ذریعہ اسی صورت میں ہو سکتے ہیں جبکہ وہ خالصًا اللہ کی رضا کے لئے اور آخرت کے لئے کئے جائیں اس لئے آپ کو ایک طرف تو اپنے تمام اوقات انہی اعمال میں مشغول رکھنے ہیں اور دوسری طرف اس کا بھی اہتمام کرنا ہے کہ نیت صحیح رہے۔ جب کسی بندہ کو اچھے عمل سے ہٹا

نہیں سکتا تو اس کی نیت میں فساد ڈالنے کی کوشش کرتا ہے۔ اللہ والے عمل اگر غیر اللہ کے لئے کئے جائیں تو ان میں اللہ والی نسبت نہیں رہتی۔ اور اگر اللہ کی رضا کے لئے وہ اعمال کئے جائیں جو در حقیقت رضا والے اعمال نہیں ہیں تو ان میں اللہ کی نسبت نہیں آتی اور وہ رضائے الٰہی کا وسیلہ نہیں بنتے اس لئے دونوں کوششیں ضروری ہیں۔ ایک اللہ کی رضا والے اعمال میں مشغولیت، ہمہ دم ایسی مشغولیت کہ ان کا رنگ چڑھ جائے اور نیت کی صحت کا اہتمام، جس کا مطلب یہ ہے کہ ہر عمل سے مقصد اللہ کی رضا ہو۔ ساری کامیابی بس اللہ کی رضا میں ہے، اور اس کی ناراضی میں تمام ناکامی اور نامرادی ہے۔

میں بتا چکا ہوں کہ اس نکلنے کے زمانہ میں بس چار کاموں میں اپنے آپ کو مشغول رکھنا ہے۔ سب سے پہلی چیز ہے ایمان و یقین کی اور ایمان والے اعمال کی دعوت۔ اس دعوت کے لئے عمومی گشت ہوں گے، خصوصی گشت ہوں گے جن کے اصول و آداب گشت کے لئے نکلتے وقت بتلائے جائیں گے۔ ان کو دھیان سے سنا جائے۔ پھر جب آپ دعوت کے لئے گلیوں اور بازاروں میں نکلیں گے تو شیطان آپ کو وہاں کے نقشوں کی طرف متوجہ کرے گا۔ اس لئے سب سے پہلے دعا کرنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ شیطان و نفس کے شر سے بچائے اور اپنی مرضی کے مطابق کام کرنے کی توفیق دے۔ پورے گشت میں اس کا اہتمام رہے کہ بس اللہ کے جلال اور جمال پر اور اس کی صفات عالیہ پر نظر رہے، نگاہیں نیچی ہیں اور اپنا مقصد نگاہ کے سامنے رہے، جس طرح جب کسی مریض کو اسپتال لے کر جاتے ہیں تو خود مریض اور اس کے ساتھی اسپتال کی عالی شان عمارتوں کو اور وہاں کے نقشوں کو دلچسپی سے نہیں دیکھتے بلکہ ان کے سامنے بس مریض کا علاج ہوتا ہے۔

خصوصی گشت میں اگر دیکھا جائے کہ وہ صاحب جن سے آپ ملنے گئے ہیں اس وقت توجہ سے بات سننے کے لئے تیار نہیں ہیں تو مناسب طریقہ سے جلدی بات ختم کر کے ان کے پاس اٹھ آنا چاہئے اور ان کے لئے دعا کرنی چاہئے اور اگر دیکھا جائے کہ وہ صاحب متوجہ ہیں تو پھر پوری بات ان کے سامنے رکھنی چاہئے اور وقت فارغ کرنے کے لئے بھی کہنا چاہئے۔

خصوصی گشت میں جب دینی اکابر کی خدمت میں حاضری ہو تو ان سے صرف دعا کی درخواست

کی جائے۔ اوران کی توجہ دیکھی جائے تو کام کا کچھ ذکر کر دیا جائے۔ عمومی گشت کرکے لوگوں کو مسجد میں جمع کیا جائے اوران کے سامنے ایمان ویقین، نماز، ذکراللہ، علم دین، اخلاق اور دینی جدوجہد کی بات رکھی جائے اور تشکیل کی کوشش کی جائے۔ پھر تشکیل کرکے مطمئن نہ ہو جائیں بلکہ جن لوگوں نے وعدے کئے ہیں اور نام لکھائے ہیں ان کو اللہ کے راستہ میں نکال دینے کی اور وعدوں کو عمل میں لے آنے کی پوری کوشش کریں اور اپنے امکان بھر اس کا انتظام کریں کہ ان کا وقت اچھی طرح گزرے ___ جو لوگ اس وقت نکلنے کا فیصلہ نہ کرسکیں ان کو مقامی گشت، مقامی اجتماع، تعلیم، نماز، ذکر کی پابندی پر آمادہ کیا جائے اوران کاموں کا نظام بنا دیا جائے۔

جب دعوت کے سلسلہ کی یہ ساری محنت کر چکیں تو اس کسان کی طرح جو زمین میں بیج بکھیر دیتا ہے اور پھر اللہ سے لو لگاتا ہے پورے الحاح کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں وہی مقلب القلوب ہے، وہی جس کو چاہے ایمان اور ایمان والے اعمال دیتا ہے اور جس کے لئے نہیں چاہتا اس کو محروم رکھتا ہے۔

دعوت کے بعد دوسرا کام تعلیم کا ہے جب تعلیم کے لئے بیٹھیں تو ادب سے بیٹھیں، دل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے علم کی عظمت سے دبا ہوا ہو، فضائل کا مذاکرہ ہو، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم فرمائی ہوئی دعائیں یاد کی جائیں۔

جو وقت دعوت اور تعلیم سے خالی ہو اور کوئی دوسرا ضروری کام بھی اس وقت نہ ہو اس میں نوافل پڑھے جائیں، یا قرآن مجید کی تلاوت کی جائے یا ذکر وتسبیح میں مشغول کیا جائے۔ یا اللہ کے کسی بندہ کی خدمت کی جائے۔

جس طرح نماز میں آدمی یا قیام میں ہوتا ہے، یا رکوع میں یا سجدہ میں یا قعدہ میں، اسی طرح اللہ کے راستہ میں نکلنے کے بعد آدمی یا دعوت میں لگا ہو، یا تعلیم اور تعلم میں، یا ذکر وعبادت میں، یا اللہ کی کسی مخلوق کی خدمت میں ___ یہ چار کام اس پورے زمانے میں بطور اصل مقصد کے کئے جائیں گے اور اتنے کئے جائیں گے کہ یہی عادت ومزاج بن جائے۔ یہ اجتماعی بھی کئے جائیں گے۔

اور انفرادی بھی۔ اجتماعی سے مطلب وہ ہے جو جماعتی نظام کے تحت ہو، جیسے خصوصی گشت اور عمومی گشت میں دعوت اور جماعت کی تعلیم کے وقت میں تعلیم اور جماعت کے ساتھ فرض نمازیں اور انکے آگے پیچھے کی سنتیں اور جماعتی تقسیم کار کے مطابق کھانے وغیرہ کے انتظامات کی دوڑ دھوپ، یہ سب اعمال اجتماعی ہیں، انفرادی دعوت، انفرادی تعلیم، انفرادی عبادت، انفرادی خدمت وہ ہوگی جو جماعتی پروگرام کے علاوہ کوئی شخص اپنے اس خالی وقت میں کرے جس میں کوئی اجتماعی کام نہیں ہے، مثلاً دوپہر کے کھانے کے بعد ظہر تک کوئی جماعتی کام دعوت یا تعلیم وغیرہ نہیں ہے، ہر شخص کو اجازت ہے کہ وہ اس میں آرام کرے۔ اب اگر کوئی اللہ کا بندہ اپنے اس وقت میں آرام کرنے کے بجائے کسی شخص کے پاس جاکر دعوت ایمان کی باتیں کرے یا کسی اللہ کے بندہ کو کوئی دعا یاد کرائے یا اس کی نماز صحیح کرائے یا مسجد کے کسی کونے میں کھڑے ہوکر نوافل پڑھنے لگے یا کسی ساتھی کی کوئی خدمت کرنے لگے تو یہ سب صورتیں انفرادی عمل کی ہوں گی۔

بہر حال اللہ کے راستہ میں نکلنے کے زمانہ میں یہ چار کام اصل مقصد کے طور پر کئے جائیں۔ اور حاجات بشری کے علاوہ اپنے کل اوقات ان ہی کاموں میں مشغول رکھے جائیں تب ان کے ذریعہ زندگی میں نور آئے گا اور پھر انشاء اللہ وہ نور متعدی ہوگا اور پھیلے گا۔

ان چار کاموں کے علاوہ چار ہی کام ناگزیر ضرورت کے طور پر کئے جائیں گے اور صرف بقدر ضرورت ہی کئے جائیں گے۔ وہ چار یہ ہیں۔

۱۔ کھانا پینا ۲۔ قضائے حاجت ۳۔ سونا ۴۔ باہم بات چیت کرنا۔

یہ ناگزیر ضرورتیں ہیں ان کو بس اتنا ہی وقت دیا جائے جتنا ضروری اور ناگزیر ہو۔

سونے کے لئے دن رات میں بس چھ گھنٹے کافی ہیں۔

۴ باتیں وہ ہیں جن سے پورے اہتمام کے ساتھ بچا جائے۔

۱۔ کسی سے سوال نہ کیا جائے بلکہ کسی کے سامنے اپنی کوئی ضرورت ظاہر بھی نہ کی جائے یہ بھی ایک طرح کا سوال ہی ہے۔ ۲۔ اشراف سے بھی بچا جائے۔ اشراف یہ ہے کہ زبان سے تو سوال نہ

کرے لیکن دل میں کسی بندہ سے کچھ حاصل ہونے کی طمع ہو، گویا بجائے زبان کے دل میں سوال ہو۔
۳۔ اسراف سے بچا جائے۔ اسراف یعنی فضول خرچی ہر حال میں معیوب اور مضر ہے۔ لیکن اللہ کے راستہ میں نکلنے کے زمانہ میں اس کے نتیجے اپنے حق میں بھی بہت برے ہوتے ہیں اور دوسرے ساتھیوں کے حق میں بھی۔ ۴۔ بغیر اجازت کسی ساتھی کی بھی کوئی چیز استعمال نہ کی جائے۔ بعض اوقات دوسرے آدمی کو اس سے بڑی ایذا پہونچتی ہے۔ اور شرعاً یہ قطعاً حرام ہے۔ ہاں اجازت لے کر استعمال کرنے میں کو مضائقہ نہیں۔

بس یہ ہیں ضروری باتیں جن کی پابندی اس راستہ میں نکلنے والوں کے لئے ضروری ہے۔ آپ لوگوں کے ۲۴ گھنٹے ان پابندیوں کے ساتھ گزرنے چاہئیں۔ ان اعمال کی پوری پابندی کرتے ہوئے آپ اللہ کی زمین میں اور اللہ کی مخلوق میں پھریں اور اپنے لئے اور پوری امت مسلمہ کے لئے اور عام انسانوں کے لئے اللہ تعالیٰ سے ہدایت مانگیں۔ بس یہی آپ کا عمل اور آپ کا وظیفہ ہو۔ اگر آپ نے ایسا کیا تو اللہ تعالیٰ جو ارحم الراحمین ہے ہرگز محروم نہیں رکھے گا۔

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی دعا

جن لوگوں نے حضرت مولانا مرحوم کو دعا کرتے ہوئے نہیں دیکھا اور نہیں سنا وہ بالکل اندازہ نہیں کر سکتے کہ کسی کا دعا میں یہ حال بھی ہوتا ہے اور کوئی اس طرح مجسم دعا بن کے بھی اللہ تعالیٰ سے مانگتا ہے۔ حق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مولانا مرحوم کو جن نعمتوں سے نوازا تھا ان میں سے ایک عظیم ترین نعمت حقیقت دعا تھی ___ ہماری بڑی آرزو تھی کہ اللہ کے کسی بندہ نے کسی اجتماع میں مولانا کی دعا کو لفظ بلفظ لکھا ہو اور وہ ہم کو مل جائے، لیکن اس کی امید اس لئے نہ تھی کہ ان کی دعا کے وقت ہر شخص اپنے امکان کی حد تک ظاہر و باطن سے ان کی دعا میں شریک ہونا چاہتا تھا اس لئے جو حضرات تقریروں کا لفظ لفظ لکھنا چاہتے تھے وہ دعا کا ایک لفظ بھی نہیں لکھتے تھے ___ لیکن اللہ تعالیٰ نے ہماری یہ آرزو اس طرح پوری فرمائی کہ ہمیں معلوم ہوا کہ مرادآباد کے آخری اجتماع میں آپکی دعا کے وقت ایک صاحب نے خفیہ طور پر ٹیپ ریکارڈ لگا کر آپ کی دعا ریکارڈ کر لی تھی، اسکی مدد سے آپ کی دعا لفظ بلفظ قلم بند کر لی گئی اور وہ بالکل حضرت مولانا مرحوم کے الفاظ میں ایک لفظ کی کمی بیشی کے بغیر ذیل میں درج کی جا رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ مرادآباد کے ان احباب کو جزائے خیر عطا فرمائے جنھوں نے اس کو اہتمام اور محنت سے قلم بند کر کے مرحمت فرمایا۔ دعا میں جو الفاظ مکرر سہ کرر ہیں۔ وہ اصل دعا میں اسی طرح تھے۔ (درود شریف کے بعد بالجہر دعا اس طرح شروع فرمائی)

اللہ لا الہ الا ھو الحی القیوم، الم اللہ لا الہ الا ھو الحی القیوم و عنت الوجوہ للحی

القیوم لا الہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین، یا احد الصمد الذی لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفوا احد، یا ارحم الرحمٰن، یا ارحم الراحمین، یا ذالجلال والاکرام یا ربنا یاسیدنا یامولٰنا و یاغایتہ رغبتنا یاخالق انفسنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفر لنا وترحمنا لنکونن من الخاسرین ربنا اغفرلنا وتب علینا انک انت التواب الرحیم۔ رب اغفر وارحم وتجاوز عما تعلم انک انت الاعز الاکرم۔ اللّٰھم مصرف القلوب صرف قلوبنا علی طاعتک اللھم مصرف القلوب صرف قلوبنا علی طاعتک اللّٰھم مصرف القلوب صرف قلوبنا علی طاعتک، یا مقلب القلوب ثبت قلوبنا علی دینک یامقلب القلوب ثبت قلوبنا علی دینک یامقلب القلوب ثبت قلوبنا علی دینک ، اللّٰھم ان قلوبنا ونواصینا وجوارحنا بیدک لم تملکنا منھا شیئا فاذا فعلت ذالک بنا فکن انت ولینا واھدنا الیٰ سواء السبیل، اللّٰھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابہ اللّٰھم ارزقنا حبک وحب رسولک وحب من ینفعنا حبہ عندک والعمل الذی یبلغنا حبک اللّٰھم اجعل حبک احب الاشیاء الیّ واجعل خشیتک اخوف الاشیاء عندی۔ اللّٰھم لا سھل الا ما جعلتہ سھلا وانت تجعل الحزن سھلا اذا شئت لا الہ الا اللہ الحلیم الکریم سبحان اللہ رب العرش العظیم الحمد للہ رب العٰلمین اسئلک موجبات رحمتک وعزائم مغفرتک والعصمۃ من کل ذنب والغنیمۃ من کل برّ والسلامۃ من کل اثم لا تدع لنا ذنبا الا غفرتہ ولا ھما الا فرجتہ ولا کربا الا نفسّتہ ولا ضرا الا کشفتہ ولا حاجۃ ھی لک رضی الا قضیتھا یا ارحم الراحمین۔ الیک رب فحبّبنا وفی انفسنا فذللنا وفی اعین الناس فعظمنا ومن سیّئ الاخلاق فجنبنا وعلیٰ صالح الاخلاق فقومنا وعلی الصراط المستقیم فثبتنا وعلی الاعداء اعدائک اعداء الاسلام فانصرنا اللّٰھم انصرنا ولا تنصر علینا اللھم اکرمنا ولا تھنا اللّٰھم اٰثرنا ولا توثر علینا اللّٰھم زدنا ولا تنقصنا اللّٰھم امکرلنا ولا تمکر علینا اللّٰھم ارحمنا ولا

تسلط علينا من لا يرحمنا اللهم اشرح صدورنا للاسلام اللهم حبب الينا الايمان وزينه فی قلوبنا وكره الينا الكفر والفسوق والعصيان، اللهم اجعلنا من الراشدين المهديين اللهم اهدنا الصراط المستقيم صراط الذين انعمت عليهم من النبيين والصديقين والشهداء والصالحين وحسن اولئك رفيقا ـ اللهم اهد امة محمد صلى الله عليه وسلم اللهم علمهم الكتاب والحكمة اللّٰهم الهمهم مراشد امورهم اللهم اجعلهم دعاةً اليك والىٰ رسولك اللّٰهم ثبتهم علىٰ ملة رسولك اللهم اوزعهم ان يشكروا نعمتك التی انعمت عليهم وان يوفوا بعهدك الذی عاهدتهم عليه اللهم انصرهم علىٰ عدوك وعدوهم الٰه الحق آمين اللهم اهد هٰذه البلدة اللهم اهد هذا الملك اللهم اهد هذه الحكومة اللهم اهد الناس جميعا اللهم اهد الناس جميعا اللهم اهد الناس جميعا ـ اللهم عليك بصناديد اليهود والنصارىٰ والمشركين اللهم عليك باشدائهم على الاسلام والمسلمين اللهم اقطع دابرهم اللهم خذ ملكهم واموالهم اللهم فلّ اسلحتهم اللهم اهلكهم كما اهلكت عاداً وثمود اللهم خذهم اخذ عزيز مقتدر اللهم اخرج اليهود والنصارىٰ والمشركين من جزيرة الحبيب سيدنا محمد صلى الله عليه وسلم من جزيرة العرب ـ اللهمّ اخرج اليهود والنصارىٰ والمشركين من جزيرة الحبيب سيدنا محمد صلى الله عليه وسلم من جزيرة العرب ـ اللهم اخرج اليهود والنصارىٰ والمشركين من جزيرة الحبيب سيدنا محمد صلى الله عليه وسلم من جزيرة العرب ـ اللهم اخرج اليهود والنصارىٰ والمشركين من جزيرة الحبيب سيدنا محمد صلى الله عليه وسلم من جزيرة العرب ـ اللهم اخرج اليهودية والنصرانية والمجوسية والشيوعية والشرك عن قلوب المسلمين يامالك الملك تؤتی الملك من تشاء وتنزع الملك ممن تشاء وتعز من تشاء وتذل من تشاء بيدك الخير انك علىٰ كل شئ قدير اللهم ايد

المسلمین فی مشارق الارض ومغاربها بالامام العادل والخیر والطاعات واتباع
سنن سید الموجودات اللھم وفقھم لما تحب وترضیٰ واجعل آخرتھم خیرا من
الاولیٰ۔ اللھم انصر الاسلام والمسلمین فی مشارق الارض ومغاربھا اللّٰھم اعز
الاسلام والمسلمین فی العرب والعجم اللھم اعل کلمة الاسلام والمسلمین فی
المملکة الھندیة وغیرھا من الممالک الملحقة اللّٰھم ربنا آتنا فی الدنیا حسنة
وفی الآخرة حسنة وقنا عذاب النار اللھم انا نسئلک العفو والعافیة والفوز فی
الدنیا والآخرة اللھم احسن عاقبتنا فی الامور کلھا واجرنا من خزی الدنیا و
عذاب الآخرة اللھم ارحمنا بترک المعاصی ابدا ما ابقیتنا اللھم اعنا علیٰ تلاوة
القرآن وذکرک وشکرک وحسن عبادتک اللّٰھم جنبنا الفواحش ما ظھر منھا وما
بطن اللھم جنبنا واولادنا واحبابنا واقاربنا وجمیع المبلغین والمعلمین والمتعلمین
عن الفواحش ما ظھر منھا وما بطن وجنّبنا الحرام حیث کان واین کان وعند من
کان وحُل بیننا وبین اھله۔ اللھم انا نسئلک من خیر ما سالک منه نبیک
محمد صلی اللہ علیه وسلم ونعوذ بک من شر ما استعاذک منه نبیک محمد صلی
اللہ علیه وسلم اللھم انا نسئلک رضاک والجنة اللھم انا نسئلک الجنة وما قرب الیھا
من القول والعمل اللھم انا نعوذ بک من عذاب جھنم ونعوذ بک من عذاب
القبر ونعوذ بک من فتنة المسیح الدجال ونعوذ بک من فتنة المسیح الدجال
ونعوذ بک من فتنة المسیح الدجال ونعوذ بک من فتنة المحیا والممات ونعوذ بک
من الماثم والمغرم ونعوذ بک من ان اموت فی سبیلک مدبرا اللھم تثبیتا
کتثبیت موسیٰ علیه السلام اللھم تثبیتا کتثبیت موسیٰ علیه السلام اللّٰھم
تثبیتا کتثبیت موسیٰ علیه السلام اللھم واقیة کواقیه الولید اللھم واقیة
کواقیة الولید اللھم انصر کما نصر محمد صلی اللہ علیه وسلم و نصر اصحابه

اللھم انصرنا کما نصر محمد صلی اللہ علیہ وسلم ونصر اصحابہ اللھم انصرنا کما نصر محمد صلی اللہ علیہ وسلم ونصر اصحابہ اللھم ربنا اٰتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الاٰخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار، ربنا اغفر لنا ذنوبنا واسرافنا فی امرنا وثبت اقدامنا وانصرنا علی القوم الکٰفرین ۝

اے اللہ ہمارے گناہوں کو معاف فرما، یا اللہ ہماری لغزشوں کو معاف فرما، اے اللہ ہم قصوروار ہیں ہم خطاکار ہیں ہم گنہ گار ہیں، ہم مجرم ہیں، ہماری ساری زندگی خواہشات کی اتباع میں گزر گئی۔ اے خداوند قدوس ہم دنیا کو سامنے رکھ کر اس سے متاثر ہوئے اور اسی کے یقین میں جذب ہو گئے اور اسی کے طالب بن گئے اور اسی کے اندر اپنی ساری صلاحیتوں کو ہم نے ضائع کر دیا، اے خدا ہماری محنت کے بگڑ جانے کے اس جرم عظیم کو معاف فرما جس جرم عظیم سے ہزاروں خرابیاں ہم میں پیدا ہو گئیں اور ہزاروں ہمارے اندر کی دولتیں لٹیں اے خدا اس محنت کا بدلنا یہ ہمارا جرم عظیم ہے ساری امت کے اس جرم عظیم کو معاف فرما اے خدا ساری امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اس جرم کو معاف فرما محمد صلی اللہ علیہ وسلم جس محنت پر ڈال کر گئے اس محنت کو چھوڑ کر ان محنتوں میں الجھ گئے جن محنتوں سے نکال کر وہ گئے تھے اے خدا اس محنت کا بدلنا یہ ہمارا سب سے بڑا جرم ہے۔ اس کو خصوصیت کے ساتھ معاف فرما اور اس محنت کو چھوڑ دینے کی بنا پر پھر جتنے جرائم میں ہم مبتلا ہوئے ایک ایک جرم کو اپنے کرم سے معاف فرما اور ایک ایک عصیاں کو معاف فرما ایک ایک گناہ کو معاف فرما اے اللہ کمائیوں کی لائن کی ہماری عصیاں اور خرچ کی لائن کی ہماری عصیاں اور معاشرت کی لائن کی ہماری عصیاں اے اللہ ہر لائن میں ہم عصیاں کے سمندر میں ڈوبے ہوئے ہیں اے اللہ نکلنے کی ہمارے لئے کوئی صورت نہیں ڈوبا ہوا خود کہاں نکل سکتا ہے جو ڈوبا نہیں ہے وہی نکال سکتا ہے، اے خدا ہم سب ڈوبے ہوئے ہیں اور تو ہی نکالنے والا ہے اے اللہ عصیاں کے دریاؤں میں سے ہم کو نکال لے اپنے فضل سے نکال دے اپنے کرم سے نکال دے اے کریم نافرمانیوں کے دریاؤں میں سے اپنے کرم سے نکال دے اے اللہ اپنی رحمت کی رسی ڈال اور ہمیں کھینچ لے اور ہمیں عصیاں کی دریاؤں

میں سے نکال دے اور ہمیں طاعت کی سڑکوں پر ڈال دے اے اللہ ہمیں قربانیوں کی پہاڑیوں کی چوٹیوں پر پہنچا دے، اے اللہ ہمیں دین کی محنت کے لئے قبول فرما، ہم سب کو دین کی محنت کے لئے قبول فرما، اور اے اللہ سو فی صد امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دین کی محنت کے لئے قبول فرما لے، علم کی محنت کے لئے، ایمان کی محنت کے لئے عبادت کی محنت کے لئے ذکر کی محنت کے لئے اخلاق کی محنت کے لئے نمازوں کی محنت کے لئے حج کی محنت کے لئے روزوں کی محنت کے لئے زکوٰۃ کی محنت کے لئے ان سارے فرائض وعبادات کے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے طریقے پر آجانے کے لئے ہم سب کو اس کی پوری پوری توفیق ومحنت نصیب فرما دے، اے اللہ اے اللہ ہماری زندگی کے شعبوں کی بدعملیوں کو بھی دور فرما کمائی کی بدعملیوں کو دور فرما اور کمائی کے اعمال صالحہ کو زندہ فرما گھر کی زندگی کی بدعملیوں کو دور فرما، اور اعمال صالحہ کو گھریلو زندگیوں میں زندہ فرما، معاشرت کی بدعملیوں کو ختم فرما، اے اللہ عدل والنصاف والے اعمال کو ہماری معاشرت میں زندہ فرما اے اللہ ہمیں نیک اعمال سے آراستہ فرما دے اور برے اعمال سے ہم کو نکال دے، اے خداوند قدوس جس قسم کے زمانے میں تو نے اس تبلیغ کے ذریعہ اس کلمہ ونماز پر محنت کی صورت پیدا فرما دی اور ہمارے تمام دوستوں کو اس پر جمع ہونے کی اور کہنے سننے کی اور اپنی راہ میں نکلنے کی توفیق دی اے اللہ جب تو نے اپنا کرم فرما کر اس کام کے کہنے سننے کا رخ پیدا فرما دیا اور اس کام کی نقل وحرکت کا رخ پیدا فرما دیا اے کریم اپنے کرم سے سب کو قبول فرما لے اور ان سب کی ایسی تربیت فرما کہ یہ نقل وحرکت تجھے پسند آجائے تو ہی اپنے کرم سے اس ترتیب کی اور نقل و حرکت کی تربیت فرما تو ہی مربی ہے تو ہی تربیت کرنے والا ہے، تو ہی تزکیہ کرنے والا ہے اور تو ہی پاک وصاف کرنے والا ہے، اے اللہ اس نقل وحرکت کو قبول فرما اے اللہ اس نقل وحرکت کو قبول فرما (انتہائی رقت کے ساتھ) اے خدا ان کو اخلاص نصیب فرما، اے اللہ ان کو اخلاص نصیب فرما، اے اللہ ہم سب کو اخلاص نصیب فرما، اے اللہ ہم سب کو اپنی قدرت پر یقین نصیب فرما، ہم سب کو یقین نصیب فرما ہم سب کو اپنے وعدوں پر یقین نصیب فرما، یا اللہ ہمارے عقیدوں کو درست فرما دے اور اس محنت کیلئے ہمارے اندر وہ جذبات پیدا فرما دے۔ اے خدا جن قربانیوں سے اے اللہ یہ منی کے گندے قطرے کا بنا ہوا

انسان تیرا دوست بن جاتا ہے اور جن قربانیوں سے تیرا محبوب بن جاتا ہے اے خدا ان قربانیوں کی محبت ہمارے دلوں میں پیدا فرمادے اے اللہ جس کرم سے تو نے یہ کام اٹھایا اب اس کام کو تکمیل کو پہنچا دے (۱) اس کام میں لگنے والوں میں دنیا کی رغبت ان کے دلوں سے نکال دے، ملک و مال کی رغبت ان کے دلوں سے نکال دے، اقتدار کی ہوس ان کے دلوں سے نکال دے۔ دنیا کے نقشے کے بارہ میں بے رغبتی ان کے دلوں میں پیدا فرمادے، موت کی حقیقت ان کو عطا فرما، قناعت کی دولت ان کو نصیب فرما، اے اللہ صبر و اخلاص، مجاہدے کی طاقت ان کو نصیب فرما، اے خدا جس مجاہدے پر انسان اندر سے تیرے انوارات سے جگمگاتا ہے اور تیرے صفات اخلاق ان اعلیٰ مجاہدوں پر اے اللہ ترقیات کے دروازے کھل جاتے ہیں اور اخلاق کی چوٹیوں پر انسان پہنچ جاتا ہے۔ اے اللہ وہ مجاہدے کی دولت ہم سب کو نصیب فرما۔ اے اللہ جس طرح تو نے یہ کام اٹھایا اس کام کو ہدایت کے پوری دنیا میں آجانے کا اس کام کو سو فیصد ذریعہ قرار دیدے، اے اللہ سارے انسانوں کے لئے اور سارے ملکوں کے لئے اور سارے مسلمانوں کے لئے ہدایت ملنے کا سبب اس کو قرار دیدے، سارے زمانوں قوموں ملکوں میں اس محنت کے پہنچنے کے لئے قبول فرمالے۔ اور یا اللہ ہدایت عام فرما ہمیں اور ہمارے ساتھیوں ہمارے رشتہ داروں کو اور اس کام میں لگنے والوں کو ان کے متعلقین اور رشتہ داروں کو اور ان سے تعلق و محبت رکھنے والوں کو اس ہدایت میں سے نصیب فرما جو تو مجاہدین کو ہدایت دیا کرتا ہے اور تو داعیوں کو ہدایت دیا کرتا ہے اور جو تو نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھیوں کو ہدایت نصیب فرمائی تھی اور تو نے انبیاء سابقین کو اور اولیاء اللہ کو ہدایت و قربانی عطا فرمائی تھی، اے اللہ اس ہدایت سے ہم سب کو بھرپور حصہ نصیب فرما۔ اے اللہ ان خالی ہاتھوں کو اپنے کرم سے بھر دے اور ان خالی دلوں کو اپنے کرم سے بھر دے، اپنے عشق سے اور اپنی محبت سے ہدایت کا فرمان ہمارے لئے فرمادے، یا اللہ پوری امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اے اللہ، اے اللہ جو انھیں ضلالت کی طرف کھینچے ان کے ہاتھوں سے انھیں چھوڑا دے اور جو انھیں ہدایت کی طرف کھینچے ان کے ہاتھوں

---

(۱) یہ جملہ تین دفعہ فرمایا۔

کی طرف ان کو منتقل کردے، اے خدا اس امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو یہود ونصاریٰ مشرکین و ملحدین کے ہاتھوں سے چھڑادے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بنیادوں پران کو کھڑا کردے، اے اللہ ان کے یقینوں کو ٹھیک کر، ان کو ہدایت نصیب فرما، ان کو ایمان کی قوت نصیب فرما، ان کو علوم نبویہ کا استقبال نصیب فرما، اسلام کی دولت ان کے سینوں میں اتار دے اور اپنا ذکر ان کے دلوں کو نصیب فرمادے اور دنیا کی بے رغبتی نصیب فرما کر علم دین سیکھنے کے مطابق زندگی گزارنے کی ہدایت نصیب فرما، عام انسانوں کو ہدایت نصیب فرما، اس ملک کے بسنے والوں کو ہدایت نصیب فرما۔ اے اللہ اس ملک کے حاکم و محکوم کو یہاں کی اقلیت و اکثریت کو، اے اللہ اس راستے کی ہدایت نصیب فرما۔ اے اللہ درندوں کی اور اژدہوں کی قسم سے جتنے انسان اور درندے انسان ہیں اور جن کو تجھے انسانیت سے نوازنا ہی نہیں اے خدا ایسے ایسوں کو چن چن کر ہلاک فرما، ایسوں کو زمینوں کو اس کے لئے پھاڑ دے، ایسوں کے مکانوں کو ان پر توڑ دے، ایسوں سے نعمتوں کو اپنی چھین لے، ایسی عبرتناک سزائیں دے کہ دنیا دیکھ لے کہ جو اپنی انسانیت کو بگاڑتا ہے خدا اس کی صورتوں کو اس طرح بدلتا ہے اے خدا ظالم ترین مفسد ترین انسانوں کو چن چن کر ہلاک فرما، جن ناکوں کی ہدایت سے قوموں اور ملکوں میں ہدایت آجائے ان کو ہدایت نصیب فرما اور جن ناکوں کی اے اللہ ہلاکت سے قوموں اور ملکوں کے ضلالت و فساد ختم ہوجائیں اے اللہ ان کو چن چن کر ہلاک فرمادے، اے خدا لوٹ کھسوٹ کے ماحول کو ختم کر، ظلم و ستم کے ماحول کو ختم کر، عدل وانصاف کے ماحول کو قائم کر، علم و ذکر کے ماحول کو قائم کر، خدمت خلق کے ماحول کو قائم کر، تعاون و ہمدردی و محبت کے ماحول کو قائم کر۔ اے اللہ ہماری دعاؤں کو اپنے فضل و کرم سے قبول فرما، ہمارے مقروضوں کی قرضوں کی ادائیگی فرما ہمارے محتاجوں کی حاجتوں کو پورا فرما، ہمارے بیماروں کو تندرستی عطا فرما، جو آنکھ کے بیمار ہیں ان کو آنکھ کی شفا عطا فرما۔ اے اللہ جو معدے کے بیمار ہیں ان کو معدے کی شفا عطا فرما اور بقیہ جتنے آدمیوں نے اس جلسے میں ہم نے دعاؤں کے لئے کہا یا آج تک اس سے پہلے ہم سے دعاؤں کو کہا یا آئندہ ہم سے وہ

دعاؤں کو کہیں اے اللہ سب کی حاجتوں کو پورا فرما اور سب کی پریشانیوں کو ختم فرما، اے اللہ اس جلسے کو سارے ہی انسانوں کے لئے اور سارے ہی مسلمانوں کے لئے اس جلسے کو انتہائی باعث خیر و برکت باعث رشد و ہدایت، باعث لطف و رفعت اور باعث فلاح و فوز اپنے لطف وکرم سے فرما، ہماری دعاؤں کو اپنے فضل وکرم سے قبول فرما، ان نکلنے والوں کو اپنے کرم سے قبول فرما۔ آمین۔
